



وزارت مذہبی امور و اقلیتی امور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت

مقالات سیرت

قومی سیرت کا نفرین

۱۲-۱۳، ربیع الاول ۱۴۱۰ھ، بمطابق ۱۴-۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء

شعبہ تحقیق و مراجع

وزارت مذہبی امور و اقلیتی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت

مقالات سیرت

قومی سیرت کا نفرین

۱۲-۱۳، ذی الحج الاول ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۴-۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء

شعبہ تحقیق و مراجع

وزارت مذہبی امور و اقلیتی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد

پیش لفظ

مسلمانوں کے نزدیک ہادی عالم، پیغمبر اول و آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایمان کا جزو ہے اور آپ کی عظمت کا اعتراف غیر مسلموں تک نے کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں۔ اپنی صفوں میں اتحاد و یگانگت کی قوت پیدا کریں جو ہر لپٹ کو بالا کر دے۔ اور پاکستان کو صلح و آشتی، محبت و مودت، خوشحالی و فارغ البالی اور اخوت و مساوات کا ایسا گہوارہ بنا دے کہ تمام عالم کی نظریں پاکستان پر لگی رہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، محسن انسانیت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر بلند کیا

آپ کا تذکرہ زیادہ سے زیادہ کریں۔ آپ کے ذکر جمیل کے لئے محافل کا انعقاد کریں اور آپ کی سیرت پاک کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کریں۔

وزارت مذہبی امور، سیرت طیبہ کی ترویج و اشاعت کیلئے اپنے قیام کے وقت سے ہی کوشاں ہے اور ہر سال قومی سطح پر سیرت کانفرنس بڑے ترنگ و احتشام سے منعقد کر رہی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر بھی دو کانفرنسوں کا انعقاد کر چکی ہے جن کے ذریعے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس موقع پر وزارت "مقالات سیرت" کے عنوان سے ایک کتاب کی طباعت و اشاعت کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ جو کانفرنس کے مندوبین کے علاوہ ملک کے تعلیمی اداروں، علماء اور دانشور حضرات میں تقسیم کی جاتی ہے۔

زیر نظر کتاب ان خطبات و مقالات پر مشتمل ہے جو قومی سیرت کانفرنس ۸۹ء میں پڑھے گئے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو تشریف قبولیت بخشے اور ہمیں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی
میں اپنی سیرت و کردار کی تعمیر کی توفیق و عطا فرمائے، آمین!
السعی منا والافتام من اللہ تعالیٰ

محمد یوسف
سیکرٹری
وزارت مذہبی امور و اقلیتی امور، اسلام آباد

(ب)

مقالات سیرت ۱۹۱۹ء

- ۱۔ تعارفی کلمات
جناب حق نواز اختر، سیکرٹری
وزارت مذہبی امور، اسلام آباد ۱
- ۲۔ خطبہ استقبالیہ
جناب خان بہادر خان
وفاقی وزیر مذہبی امور و اقلیتی امور اسلام آباد ۷
- ۳۔ خطبہ افتتاحی
جناب غلام اسحق خان
صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۳
- ۴۔ صدارتی خطبہ (اجلاس مقالات)
جناب خان بہادر خان
وفاقی وزیر مذہبی امور و اقلیتی امور اسلام آباد ۲۱
- ۵۔ صدارتی خطبہ (اختتامی اجلاس)
جناب سید قائم علی شاہ
وزیر اعلیٰ، صوبہ سندھ ۲۷
- ۶۔ حضور بحیثیت داعی امن و اخوت
جناب حبیب الرحمن تنولی
وزیر مذہبی امور و اوقاف صوبہ سرحد ۳۱
- ۷۔ پیغمبر اسلام بحیثیت داعی امن و اخوت
مولانا عبدالرحمن کیلانی، لاہور ۳۵
- ۸۔ پیغمبر اسلام بحیثیت داعی امن و اخوت
حافظ قاری محمد یوسف شاہد، گوجرانوالہ ۶۱
- ۹۔ پیغمبر اسلام بحیثیت داعی امن و اخوت
مولانا عبدالعزیز عرفی ایڈووکیٹ، کراچی ۸۱

(ج)

- ۱۰۔ پیغمبر اسلامؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۱۔ حضورؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۲۔ پیغمبر اسلامؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۳۔ رسولؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۴۔ پیغمبر اسلامؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۵۔ حضورؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۶۔ مہدی عالمؑ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۷۔ پیغمبر اسلامؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۸۔ پیغمبر اسلامؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۱۹۔ امت واحدہ کے بانی حضرت محمدؐ
- ۲۰۔ اسلام میں امن و اخوت کا عالمگیر تصور
- ۲۱۔ سرور کائناتؐ بحیثیت داعی امن و اخوت
- ۲۲۔ پیغمبر اسلامؐ، پیغمبر امن و اخوت
- ۲۳۔ امن و اخوت کے داعی اعظمؐ
- ۲۴۔ دعوت امن و اخوت کا تبلیغی پہلو اور ذرائع ابلاغ سمیت طیبہ کی روشنی میں
- ۲۵۔ رسول اکرمؐ کا پیغام امن و اخوت کا عالمی نظام
- ۲۶۔ بابی امن و اخوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- ۹۳۔ پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، کراچی
- ۱۰۹۔ پروفیسر حافظ خالد محمود زرداری، ڈیرہ اسماعیل خان
- ۱۲۹۔ پروفیسر محمد طفیل اقبال، ڈیرہ اسماعیل خان
- ۱۴۱۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمن، کوئٹہ
- ۱۶۱۔ جناب شبیر احمد بلوچ، کوئٹہ
- ۱۷۷۔ علامہ سید کفایت حسین نقوی منٹھن آباد
- ۱۸۷۔ ابو طالب سید سبط احمد، گڑھی دوپٹہ آزاد کشمیر
- ۱۹۹۔ سید واکر شاہ، اسلام آباد
- ۲۰۷۔ حافظ محمد ظہور الحق، اسلام آباد
- ۲۲۱۔ مولانا رشتہ الحق تھانوی، کراچی
- ۲۳۳۔ پروفیسر احسان الدین، پشاور
- ۲۴۷۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ
- ۲۶۱۔ پروفیسر رشید احمد جالندھری، کوئٹہ
- ۲۷۵۔ جناب طالب ہاشمی، لاہور
- ۲۹۵۔ ڈاکٹر شمس الدین، کراچی
- ۳۰۷۔ سید اسعد گیلانی، لاہور
- ۳۲۳۔ سید اسماعیل رضا و میج ترمذی، ہری پور بہارہ

- ۲۷۔ حضور بختیت داعی امن و اخوت
بریگیڈیئر گلزار احمد، راولپنڈی ۳۵۳
- ۲۸۔ نبی اکرم بختیت پیغمبر امن و عافیت
پروفیسر سمیع اللہ قریشی، جھنگ ۳۷۹
- ۲۹۔ دعوت امن و اخوت اور اصلاح معاشرہ
سیرت طیبہ کے عملی پہلو کی روشنی میں
ڈاکٹر عبدالرشید، کراچی ۳۹۵
- ۳۰۔ حضور بختیت داعی امن و اخوت
پروفیسر محمد لطیف، راولپنڈی ۴۰۷
- ۳۱۔ حضور اکرم، بختیت داعی امن و اخوت
پروفیسر سید ازکیا ہاشمی، مانسہرہ ۴۲۷
- ۳۲۔ نبی اکرم بختیت داعی امن و اخوت
جناب نوید شبلی، پشاور ۴۴۳

تعارفی کلمات! جناب حق نواز اختر، وفاقی سیکرٹری وزارتِ مذہبی امور و اقلیتی امور، اسلام آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عالی مرتبت جناب غلام اسحق خالص صاحب، صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان
محترم جناب خان بہادر خان صاحب، وفاقی وزیر مذہبی امور،
وزراء کرام، علماء و مشائخ عظام،
معزز مندوبین اور
حاضرین گرامی قدر،
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ سب کیلئے شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بار پھر اپنے حبیب سیدنا
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ محفل کے انعقاد اور اس میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی اور
رحمۃ للعالمین کی نسبت سے ہمیں دنیا اور عقبیٰ کی نعمتیں اور برکتیں حاصل کرنے کا موقع دیا۔ میں
اس موقع پر صدِ زدی و فار کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہماری استدعا قبول کی اور ہماری
اس کانفرنس کی زینت بنے اور سب حضرات کا غیر مقدم کرتے ہوئے مختصر الفاظ میں اس کانفرنس
کی غرض و نغایت اور اس کے مختلف پہلوؤں سے متعلق تعارفی کلمات آپ کے گوش گزار کرنا
چاہتا ہوں۔

حاضرین کرام!

زندہ قومیں اپنے محبین اور مشاہیر کو کبھی فراموش نہیں کرتیں بلکہ ان کے نام اور کام کو
زندہ رکھنے کیلئے مختلف نوعیت کے اقدام کرتی ہیں جن میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ
ان کے دین مناسقی ہیں اور ان کی یاد میں جلسے قائم کرتی ہیں اور سینما منعقد کرتی ہیں۔ یہ ایک
مسئلہ حقیقت ہے کہ تاریخ عالم ملکۃ تازہ کی کائنات کا سب سے اہم واقعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ
وسلم کی ولادت باسعادت کا ہے اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم ہے کہ اس نے

ہمیں اپنے محبوب ترین نبی علیہ السلام کے امتی ہونے کا شرف بخشا، یہ اعزاز اسلامیانِ عالم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ بھی اپنے محسنِ اعظم کو ان کے نمایاں شانِ انداز سے یاد رکھیں۔ اسیلئے ہماری یہ روایت رہی ہے کہ ہم سرِ در میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کو خاص طور پر نہایت عقیدت و احترام سے مناتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم سیرتِ طیبہ کی مجالس اور میلاد النبی کی محافل منعقد کرتے ہیں لیکن سمارِ طریقہ دوسری اقوام سے قدرے مختلف رہا ہے۔ ہم ان مجالس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات بیان کرتے ہیں۔ آپ کے اسوہ حسنہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور آپ کے حضور درودِ سلام و قصیدہ و نعت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ آخری وظیفہ یعنی آپ پر درودِ سلام بھیجا خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی سرانجام دیتے ہیں۔

”ان الله وملائكته يصلون على النبي“

اس لحاظ سے ہماری یہ سیرت کانفرنس یا سیرت و میلاد کے جلسے ارشادِ ربانی کی تعمیل کے زمرے میں آتے ہیں برصغیر کے مسلمان اس روایت کو ہمیشہ زندہ رکھے رہے، جہاں وہ انجے گھروں میں، مساجد اور جلسہ گاہوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں نہایت عقیدت کے ساتھ مجلس منعقد کرتے تھے، لوگ ان میں شامل ہونا اپنے لئے سعادت و برکت سمجھتے تھے پاکِستان کے بعد ان محافل کی اب وقاب اور رونقوں میں مزید اضافہ ہوا۔ ساتھ ساتھ ایک نظر باقی اسلامی مملکت ہونے کے لحاظ سے حکومت کا بھی یہ فرض تھا کہ وہ لوگوں کے احساسات و جذبات کا خیال رکھتے ہوئے سرکاری سطح پر اس جانب اقدام کرے۔

یہ سعادت جناب ذوالفقار علی بھٹو، وزیرِ اعظمِ پاکستان کے حصے میں آئی جنہوں نے اس کی ابتداء ۱۹۷۶ء میں پہلی بین الاقوامی سیرت کانفرنس سے کی، اس کانفرنس میں پاکستان کے ہول و عرض سے سینکڑوں علماء، شائخ اور دانشوروں کے علاوہ تقریباً تمام عالمِ اسلام کے نمائندوں نے شرکت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخلاقی پہلو پر بحرِ نورِ انداز سے روشنی ڈالی اس کانفرنس کے آخری اجلاس میں تمام مندوبین نے دوسری اہم تجاویز کے علاوہ متفقہ طور پر یہ قرار دیا بھی منظور کیا کہ آئندہ تمام اسلامی حکومتیں اپنے اپنے ملک میں ہر سال ربیع الاول کے مبارک مہینے میں قومی سطح پر سیرت کانفرنس منعقد کریں۔ الحمد للہ پاکستان

نے اس قرار داد کی روح کو قائم رکھتے ہوئے گزشتہ تیرہ سالوں میں دو بین الاقوامی سیرت کانفرنسیں اور باقی قومی سیرت کانفرنسیں منعقد کیں۔ جن میں پاکستان کے تمام صوبوں اور علاقوں کی نمائندگی کرتے ہوئے علماء کرام، مشائخ عظام نے شرکت کی۔

صدر گرامی قدر!

سیرت کانفرنس کی برکات و فیوض میں اضافہ کرنے کیلئے وزارت نے مختلف نوع کے اقدام کیے، مشروع میں طریقہ کار یہ تھا کہ ہم علمی شخصیتوں کو ایک ہی مجوزہ مرکزی موضوع پر اظہار خیال کیلئے دعوت دیتے تھے۔ لیکن ہمارے تمام تر غلوں کے باوجود ہمیں اپنے سندھین کی طرف سے ایسے افکار و خیالات نہ مل سکے جن کی ہم ان سے توقع رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم نے اس طریقہ کار کو بدل دیا اور ابلاغ عامہ کے ذریعے ملک کے تمام اہل قلم کو مجوزہ موضوع پر مقالات سپرد قلم کرنے کیلئے دعوت دی اور ان میں مسابقت کے عمل کو جاری رکھنے کیلئے اور بہترین مقالات حاصل کرنے کیلئے انعامات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے جواب میں ہمیں اچھے مقالات موصول ہوئے۔ ہم نے صوبائی حکومتوں کے تعاون سے ہر ایک صوبہ اور آزاد کشمیر سے ایک ایک بہترین مقالہ منتخب کرایا۔ اور ان منتخب مقالہ نویسوں کو سیرت کانفرنس میں اپنا مقالہ پیش کرنے کی درخواست کی۔ ماہرین سیرت کی ایک کمیٹی کے ذریعے ان میں سے ایک بہترین مقالہ منتخب کیا گیا۔ جس کے مصنف کو ایک گولڈ میڈل اور عمرہ کا ٹکٹ دیا گیا۔ جبکہ باقی مقالہ نویسوں کو مبلغ پچیس پچیس سو روپے کے انعامات دیئے گئے ظاہر ہے ایسے مقابلے میں کسی ایک صوبہ کا مقالہ نویس ہی پہلے انعام کا مستحق قرار دیا جاسکتا تھا اور باقی علاقوں کے مقالہ نویس اس سے محروم ہو جاتے تھے۔ اس صورتحال کا ازالہ کرنے کیلئے اس طریقہ کار میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر دی گئی ہے چنانچہ ہم نے چاروں صوبوں کے علاوہ آزاد کشمیر اور وفاقی علاقے کے مقالہ نگاروں سے مضامین حاصل کئے اور جملہ ۱۳۵ مقالات موصول ہوئے یہ سب مضامین متعلقہ حکومتوں کے تعاون سے وہیں کے ماہرین نے جانچے جنہوں نے ہمیں ہر علاقے سے دو دو بہترین مضامین منتخب کر کے دیئے اس طرح کل ۱۲ مقالات انعام کے مستحق قرار پائے جن میں سے چھ پہلی پوزیشن کے حامل تھے اور دوسرے چھ دوسری پوزیشن کے یہ مقالہ نگار ہمارے درمیان موجود ہیں۔

بالترتیب پہلی اور دوسری پوزیشن پر مبلغ / ۲۵۰۰ روپے اور / ۱۵۰۰ روپے بطور انعام دیئے جائیں گے اور ان مقالات کو آپ مقالات کے اجلاس میں سماعت بھی فرما سکیں گے۔ اور باقی مقالات کو انشاء اللہ جلد ہی کتابی شکل میں طبع کروا کر حسب سابق آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

جناب والا!

سیرت طیبہ کی اشاعت کی غرض سے وزارت مذہبی امور نے کتب سیرت پر متعدد مقابلے شروع کئے تھے اس کی وجہ سے سیرت نگاری کا رجحان بڑھا اور ۱۹۷۹ء سے لیکر اب تک تقریباً ۴۵۰ کتابیں انعامی مقابلوں میں شریک ہوئیں جن میں قومی زبان اردو علاقائی زبانوں کے علاوہ انگریزی، عربی، ترکی اور فارسی شامل تھیں۔ ان میں سے متعدد کتابوں نے انعامات بھی حاصل کئے لیکن اس مسابقت کی وجہ سے بالخصوص اردو اور علاقائی زبانوں میں سیرت کی کتابوں کا اعلیٰ معیار قائم نہ رہ سکا چنانچہ بہتر معیار کیلئے اس سال بین الاقوامی کتب سیرت اور علاقائی زبانوں میں نعت شریف کی کتابوں کو مقابلہ میں شامل کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں ۲ انگریزی، ۱ ترکی اور ایک بنگالی کتب کے علاوہ پنجابی زبان میں ۲ کتابیں اور سرائیکی میں ایک نعت شریف کی کتاب موصول ہوئیں۔ ان میں سے مستحق اور معیاری لکھنے والوں کو انعام کی رقم پیش کی جائے گی۔ جن کا اعلان آپ اسی نشست میں سماعت فرمائیں گے۔ ائندہ سال کے لئے مقابلہ میں کسی دوسری زبان کی کتب سیرت کو شامل کیا جائے گا۔ اس طرح ہر زبان کی کتاب کو تیسرے سال مقابلہ میں شریک ہونے کا موقع ملے گا۔ جس سے ادب سیرت میں یقیناً صحت مندانہ رجحان پیدا ہوگا۔

جناب والا!

نوجوان طلباء اور طالبات میں دینی رجحان کو فروغ دینے کیلئے اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دینی مدارس کے طالب علموں کو ہر سال کسی اسلامی موضوع پر لکھنے کی دعوت دی جاتی رہی ہے۔ ان میں سے اعلیٰ درجے کے مضامین پر انعامات دیئے گئے اور باقی مضامین میں سے منتخب اور معیاری مضامین کو کتابی شکل میں منصفہ شہود پر لایا جاتا ہے۔ اس مرتبہ اس نوعیت کے دو مقابلے منعقد کئے گئے ایک انٹر اسکول سطح تک اور دوسرا

یونیورسٹی اور دینی مدارس کی سطح پر، انٹریول کیلئے یہ موضوع تھا۔
 ”اسلام میں پردہ کی حقوق“

جبکہ یونیورسٹی اور دینی مدارس کے طالب علموں کیلئے موضوع تھا۔
 ”مساوات مرد و زن بشمول اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہونے کا قرآنی تصور“
 دونوں مقابلوں کے لئے انعام کی یہ رقوم مختص کی گئیں۔

انٹریول

۲۰۰۰ روپے
 ۱۵۰۰ روپے
 ۱۰۰۰ روپے

پہلا انعام
 دوسرا انعام
 تیسرا انعام

یونیورسٹی اور دینی مدارس کیلئے

۲۵۰۰ روپے
 ۲۰۰۰ روپے
 ۱۵۰۰ روپے

پہلا انعام
 دوسرا انعام
 تیسرا انعام

ان انعامات کا تعین بالترتیب انٹریول بورڈ کیسٹی آف چیئرمین اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے
 کرنا تھا۔ جنہوں نے اپنی سفارشات ہمیں روانہ کر دی ہیں۔ مستحق طلباء کے نام آپ اسی
 اجلاس میں سماعت فرمائیں گے۔

ان انعامات کے علاوہ ہر بورڈ سے پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم کو ۵۰۰/-
 روپے اور یونیورسٹی یا دینی مدارس سے پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم کو
 ۸۰۰/- روپے انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔ ان کی ادائیگی متعلقہ بورڈ یا یونیورسٹی اور
 دینی مدارس کے ذریعے وزارت مذہبی امور کرے گی۔

جناب والا!

یہ ان اقدامات کا خلاصہ ہے جو وزارت مذہبی امور سیرت طیبہ کی ترویج و اشاعت کے
 سلسلہ میں وقتاً فوقتاً کرتی رہی ہے اور الحمد للہ ہماری ان کوششوں کا اثر قومی سطح پر
 ہی نہیں بلکہ کسی حد تک بین الاقوامی سطح پر بھی رونما ہوا ہے۔

حضراتِ گرامی !

یہ تو تھے تغارفی کلمات جن میں سیرت کانفرنس کا پس منظر بیان کیا گیا ہے ۔ مگر اس سال قومی سیرت کانفرنس کو کراچی میں منعقد کرنا اور مقالات کے عنوان کا تعین کرنا جناب عالی مرتبت صدر اور حاضرینِ کرام ! ایک خاص مقصد کیلئے ہے اس وقت بعد افسوس کننا پڑتا ہے کہ ہماری قوم گردہی ، فرقہ وارانہ اور دیگر تعصبات کی بدولت افسوسناک فسادات اور جنگ و جدل میں ملوث ہے ۔ آج اس شمعِ ہدایت ، کالی کملی دارے کے اُمتی ہونے کے ناطے سے ہمیں رسولِ پاک کی سیرت طیبہ سے امن و اُشتی بھائی چارے اخوت و رحمت اور انصاف کا سبق سیکھنا ہے ۔ جس کی ضرورت جتنی آج ہے پہلے کبھی نہ تھی آئیے اس شمع کی روشنی کو اپنے سینوں کو منور کرنے کیلئے کام میں لائیں ، اپنی سماجی اور معاشرتی زندگی میں ان راہنما اصولوں کو اپنے اعمال کا بنیادی نکتہ بنائیں ، میں اپنے بھائیوں بزرگوں اور بچوں سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ اس پیغام کو گھر گھر پہنچائیں ۔

جزاکم اللہ فی الدارین

خطبہ استقبالیہ!
جناب خان بہادر خان صاحب، وفاقی وزیر مذہبی امور و اقلیتی امور، اسلام آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

گرامی قدر جناب غلام سحیح خان صاحب، صدر پاکستان

وزراء کرام،

سیکرٹری وزارت مذہبی امور

علمائے کرام، مشائخ عظام

دانشوران قوم اور معزز حاضرین محفل،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں وزارت مذہبی امور کی طرف سے قومی سیرت کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں
آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور جناب صدر آپ کا میں تہہ دل سے سپاس گزار ہوں
کہ آپ اپنی تمام قومی اور بین الاقوامی مصروفیتوں کو معرض التوا میں ڈال کر ہماری درخواست پر
یہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ کے اس جذبے سے آپ کی اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
سے گہری عقیدت اور محبت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا اثر تمام قوم کے اذہن و قلوب پر بھی
پڑے گا اور ہماری بھی حوصلہ افزائی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی ہم ایسی مقدس
مجالس کے انعقاد و انتہام میں اپنی اسی ذوق و شوق اور عقیدت و احترام کا مظاہرہ کریں گے

اور حضور علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس اجلاس میں شرکت پر آپ سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

حاضرین کرام !

وزارت مذہبی امور کے سیکرٹری صاحب نے اپنے تعارفی کلمات میں اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ وزارت ہر سال کانفرنس کیلئے ایک مرکزی موضوع کا تعین کرتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں ایک ہی موضوع پر متعدد اہل قلم کے افکار و خیالات سننے اور جاننے کا موقع ملتا ہے۔ اس موضوع پر موصول ہونے والے مقالات کو بعد میں ہم کتابی شکل میں شائع کرتے اور قارئین سیرت تک پہنچاتے ہیں تو انہیں مختصر سے وقت میں اپنے پسندیدہ سیرت نگار کا مقالہ پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور سیرت پاک کی روشنی میں اپنی زندگی سنوار سکتے ہیں۔ اس کانفرنس سے پہلے ہم حضور علیہ السلام کی سیرت پاک کے جن پہلوؤں کو اجاگر کر چکے ہیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”معلم کامل“ کی حیثیت، آپ کا نظام عدل، نظام معیشت، نظام تبلیغ، اصلاح معاشرہ انسانی حقوق، عمدہ حاضر کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت جیسے اہم موضوع شامل ہیں۔ ان کتابوں میں بنی نوع انسان کے لئے ایسا پیغام اور مواد موجود ہے جو اس کی بنیادی ضرورتوں کا حل پیش کر سکتا ہے۔

موجودہ قومی سیرت کانفرنس کیلئے وزارت نے ”پیغمبر امن و اخوت“ کے موضوع کا انتخاب کیا یہ موضوع اپنے اندر بڑی جامعیت لئے ہوئے ہے اور آج کے دور کیلئے بڑی اہمیت کا حامل ہے آج دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ امن و اشتی ہے۔ جسے دیکھیے کسی نہ کسی فکر میں متبلا نظر آتا ہے کوئی نعم دوراں کا مارا ہوا ہے۔ اور کوئی غم روزگار کا ستیا ہوا ہے۔ ہر فرد اپنی جگہ پریشان، ہر شخص اپنے پہلو میں اضطراب کی دنیا لئے پھرتا ہے اور اسے کہیں بھی سکون نہیں ملتا۔ کیا انسان کے اس درد کا کوئی علاج نہیں کیا اسکی اس پریشانی اور اس کے کرب کا کوئی مداوا نہیں ! ہر انسان اپنے ان سوالات کا جواب چاہتا ہے۔ زمانہ بڑی ترقی کر چکا ہے، انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے متعدد نظام وجود میں آچکے ہیں مختلف ادارے مختلف سطحوں پر کام کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود انسان کو کسی پہلو چھین نہیں۔

حضرات گرامی!

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اپنے دورہ یورپ کے زمانے میں، جب علامہ اقبالؒ اٹلی کے سربراہ میسولینی سے ملاقات کے لئے گئے تو اس نے علامہ اقبال سے دریافت کیا کہ آج کے دور میں امن و امان کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ہر جگہ قانون شکن افراد اپنی من مانی کرتے پھرتے ہیں اس صورت حال کی اصلاح کس طرح ممکن ہے۔ اس پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ میں جس رسولؐ کا ماننے والا ہوں اس کا ارشاد ہے کہ امن و امان قائم رکھنے کیلئے شہروں کی آبادی کو بڑھنے نہ دیا جائے۔ جتنا کوئی شہر یا مقام گنجان آباد ہوگا اتنے ہی اس کے مسائل ہوں گے اور اسی قدر وہاں پر امن و امان کی حالت خراب ہوگی۔

حضرات!

یہ مسئلہ کا صرف ایک حل ہے اس کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ میں ہمیں ایسے متعدد دیکھیں اشارات اور عملی ثبوت مل جائیں گے، جنہیں اپنا کر ہم نہ صرف اندرون ملک امن قائم کر سکتے ہیں بلکہ پورے عالم انسانیت کو امن و آشتی اور صلح و سلامتی کا گہوارہ بنانے میں مدد کر سکتے ہیں۔

حاضرین کرام!

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل عرب جاہلیہ کے حالات کا مطالعہ فرمائیں۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس وقت امن و آشتی کی کیا صورت تھی۔ عرب معاشرے میں نہ کوئی قانون تھا، نہ قانون ساز ادارہ اور نہ ہی کوئی قوت نافذ تھی، اس لئے ہر سو قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ نہ گھر محفوظ تھے نہ بازار، مومن، نہ راستے پر سکون تھے نہ پیر، نہ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ کسی کی دولت، جنگ و جدل اور فتنہ و فساد کا دور دورہ تھا۔ غرضیکہ ایام جاہلیت کے ان مناظر کا خلاصہ یہ تھا کہ جو فطری صلاحیتیں انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھیں۔ نہ ان سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا اور نہ انہیں صحیح سمت کی طرف گامزن کیا جاتا تھا۔ شجاعت و بہادری نے ظلم اور بردستی، فیاضی اور سخاوت نے اسراف اور فضول خرچی، خودداری اور غیرت، تعصبات و تفریق، دہانت و دکاوت نے دھوکہ بازی اور جیلہ سازی کی شکل اختیار کر لی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات اور سیرت طیبہ نے امن عالم کیلئے مفروضے اور

بے بنیاد ضابطے، چارٹر اور رسمی تدبیر انسانوں کو نہیں دیں، بلکہ حقیقت پر مبنی راہ عمل دکھائی۔ آپ نے ایسی بنیادیں قائم کیں جن سے فتنہ و فساد کی بجائے امن و سلامتی کی تعمیر ہو۔ آپ نے منائے امن کے ساتھ حرص و ہوس کو قطعاً روانہ رکھا۔ آپ نے خواہشات کو دبوچانے کی مطلق گنجائش نہ رکھی۔ اور نہ ہی خلق خدا کو ٹکڑوں میں بانٹنے کا جواز پیدا کیا بلکہ لینے کی بجائے دینے مفاد پرستی کی بجائے ایثار و قربانی، طبقاتیت کی بجائے اخوت اور افاست کی بجائے مساوات کے نہ صرف نظریات عطا کئے بلکہ عملی طور پر ان کا مظاہرہ بھی فرمایا۔ چنانچہ اس کا بھرپور مظاہرہ ہمیں حضور علیہ السلام کی مدنی زندگی میں ملتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں آپ نے نہ صرف ایک صحت مند اور متوازن معاشرہ تشکیل دیا بلکہ اس کے نتیجہ میں ایک مثالی ریاست بھی قائم کی جس میں بیک وقت ایمانیات کے نتیجے میں ان بنیادی اقدار یعنی اتحاد و اتفاق، مساوات اخوت اور عدل و حریت کا دور نظر آتا ہے۔ اسلام کی بنیادی اقدار نے مسلمانوں کو آپس میں حقیقی بھائیوں سے بھی قریب تر کر دیا اور وہ مسلمان کا دکھ اس کی بے حسنی اور اس کی تمام پریشانیوں کو اپنی پریشانیاں اور مسائل سمجھ کر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے نظر آنے لگے اور ان کی قوت و شوکت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ چند سال ہی کے عرصے میں آپ نے ریاست مدینہ کو اتنا مضبوط اور پرفشکوہ بنا دیا کہ آپ کی زندگی میں قرب و جوار کے علاقوں میں اسے محسوس کیا جانے لگا اور بہت مختصر وقت میں مسلمانوں نے وہ شوکت و قوت حاصل کر لی جس کے حصول کیلئے فرانسیسی دانشور، رینان پوپ کی حکومت کو یورپ میں نہر سال لگے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اخلاقیات اور قوت و شوکت کے عملی امتزاج سے بین الاقوامی سطح پر دنیا کیلئے امن و اخوت اور صلح و آشتی کا جو نمونہ پیش کیا اس کی مثال زمانہ قبل نبوت میں تو کیا ملتی آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ آج بڑی طاقتور قومیں کمزور اور غیر ترقی یافتہ اقوام کا استحصال اُسی شد و مد سے کر رہی ہیں۔ جس طرح زمانہ قدیم کی مہم جو قومیں کرتی تھیں۔ لیکن آج کے انسان کے امن کیلئے پیکار پہلے سے کہیں زیادہ زور دار ہے اور اس کی پریشانیاں مسائل اور ناآسودگیوں بھی زیادہ شدت اختیار کر چکی ہیں۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا سوہڑا ہے۔ میرے نزدیک آج کے انسان کو امن و امان فراہم کرنا اسلامیانِ عالم کی ذمہ داری ہے۔ انہیں چاہیے کہ پہلے

وہ اپنے اندر اتفاق و اتحاد کی قوت پیدا کریں اور اپنے داخلی معاملات کو اس طرح درست کریں کہ ہر خطہ میں رہنے والے لوگ اپنے آپ کو خطرات اور اندیشوں سے محفوظ سمجھیں۔

حضراتِ گرامی!

اس مقصد کے حصول کیلئے ہم سب پر یہ مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور تعلیمات کی زیادہ سے زیادہ رُبح و اشاعت کریں۔ حکومتی سطح پر سیرت کا نفرینوں کے انعقاد کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم مقصد کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے، آمین۔

حاضرینِ کرام!

آج کے اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے محض حصولِ ثواب کی غرض سے مجوزہ موضوع پر چند باتیں پیش کرنے کی جرات کی ہے حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں اس وقت اپنے دور کے اکابر، علماء، مشائخ، دانشور اور سیرت نگار موجود ہیں جو اس موضوع پر مجھ سے کہیں بہتر روشنی ڈال سکتے ہیں اس کا بھی ہم نے انتظام کر رکھا ہے۔ انشاء اللہ نشستِ مقالات میں آپ بہترین افکار و خیالات سے مستفید ہو سکیں گے۔

آخر میں، میں ایک بار پھر آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور صدیہ محترم کی تشریف آوری پر ان کا احسان مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس اسلامی و ملی جذبے میں اضافہ فرمائے اور انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین۔

خطبہ افتتاحی
جناب غلام الحق خان، صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

جناب فخر الدین جی ابرہیم، گورنر سندھ
جناب قائم علی شاہ، وزیر اعلیٰ سندھ
جناب خان بہادر خان، وفاقی وزیر نہ ہن امور،
علمائے کرام،
مشائخ عظام، اور
معزز حاضرین،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج ہم فخر و عالم، سرور کوئین، رحمت عالم، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کے ذکر جمیل کی سعادت سے دلوں کی آسودگی، ذہنوں کی کشادگی اور رگوں کی بالیدگی حاصل کرنے جمع ہوئے ہیں۔ مدحت رسول ہمارے لئے تکمیل ایمان کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ ہے۔ یہ الگ بات کہ نہ ہماری زبان میں یہ قدرت ہے کہ تنائے پیغمبر کا حق ادا کر سکے اور نہ ہمارے تخیل میں اتنی وسعت کہ مقام نبیؐ کا احاطہ کر سکے۔ مگر پھر بھی باری تعالیٰ سے یہی التجا ہے کہ اس عاجزانہ کوشش کے وسیلے سے ہمیں ان بندوں میں شامل کرے جن سے وہ راضی ہوا اور جن پر اس نے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیئے۔

حاضرین گرامی قدر!

روزِ آفرینش سے آج تک ایسا کوئی دن طلوع نہیں ہو جو ۱۲ ربیع الاول سے زیادہ سعادت و برکت کا دن ہو۔ یہ دن تخلیق کائنات کے درجہ کمال کا دن ہے۔ یہ اعلیٰ کلمہ حق کی ابتدا اور کفر و باطل کے ایوانوں کے رزق کا دن ہے۔ یہ انسانی حریت کے

نقطہ آغاز اور انسانی محکوم کی جملہ روایات کی تفسیح کا دل ہے۔ یہ اس عظیم ہستی کی بعثت کا یوم سعید ہے۔ جس نے نسلی غرور اور قومی تفاخر کے بت گرا دیئے اور رومی ہوئی انسانیت کو مساوات اور امن کا لافانی منشور عطا کیا۔ جس نے صداقت کو زباں بخشی اور کذب و افتر کے اسباب مٹا دیئے۔ یہی وہ مقدس ترین دن ہے جب ارض و سما پر محیط ظلمات سمٹ گئیں اور لطف الہی سے وہ آفتاب تازہ طلوع ہوا جس کے لازوال نور میں انسان ذلت و نامرادی اور بایوسی کی لہٹیوں سے اٹھ کر عزت و اقبال اور یقین کی رفعتوں پر فروکش ہوا اور "ولقد کرمنا نبی آدم کے اعزاز کا سزاوار بنا۔

سامعین کرام!

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، نیا کرم کے حسن ظاہری اور جمال معنوی، ان کے اعجازات و احسانات اور سیرت طیبہ، جو ستر مقدم قرآن کی تفسیر ہے، اتنے وسیع، اتنے عمیق موضوع ہیں کہ مجھ جیسا عاجز بیاں اور شکستہ پا اس دبستان لاقتنا ہی میں قدم تک رکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ آپ جیسے اہل علم و دانش کا میدان ہے اور مجھے امید ہے کہ ان موضوعات پر آپ کی عالمانہ گفتگو رشد و ہدایت کی روشنی پھیلانے کا وسیلہ بنے گی۔

میں تو آج آپ کی اجازت سے صرف چند سوال اٹھانے کی گستاخی کروں گا، چند ایسے سوال جو رحمتہ اللعالمین کا امتی ہونے کے ناطے ہم میں سے ہر کسی کو اپنے آپ سے پوچھنے چاہیے۔ چند ایسی باتیں جو انسانیت کے عظیم ترین محن کے نام لیواؤں کی اس خدا داد مملکت کے حوالے سے ذہن میں آتی ہیں اور خون کے آنسو رلا جاتی ہیں۔

جب مجھے یہ بتایا گیا کہ موجودہ سیرت کا نفرنس کا موضوع "پیغمبر امن و اخوت" ہے تو میرا ذہن معاً "اسلام" کے لغوی معنی کی طرف گیا۔ اسلام یعنی سلامتی۔ پھر نگاہوں میں اقوام عالم کا اجمالی خاکہ پھرنے لگا۔ جس میں گو کہ بہتری کے آثار پیدا ہو چکے ہیں مگر پھر بھی اب تک بحیثیت مجموعی بد امنی اور بے چینی کا رنگ غالب ہے۔ کہیں نظریات کے تصادم سے اور کہیں مفادات کے ٹکراؤ سے۔ کہیں طاقتور کی بالادستی اور غلبہ حاصل کرنے کی خواہش حاجت کی منت نہی شکلوں کو جنم دے رہی ہے اور کہیں کمزور کی بے بضاعتی اور بے بسی عارضی تحفظ کی پناہ گاہیں ڈھونڈ رہی ہیں۔ مختلف میدان میں فتوحات انسانوں کو فرعونوں کا غرور عطا کے امن کی بجائے انتشار اور نصرت کو جنم دے رہی ہیں اور چاند کی پرسکون سطح پر قدم رکھنے والا

انسان حیران ہے کہ جنونی اڑوے اسے کب یہ محسوس ہونے دیں گے کہ زمین پر سلامتی ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسا صرف تبھی ہوگا جب آدمی کا بنایا ہوا وہ نظام بدے گا جو بھیڑوں کی حفاظت بھیڑیوں کے سپرد کرتا ہے اور جب ہر اس بت کا طلسم توڑ دیا جائے گا جس کی خدائی میں انسانیت کے ابھرنے کا امکان نہ ہو، امن کا راز کسی ایک انسان، کسی ایک قوم، کسی ایک ملک کی دوسرے انسان، دوسری قوم، دوسرے ملک پر فتح میں نہیں بلکہ تمام انسانوں پر کسی ایسے نظام کی بالادستی میں ہے جو طاقتور کو کمزور کی حفاظت اور نگہبانی سکھاتا ہو، جو کجگلاہوں کو فروتنی بخشتا ہو، جہاں مظلوموں کی زبانیں قریا دیکھنے نہیں تشکر کیلئے کھلی ہوں، جو ہر محمود کو ایازوں کی صف میں لاکھڑا کرتا ہو، جو بھوک سے مرنے والے کتے تک کی ذمہ داری قبول کرتا ہو۔ وہ نظام جو دو عالم کے لئے رحمت بن کر آنے والے انسانیت کے محسن اعظم نے عطا کیا ہے۔ یہ وہی نظام ہے جس کی دعوت لے کر گھٹنے والوں سے دنیا کی امامت کا وعدہ کیا گیا ہے اور کل روئے ارض پر جس کے نفاذ کی سعی کو اہل ایمان کیلئے جہاد قرار دیا گیا ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا آج ہم اس امامت کے حقدار ہیں؟ ہم خود اپنے بارے میں لاکھ حسن ظن سے کام لیں، اس سوال کا جواب نفی ہی میں ملے گا۔

ایسا کیوں ہے؟ وہ عزت و شرف والے کہ کل تک جن کی جناب میں گستاخی فرشتہ بھی پسند نہ تھی۔ آج تحقیر کا ہدف کیوں ہے؟ وہ سلامتی جن کا دین ہے اور امن جن کا جزو ایمان، آج انتشار بے چینی اور بد امنی کا شکار کیوں ہیں؟ یہ کیوں کہ سوا کہ جنہیں ایک دوسرے کی جان و مال اور آبرو کا محافظ بنایا گیا تھا، آج آپس میں دست بہ گریباں برادر کشی میں مصروف ہیں؟ یہ سب نتیجہ ہے اس بد بختی کا کہ ہم نے نہ صرف دین و ایمان کی صراطِ مستقیم سے انحراف کیا بلکہ غلاموں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تک کو بھلا دیا۔ ان کی مدح میں طب اللسان تو ضرور ہے مگر دلوں کو ان سے وابستہ نہ کر سکے جو اللہ سے نزدیک ہونے کا واحد ذریعہ ہیں، اپنے آپ کو ان سے دور کر لیا۔ نتیجتاً وہی ہوا جو ہوا کرتا ہے جب مصطفیٰ تک رسائی حاصل نہ کر سکے تو پھر لوہی کے سوا کیا ملتا۔

ہمیں حکم ہوا کہ پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ "ہم دائرہ اسلام میں آ تو گئے مگر ایسا نظر آتا ہے گویا دل و دماغ کو باہر ہی چھوڑ آئے۔ ہمیں تو رسالت مآب کے طفیل آگ کے گڑھے کے کنارے سے لاکر باہم تیسرے و شکر کر دیا گیا تھا۔ پھر آج ہم میں تفرقہ کیوں

ہے ؛ خدا کے رسولؐ نے تو ہمیں حجتہ الوداع کے موقع پر ناکید کی تھی کہ یاد رکھو، تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو تم پر اسی طرح حرام ہے جیسے تمہارے اس شہر میں آج کے دن حرمت ہے یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔“ کیا ہمیں آقاؐ کے دو جہاں بکایہ حکم یاد رہا ہے ؛ یا ہم یہ فرض کئے بیٹھے ہیں کہ ہمیں نہ اپنے رب سے جا ملنا ہے اور نہ اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے ؛ ہمیں سمجھایا گیا تھا کہ ”پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ابتدا سے تمام مسلمان محفوظ ہیں۔ پھر بتائیے کہ جب ہماری زبانیں اور ہمارے ہاتھ روز قیامت ہمارے اعمال کی راہی دیں گے تو ہم اسے کیا منہ دکھائیں گے۔ جس کی شفاعت کے ہم طلبگار ہیں ؛ فرمایا تھا: ”میرے بعد کافر نہ ہو جائے کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو“ گو یا مسلمانوں کے باہمی کشت و خون کو کفر کے مترادف گردانا گیا۔ اب وہ جو اس جرم قبیح کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو کس منہ سے مسلمان کہیں گے۔

حضور اکرمؐ نے اپنی زبان مبارک سے اللہ کا یہ فرمان بھی ہم تک پہنچایا تھا کہ ”اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے۔ تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا“۔ مگر بندوں کی سرکشی دیکھئے کہ جو بات معبود نے حرام قرار دی اسے اپنے آپ پر حلال کر کے معمول بنالیا۔ اگر نہیں تو پھر ہم آئے دن شعلوں میں گھرے مکان، نقاب پوشوں کے ہاتھوں بے گناہوں کا قتل، بے گور و کفن لاشیں اور بچی ہوئی روایتیں دیکھنے پر کیوں مجبور ہیں ؛ اور پھر بھی دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔

ہمارے نام مسلمانوں کے ضرور ہیں ہم میں سے اکثر نماز روزے کے پابند ہیں اور صدقات و خیرات بھی دیتے ہیں مگر ہم جس کے اُمتی ہیں وہ تو کہتا ہے ”کہ جس آدمی میں یہ تین باتیں نہ ہوں اس کا کوئی عمل کام نہ آئے گا۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے نفسانی بندبات کی باگ ڈھیلی نہ ہونے دے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی نادان حملہ کرے تو وہ تحمل سے خاموش ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ لوگوں کے درمیان حسن اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرے“ کیا ہم اس معیار پر پورا اترتے ہیں ؛ ہماری جذباتیت کا تو یہ حال ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور بے بنیاد افواہوں پر مشتعل ہو کر عقل و خرد کو خیر باد کہہ بیٹھتے ہیں۔ سخیل کا عالم یہ ہے کہ چھوٹی سی بات بھی اگر ناگوار خاطر ہو تو بھڑک اٹھتے ہیں حالانکہ دم اس کی محبت کا بھرتے ہیں جس نے پتھر سیانے اور کانٹے بچپانے والوں کو بھی دعائیں دیں۔ رہا حسن اخلاق تو دل آزاری کی

وہ کونسی قسم ہے جو ہم میں نہیں پائی جاتی ! دل آزاری ، ناراضگی کا سبب بنتی ہے اور اخوت ہے رشتوں کو کمزور کرتی ہے اور ہم ایسے بد نصیب ہیں کہ وہ وقتی ناراضگیوں کو دائمی کینہ بنا کر پالتے ہیں اور جب دلوں میں کینہ آجائے تو محبت مفقود ہو جاتی ہے جبکہ محبت ، شفقت اور رحمت ہی تو آفاقے دو جہاں کا پیغام ہے اور اس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت کا ایک وسیلہ ہے جس دن اس کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا ۔

اب اگر ہم رب غفور الرحیم کے سایہ رحمت کے طلبکار ہیں تو ہمیں باہمی محبت کو فروغ دینا ہوگا ، نفرتوں اور تعصبات کے بنوں کو مسمار کرنا ہوگا اور ہر اس شے ، ہر اس بندے کی بیخ کنی کرنی ہوگی جو ہم میں تفرقہ ڈال کر باہمی آویزشوں اور منافرت کا سبب بنتی ہے ۔

باہمی نفاق کی متعدد وجوہ گنوائی جاسکتی ہیں ۔ مگر اس کا سب سے بڑا سبب خدا اور اس کے رسولؐ سے سترناپی ہے ۔ مومن تو ارشادِ ربانی کے مطابق آپس میں بھائی بھائی ہیں اب اگر وہ اپنے ہی وطن میں ، جس کو اسلام کا قلعہ کہتے نہیں تھکتے ، بھائیوں کی طرح نہیں رہ سکتے تو اس سے بڑھ کر ایمان کی کمزوری کا ثبوت اور کیا ہوگا ۔ یہ اس امر کا بھی نشانہ ہے کہ ہم نے شافع محشر کا عطا کردہ اکسیر نسخہ تو طاق لسیاں پر رکھ چھوڑا ہے اور نو آموز عطاٹیوں کے مہمل نسخوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں ۔ نتیجتاً مادہ پرستی ، روحانیت پر غالب آگئی ہے اور انسان بے اطمینانی اور یابوسی کا شکار ہو گیا ہے یہ کیفیت کبھی تشدد کے بجائے تلاش کرتی ہے اور کبھی مرکز گریز تنظیموں کا روپ دھار لیتی ہے ۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سرمنفی تنظیم اپنے وجود کے لئے چند دلائل تو ضرور رکھتی ہے لیکن ان دلائل کی لگائی ہوئی آگ بجھائے نہیں بھرتی ۔

کہا جاتا ہے کہ سہارے ہاں درآنے والے نفاق کے پیچھے دشمن کا ہاتھ ہے ہو سکتا ہے کہ ایسا ہو ۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ سہارا حفاظتی حصار اتنا کمزور کیسے ہو گیا کہ دشمن ہماری صفوں میں آ بیٹھا ! اگر ہم متحد ہوں تو دشمن کے ناپاک غراٹم اور سازشوں کے باوجود محفوظ و مامون رہ سکتے ہیں ۔ لیکن اگر سہارا اتحاد کمزور پڑ جائے تو دشمن کی ظالمانہ خواہشات بھی ہماری بقا کی ضمانت نہیں بن سکتیں ۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کا سیاسی فلسفہ وحدت ، مرکزیت اور اجتماعیت کے جن اصولوں کے گرد گھومتا ہے ، وہی اصول ہماری قومی یکجہتی کو درپیش ہر چیلنج اور دشمن کی ہر حال کا منہ توڑ جواب ہیں اور ہمیں اسی سبق کو

عام کرنا ہے۔

اسلام سہارا دین ہی نہیں، ہمارے قومی وجود کا جواز بھی ہے۔ ہم ہر دور میں اسلام سے اپنی غیر مشروط و التسلکی کا اظہار تو کرتے رہے ہیں، لیکن، جیسا کہ میں نے حال ہی میں ملتان میں کہا تھا، اس کے باوجود اسلام ملک میں آج بھی عملاً طاق پر رکھا ہوا نظر آتا ہے۔ ہونے کو تو پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے اور اس کے آئین کی روح بھی اسلامی ہے۔ زبان سے ہر کوئی لا الہ الا اللہ کا ورد بھی کرتا ہے مگر افسوس کہ دل و نگاہ مسلمان نہیں۔ سوچ کے انداز عمل کے طور طریقے مومنانہ نہیں۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم اپنی قومی زندگی کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دے رہے ہیں اور نہ ہی اسلامی قدروں کو پروان چڑھانے میں خاطر خواہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ ہم نے دوسری ترجیحات کو کچھ اس طرح اپنے اعصاب پر سوار کر لیا ہے کہ نفاذ اسلام کیلئے عملی اقدامات تو درکنار، زبانی جمع خرچ میں بخل سے کام لینے لگے ہیں۔

ہمیں یہ روش بدلتا ہوگی اور تبھی ہم قوم کو امید کا پیغام دے سکیں گے۔ اس سلسلے میں حکومت کے ساتھ ساتھ علماء، مشائخ اور دانشوروں پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ اس ذمہ داری سے پہلو نہیں نہیں کریں گے۔ معاشرے میں پھیلے ہوئے لسانی، گروہی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصبات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نفرتوں، تصادم، بغض، عناد اور اسلامی مساوات اور عدل و احسان کے فقدان کو دیکھ کر مایوس ہونا تو فطری امر ہے لیکن ہمارے عقیدے کے مطابق مایوسی گناہ ہے کیونکہ پروردگار کی رحمت بے کنار اور اس کا کرم بے حساب ہے چنانچہ قوم کے ہر فرد سے میری درخواست ہے کہ تمام تر مشکلات کے باوجود، وہ یہ نہ سوچے کہ وہ بے بس ہے احساس بے بسی اپنی انتہائی شکل میں بے عملی کا سبب بنتی ہے، ہر اس شخص کو جو اسلام اور پاکستان سے محبت رکھتا ہے چاہیے کہ اپنی روزمرہ زندگی اور اپنے ذاتی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی معاملات میں اس محبت کا عملی ثبوت پیش کرے اور صرف مسلمان، حضورؐ کا غلام اور پاکستانی کہلائے اور تبھی یہ ممکن ہوگا کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس نہج پر ڈال سکیں جو ان جتنوں، برکتوں اور عظمتوں کی طرف جاتی ہے جو کملی دائے کے غلاموں کا مقدر ہیں۔ خدا اپنے پیٹ کے صدقے میں ہمیں اس کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

میں اپنی کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ اس دعا پر اپنی گزارشات ختم کرتا ہوں کہ جن مقاصد

کے لئے وزارت مذہبی امور نے اس کانفرنس کا اہتمام کیا ہے ، اللہ تعالیٰ انہیں پورا کرے اور
مسلمانان پاکستان کو امن و اخوت کی فضا اور اپنے حفظ و امان میں رکھے ۔ انہی الفاظ کے ساتھ میں
اس قومی سیرت کانفرنس کا افتتاح کرتا ہوں ۔

اسلام زندہ باد
پاکستان پائندہ باد

جناب خاں بہادر خان صاحب، وفائی وزیر مذہبی امور کا صدیقی خطبہ (اجلاس مقالات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مندوبین گرامی قدر

معزز حاضرین محفل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صد ہزار بار شکر کہ ہمارے نفس کا افتتاحی اجلاس بخیر و خوبی اور کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ اس میں آپ نے جس ذوق و شوق سے شرکت فرمائی اور جس عقیدت و احترام کا مظاہرہ کیا، اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے اجلاس مقالات میں بھی بھرپور شرکت کی اور پوری کارروائی کے دوران میں انتہائی ذوق سماعت کا ثبوت فرماہم کیا، اس سے آپ کی اسلام سے گہری وابستگی اور پیغمبر امن و اخوت کے ساتھ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ان جذبات میں ترقی دے اور آپ سب کو حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے تمام پہلوؤں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین

حضرات گرامی!

اس تقریب میں آپ نے پاکستان کے معروف دانشور حضرات اور سیرت نگاروں کے امن و اخوت کے موضوع پر معلومات افزا مقالات سنے، ماشاء اللہ ہر مقالہ خوان نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کیا۔ میرے لئے فرداً فرداً ان مضامین پر بحث کرنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ تو آپ علماء اور دانشوروں کا مقام ہے۔ بہر حال ان مقالات سے جو میں اخذ کر سکا ہوں، اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں، اس میں کچھ میرے دل کی بات بھی آجائے گی۔

آپ سب جانتے ہیں کہ ملکوں اور قوموں کے تعمیری کاموں کو کامیاب بنانے کیلئے اور لوگوں کی اندرونی اصلاح کیلئے باہمی محبت، متحدہ کوشش اور امن و سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ تو کم و بیش سب کو ہوتا ہے۔ مگر اس کے قیام کیلئے

یا تو صحیح کو تشش نہیں ہوتی یا پھر ایسے اصولوں کا فقدان ہوتا ہے جو امن و امان کے اسامی ہوتے ہیں ہم مسلمان اس معاملہ میں نہایت خوش قسمت واقع ہوئے ہیں کیونکہ ہماری پاس پیغمبر امن و سلامتی کے تعلیم کردہ وہ اصول و نظریات بھی موجود ہیں اور آپ کا اسوہ حسنہ بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ میں صرف موضوع کی مناسبت سے چند اشارت کروں گا۔ آپ نے جو اصول دیئے وہ یہ تھے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کیا جائے، اللہ کے بندوں کو بے قصورہ ستایا جائے اور نوع انسانی کے امن کو خطرے میں نہ ڈالا جائے۔ نیز انسان کی اخلاقی، روحانی اور مادی زندگی پر حملے نہ کیئے جائیں۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اس لئے وہ چاہتا ہے کہ مسلمان اس ظلم و ستم کے انہاد اور عدل و انصاف کے قیام کیلئے زندگی کا عیش و آرام اور اپنی جان و مال کی قربانی دے کر اس کی محبت و رضامندی کا استحقاق حاصل کریں، کچھ دینے کی بات کریں لینے کی نہ کریں۔

حضور نبی کریمؐ کی حیات طیبہ پر اگر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ آپؐ کی ساری زندگی لوگوں کی خدمت اور فائدہ رسانی میں گزری۔ آپؐ کے اندر یہ فطری سعادت تھی کہ جس دور میں تمام عالم پر ظلم و سرکشی اور فتنہ و فساد کے بادل چھائے ہوئے تھے، تنہا آپؐ کی ذات اقدس تھی جس کے دل میں دنیا کا درد تھا اور صلح و آشتی کی تڑپ تھی۔ اور عملی طور پر آپؐ نے مظلوموں، غلاموں، زوروں اور کمزوروں کی مدد کرنا شروع کی اور تمام نیکیوں کا پیکر بنے رہے۔ جہاں کہیں ظلم و جفا کا واقعہ پیش آیا وہاں تشریف لے گئے، لوگوں کو سمجھایا، معاملے کو سلجھایا اور مظلوموں کی مدد کی حتیٰ کہ آپؐ نے اس غرض سے قریش کی اس انجمن میں بھی شمولیت فرمائی جس کا مقصد انہادِ اسلام و جہاد اور قیام امن تھا۔

انسانی فطرت اور اس کا جذبہ مخالفت کیا کیا رنگ دکھاتا ہے اس کا اندازہ آپؐ اس حقیقت سے لگا سکتے ہیں کہ جب آپؐ نے اعلان نبوت کیا تو مکہ کے تمام شہری آپؐ کے دشمن بن گئے آپؐ اور آپؐ کے جان نثاروں کے درپے آزار ہو گئے کہ ان کی زندگی اس قدر اچیرن کی کہ پہلے ان میں سے بعض لوگوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور آخر میں سب مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر جس چیز کی طرف خصوصی توجہ دی اور کوشش فرمائی، وہ شہر کا امن و امان اور وہاں کے شہریوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا تھا۔ اس کا ایک پہلو تو مہاجرین و انصار میں باہمی اخوت پیدا کرنا تھا۔ اور دوسرا یہودیوں سے برابری

کی حیثیت پر ایک ایسا معاہدہ تیار کرنا تھا جس کی رو سے فریقین میں کھچاؤ اور تناؤ کو ختم کر کے امن و امان کی فضا پیدا کرنا تھا۔

حاضرین کرام!

حضورؐ کی زندگی کے اتنے بوفلموں اور گونا گوں پہلوؤں میں کہ اس مختصر سے وقت میں کسی کیلئے بھی ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے میں کانفرنس کے مجوزہ موضوع ”پیغمبر امن و اخوت“ کے تناظر میں صرف ان نکات و واقعات کی طرف اشارہ کروں گا۔ جو ہجرت مدینہ اور یثبات مدینہ کے نتیجہ میں برآمد ہوئے۔

حاضرین کرام! قدر!

امن کا بیج ایسے قلوب و اولاد میں پڑوایا جاسکتا ہے جن کی فطرت میں سعادت ہو، اس کا پودا ایسے ماحول میں نموا اختیار کرتا ہے۔ پوداں چڑھتا ہے اور پھل لاتا ہے جہاں کے آب و گل میں اس کے بیج کو قبول کرنے کی صلاحیت اور دیگر عناصر میں اس کی نشوونما کے جوہر موجود ہوں۔ چنانچہ ہجرت کے نتیجہ میں آپؐ کو وقتی طور پر مدینہ منورہ میں وہ فضا میسر آگئی۔ آپؐ کی جماعت کو اہل مکہ کی جارحیت اور عداوت سے محفوظ رکھا گیا۔ لیکن اہل مدینہ کے اپنے حالات خوشگوار نہ تھے، وہاں کے مشہور قبائل اوس و خزرج باہم دست درگیاں تھے۔ آپؐ نے ان کے درمیان صلح کرانی اور پھر مہاجرین کے ساتھ ان کو رشتہ اخوت میں ایسا پرویا کہ وہ تسبیح کے دانوں کی طرح متحد و متفق ہو گئے۔ قرآن کریم اس واقعہ کی طرف اس طرح اشارہ کرتا ہے۔

”اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق نہ ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بچالیا“

اس طرح حضورؐ نے مدینہ منورہ کے تمام گروہوں، مہاجرین و انصار و غیرہ کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ واقعہ صرف نظریہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جس حقیقت کے نتیجہ میں امن و امان کا قائم ہونا ناگزیر ہو گیا۔

مگر یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ جبکہ وہاں ایک اور نمایاں عنصر یہود کا بھی موجود تھا۔ جو صاحب اقتدار اور مالدار لوگ تھے اور جنہوں نے اپنی مکارانہ فطرت اور مال و زر کے

زور پر مدینہ کے اصل شہریوں کو اپنا مقصد اور محکوم بنا رکھا تھا۔ اس لئے آپ نے اہل مدینہ کو اس جماعت سے مامون و محفوظ کرنے کیلئے جو معاہدہ تیار کیا، اس میں تمام یہودی قبائل کو بھی شریک کیا۔ اس میثاق کی یوں نو متعدد و شقیں تھیں مگر میں ان میں چند ایک کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو فریقین یعنی یہود و مسلمان مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

۲۔ تمام جھگڑوں کا آخری فیصلہ حضور علیہ السلام فرمائیں گے۔

۳۔ مدینہ کے اندر کشت و خون حرام سمجھا جائے گا۔

۴۔ مظلوم کی امداد سب پر لازمی ہوگی۔

اس معاہدے کی رو سے مسلمانوں کی الگ حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا، بلکہ ایک لحاظ سے ان کو اہم اور بڑا فریق سمجھ لیا گیا کیونکہ باہمی نزاعات کی صورت میں آخری فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مدینہ منورہ کو حرم کی حیثیت حاصل ہوگئی کہ اس کے اندر کشت و خون حرام بٹھا۔

حضرات!

اس شاندار آغاز کے بعد فتح مکہ کے درمیان جتنی بھی کامیابیاں حاصل ہوئیں، دعوت اسلامی کیلئے جو بھی اقدامات کئے گئے صحرائے نفوذ سے نکل کر پلاں زرخیز میں اسلام کیلئے جو فضا سازگار کی اور ان کے نتیجے میں جو علمی اور تمدنی ترقیاں کی گئیں ان کی اساس و بنیاد وہی میثاق مدینہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس پہلو پر ہمیں خلوص اور سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ آپ نے سب سے پہلے مدینہ منورہ کو امن و امان اور اخوت مساوات کی تجربہ گاہ بنایا۔ اور یہیں سے آپ نے اپنا پیغام امن بین الاقوامی سطح تک پہنچا دیا۔

حاضرین کرام!

آج کے اس مقدس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میری آپ سے یہی گزارش ہے کہ آج وطن عزیز جن حالات سے دوچار ہے، وہ ہم سے اکبات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم بھی سب سے پہلے اپنے اندرونی حالات کا جائزہ لیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اعادہ اس طرح کریں کہ ہر شہر اور ہر محلہ میں امن کیٹیاں بنائیں۔ آپس میں محبت و اخوت کا رشتہ مضبوط کریں اور ملک دشمن عناصر کی نشاندہی کریں بلکہ ہو سکے تو ان کی سازشوں اور بے ہودہ کارروائیوں کے آگے بندھ باندھیں۔ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے ناطے

سے یہ سہارا نہ سہی اور ملی فریضہ ہے کہ ہم امن کی فضا کی حدود بین الاقوامی سطح پر پھیلا دیں
لیکن اگر ہم آپس میں ہی کشت و خون کرتے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ ہم یہ اسلامی فریضہ انجام
نہیں دے سکیں گے بلکہ ہمیں اپنی سلامتی اور بقا کو خطرہ میں ڈالنا پڑے گا۔ جو ظاہر ہے
کہ کوئی خوشگوار صورت حال نہیں۔

حضرات!

عوامی حکومت نے اس بات کا عزم کر رکھا ہے کہ ملک کو مضبوط بنیادوں پر قائم و دائم
رکھنے کیلئے ہر طرف امن و امان کی حالت کو درست رکھا جائے۔ آپ سب سے درخواست
ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس ایم فریضہ کی انجام دہی میں حکومت
کے ہاتھ مضبوط کریں۔ نثر کائے کانفرنس سے میری خاص طور پر یہ استدعا ہے کہ وہ اپنے
منصب اور مقام کی وجہ سے پورے ملک میں اپنا اثر رکھتے ہیں اور صلاحیت رکھتے ہیں
کہ وہ اس قومی اور ملی مسئلہ کو حل کر سکیں۔

حضرات!

ان مختصر الفاظ کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں اور آپ سب کا شکریہ ادا
کرتا ہوں کہ آپ نے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں ہماری مدد فرمائی۔

پاکستان پائندہ باد

جناب سید قائم علی شاہ، وزیر اعلیٰ سندھ کا صدارتی خطبہ، اختتامی اجلاس۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مندوبینِ کرام اور حاضرینِ مجلس
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا احسان مند ہوں کہ اس نے مجھے آج کی اس مقدس تقریب میں حاضری کی سعادت بخشی اس کے بعد مجھ پر دو شکریے واجب ہیں۔ ایک وزارتِ مذہبی امور کا کہ انہوں نے مجھے قومی سیرت کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی اور اس قابل سمجھا کہ میں خاص طور پر کانفرنس کے اختتامی اجلاس کی ذمہ داریاں سے عہدہ براہِ سبکدوشی - دوسرا شکریہ مجھے تمام شرکائے کانفرنس کا ادا کرنا ہے کہ وہ کراچی میں کانفرنس کے انعقاد کی وجہ سے اصل میں ہمارے مہمان تھے۔ انہوں نے کانفرنس میں شمولیت کے لئے دور دراز کا سفر کیا، اپنے ضروری کاروبار اور مشاغلِ حیات کو وقتی طور پر معروضِ التوا میں ڈالا، اس کا اجر انہیں اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔

میں اہل سندھ کی طرف سے عوامی حکومت کا بھی سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار کے پہلے سال ہی میں قومی سیرت کانفرنس کے انعقاد کا شرف ہمیں بخشا۔ قومی سیرت کانفرنس کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ اللہ کرے بار بار ایسا ہو کہ ہم اہل سندھ اللہ تعالیٰ کے حبیب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ میلاد آپ کے نمایاں شانِ طریقہ سے منائیں اور اس نیک کام میں وفاقی حکومت کے ساتھ دستِ تعاون بڑھائیں۔

حاضرین کرام! مجھے خوشی ہے کہ آج کے اس اجلاس سے یہ کانفرنس جس مقصد کے تحت منعقد کی گئی تھی اسے پورا کرتے ہوئے بخیر و خوبی اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ اس دوران آپ نے جس صبر و سکون، عقیدت و احترام اور نظم و ضبط کے ساتھ کانفرنس کی کارروائی میں حصہ لیا، اس کے لئے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ان جذبات و احساسات کو زندہ و تابندہ رکھے، آمین!

حضرات!

میں نے محسوس کیا ہے کہ وزارت مذہبی امور نے اس سال روایتی انداز سے سٹ کر چند تبدیلیاں کی ہیں ان میں سب سے اہم کانفرنس کے موضوع کا تعین ہے۔ محض اسلئے نہیں کہ اس کا اعلان ایک سال قبل کر دیا گیا تھا یا صرف اسلئے کہ اس کا تعلق دورِ حاضر کے حالات سے بالکل مطابقت رکھتا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ متعدد مقالات میں سے منتخب اور معیاری مضامین ہی کو اجلاس میں پیش کیے گئے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے موصولہ مقالات اس قابل نہ تھے۔ بلکہ ان کی افادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ جن کو وزارت مذہبی امور کتابی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش کرے گی۔ البتہ انعام یافتہ مقالات کی خواندگی سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حاضرین کرام کو انہیں تفصیل کے ساتھ سماعت کا موقع پیش آیا۔ میں انعام پانے والے خوش نصیب مقالہ نگار حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور وزارت مذہبی امور سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس طریقہ کار کو جاری رکھے گی۔ تاکہ سیرتِ طیبہ پر ہمیں زیادہ سے زیادہ معیاری اور معلوماتی مضامین ملتے رہیں اور سیرت نویس حضرات کے درمیان مسابقت کا عمل جاری رہے اور وہ عرق ریزی اور تحقیق کے ساتھ اچھے مقالات سپرد قلم کر سکیں۔

تاہم اس کانفرنس میں جتنے مقالات سننے کا موقع ملا ہے وہ ہر طرح سے ایک قومی سیرت کانفرنس کی شان کے مطابق ہے، ان مضامین میں، امن کی ضرورت، اہمیت، افادیت کے علاوہ امنِ عالم اور سکونِ قلب کیلئے جو اصول حضور علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ کے حوالے سے پیش کئے گئے وہ قابلِ ستائش بھی ہیں، قابلِ غور بھی اور قابلِ عمل بھی۔

حاضرین کرام! آج کے اس عظیم الشان اور باوقار اجتماع میں علامہ و مشائخ عظام اور تمام شرکاء کانفرنس

کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ سب ان مقالات میں اٹھائے گئے نکات پر غور فرمائیں اور اپنے حلقہ اثر و رسوخ میں قیام امن کیلئے وہ تدابیر اختیار کریں جن کی بنیادی بنیادیں حضورؐ کی سیرت پاک میں ملتی ہے، امن کا مسئلہ انفرادی نہیں ہے اجتماعی ہے میرا آپ کا سب کا مشترکہ ہے یہ صرف حکومت کا ہی مسئلہ نہیں، معاشرے کا بھی ہے مگر کامل مسئلہ نہیں، باہر کا بھی ہے۔ اس لئے ہم سب کو انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اسے قائم کرنے کیلئے کوششیں ہی نہیں بلکہ جہاد کرنا چاہیے۔ اس طرح آپ حکومت کی اس تحریک امن کی تائید و نصرت کریں گے جس کا اس نے تہیہ کر رکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہماری باہمی کوششوں سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔

آپ سب جانتے ہیں کہ امن ہر چھوٹے بڑے، مرد و عورت، کسان مزدور، صنعتکار آجر، کھاؤں کے رہنے والے اور شہری لوگوں کی ضرورت ہے، اگر کسی ملک یا معاشرے میں اس کا فقدان ہو تو اس کی ترقی روک دی جاتی ہے۔ خوشحالی و فارغ البالی بد حالی اور سیاہ بختی میں بدل جاتی ہے اس کی تباہی اور سالمیت خطرہ میں پڑھ جاتی ہے کیونکہ سب کی توانائیاں غلط اور فضول کاموں میں ضائع ہو جاتی ہیں، خدرا انہیں ضیاع سے روکیے تدابیر امن کیجئے اور فکر تعمیر وطن کیجئے۔

حضرات!

تاریخ عالم کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ جب سے قابیل سے کرۂ ارض پر پہلے قتل کا فعل سبز دھواں سے دنیا میں فتنہ و فساد کی ابتداء ہوئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ بنیادی طور پر وہ کون سے عوامل تھے جو قبائلی انسانیت کو تار مار کرتے اور امن انسانی کو تباہ کرنے میں کار فرما رہے ہیں۔ اس کافرنس میں پڑھے گئے مقالات میں ان پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے، میں نے ان میں سے بعض نہایت اہم نکات اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن کا خلاصہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

۱۔ نفسانی خواہشات، حرص و ہوس اور خود غرضی و مفاد پرستی

۲۔ خود کو دوسرے سے بڑر سمجھنے کے رجحانات

۳۔ لینے اور چھیننے کا نظریہ

۴۔ انسانی معاشرے کے بعض طبقات کی محرومیاں اور محبوریاں۔

۵۔ ہر بڑی مچھلی کا چھوٹی مچھلی کو نگلنے کا رویہ

۶۔ طاقت کا غلط استعمال

تاریخ کے کسی ورق کو پلٹئے، کسی بھی عہد، کسی بھی خطے اور کسی بھی قوم کے حالات کا مطالعہ کیجئے آپ کو بار بار انہی عوامل سے پالا پڑے گا۔ خواہ عرب قدیم کی جاہلیت ہو یا دور حاضر کے انقلابات سوائے ان مختصر ادوار اور محدود دائروں کے جن میں انسانوں نے نور وحی کی روشنی میں اپنی راہ متبعین کی۔ انسان ہر قسم کی ترقی اور تمدنی وسائل کے باوجود حقیقی امن و سکون کی جھلک بھی نہ پاسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج بھی اس کی پیاس پوری طرح نہیں بجھی۔ ہم جو کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے امتی ہیں ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم آج کی دنیا کے سامنے حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے تمام روشن پہلوؤں کو لائیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس فریضہ کو وزارت مذہبی امور ان کافرلوں کے ذریعے اور ادب و سیرت کی ترویج و اشاعت کے توسل سے کسی حد تک سرانجام دے سکیں گے۔ اس کوشش میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیئے اور یہ فریضہ ہم اس وقت صحیح طور پر سرانجام دے سکیں گے۔ جب ہم ایک دوسرے کیلئے محبت و اخوت کے جذبے رکھیں اور آپس میں اس قدر پخلوص ہوں کہ اگر کہیں بھی کوئی مسلمان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو ہم اس کی تکلیف کو محسوس کریں اور اسے رفع کرنے کی کوشش کریں۔

حضرات گرامی!

میں اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ سب کا اور ان تمام افراد اور اداروں کا شکریہ گزار رہا ہوں جنہوں نے اس کافرلس کے انعقاد اور اس کی کامیابی کی کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کارِ خیر میں حصہ لینے کا اجر عطا فرمائے، آمین

پاکستان پائندہ باد

غیاث حبیب الرحمن تنولی، ذریعہ سہی امور و اوقاف، حکومت سرحد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم
يتلو عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة
وان كانوا من قبل لفى ضلال مبين

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے امن اور ایمان کے متلاشی انسانوں پر احسان عظیم کیا کہ ان میں سے
ایک جلیل القدر انسان کو نبوت اور رسالت کی نعمت دیکر ہدایت انسانی کیلئے بھیجا جو
انہیں اللہ کی آیات سناتے ہیں انہیں پاک کرتے ہیں، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے
ہیں اور ان کی آمد سے پہلے وہ صریح گمراہی اور واضح ضلالت میں مبتلا تھے۔

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ رحمت کائنات حکیم انسانیت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ
علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ عالم رنگ و بواضطراب اور بے چینی کا گڑھا تھا نظام
قدرت کے کارندے اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف عمل تھے، سوزح اپنی ضیاء پاش
کنوؤں سے دنیا کو منور کر رہا تھا۔ چاند کی چاندنی اس عالم کو سکون اور راحت مہیا کر رہی تھی
ستاروں کی چمک اور دمک، درختوں کی سرسبزی اور لہک پھولوں کی مہک اور گھیتوں کی
نشا وانی دریاؤں کی روانی، سوا کی سرسراہٹ، پرندوں کی چہک، بادلوں کی گرج اور چمک اور
خادمان فطرت ہر ایک اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

لیکن انسانیت کی حالت ناگفتہ بہ تھی جہالت اور گمراہی کا دور دورہ تھا، ظلم و تشدد کے

حکمرانی تھی جو روستم شباب پر تھے لوٹ مار کا بازار گرم تھا، حیا سوز حرکتوں سے آدمیت منہ چھپائے پھر رہی تھی اللہ کے حقوق اینٹوں اور پتھروں کے تہوں کو اور جنوں اور حیوانوں کے علاوہ وہی اشیاء کو مل چکے تھے جہاں اللہ کی الوہیت کا نام باقی تھا، وہاں حقیقت اللہ کی ربوبیت سے عملاً انکار تھا۔ شرک اور جہالت کے گھٹا ٹوپ بادلوں نے فہم و دانش کو مسخ کر کے ہر چیز کو بزرگ اور بزرگ اور ہر ادنیٰ کو اعلیٰ قرار دے رکھا تھا حرم کعبہ میں تالیاں اور سیٹیاں بجانا عبادت سمجھی جاتی تھی اور زمین میں خدا کا نائب کہلانے والا تو سہماں اور رسومات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، امانت خداوندی کا امین فساد فی الارض کا قائد اور سالار تھا قتل و خونریزی عصمت دری اور بردہ فروشی، چوری اور لوٹ مار ان غواہ ڈاکہ زنی اس قدر عام تھی کہ اس کی برائی ذہنوں سے مٹ کر فن اور پیشہ کا درجہ اختیار کر چکی تھی شراب خوری اور بدکاری جھوٹ اور دھوکہ وعدہ خلافی اور فریب کاری حیانت اور غضب جیسی روحانی بیماریوں نے پورے معاشرے کو کھوکھلا کر کے اضطراب اور بے چینی پھیل رکھی تھی مال باپ، عزیز رشتہ دار سمایہ دوست یتیم مسکین نادار اور یموہ عورتیں سب کسمپرسی کے عالم میں پڑے تھے اور کسی کو ان کے حقوق اور ان سے حسن سلوک کا احساس تک نہ تھا، معصوم اور بے گناہ بچتیاں زندہ قبروں میں گاڑ دی جاتی تھیں۔ عورتوں کو کوئی حق حاصل نہ تھا اور وہ عام استعمال کی اشیاء کی طرح وراثت میں، یا چند ٹکوں کے عوض عام منڈیوں میں تجارت کا مال سمجھی جاتی تھیں، مجموعی طور پر انسانیت کراہ رہی تھی اور اس کو ڈوبتی ہوئی کشتی کیلئے ایک رحیم اور شفیع ملاح کی ضرورت تھی۔ رحمت خداوندی کو جوشش آیا اور فاران کی چوٹیوں سے ایک آفتاب عالم تاب چمکا جس نے اعلان کیا، کہ انسانو!

”میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے رحمت کا ایک ہدیہ اور تحفہ بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھے اللہ نے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے میں پوری نسل انسانی کے لئے نذیر اور بشیر بنا کر بھیجا گیا ہوں میں علم کی ترویج اور اشاعت، اخلاقی اقدار کی تکمیل تنظیم اور دنیا میں امن اور سلامتی کی بحالی کیلئے آیا ہوں! جس رب کریم نے مجھے بھیجا ہے اس کا نام سلام ہے۔ جو سلامتی اور سکون کا مبداء اور منبع ہے جو دین لے کر آیا ہوں اس کا نام اسلام ہے۔ جس کا معنی یہی ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو امن اور سلامتی

کے دامن میں جگہ دیتا ہے زندگی کیلئے جو دستور العمل تھی، قرآن حکیم لے کر آیا ہوں اس کا کام ہی امن و سلامتی کی راہیں روشن کرنا ہے۔

رحمت کائنات جب تشریف لائے ببلاتی اور کراہتی ہوئی انسانیت کے ڈھلپٹے کو جہالت اور آلام کے گڑھے سے نکال کر شفقت بھرے ہاتھوں سے اس کے ناسوروں پر اسلام کا تریاق رکھا اپنے حسن اخلاق سے وہ انقلاب برپا کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں ناممکن ہے۔ رہن رہنما بن گئے، ڈاکو محافظ اور بدوہ فروش یتیم پرور ہو گئے۔ بویا نشین قیصر و کسریٰ کی عظیم اور قدیم سلطنتوں کے پرچھے اڑا رہے تھے اور سلطنت روم و فارس کے حزانے عرب کے کھدر پوش مسلمان تقسیم کر رہے ہیں۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حبشہ کے نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر نبی اکرم کی تشریف آوری سے قبل کیہ حالت زار اور الم کدہ عالم میں قدوم مہمّت لزوم کے بعد انسانیت نوازی پر مزید روشنی ڈالتی ہے فرماتے ہیں، ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کو نہ جانتے تھے۔ پتھروں کو پوچھتے تھے، مردار کھاتے تھے برے کام کرتے تھے، رشتے ناطوں کو توڑتے تھے۔ ہم میں طاقتور کمزور کو ملاک کر دیتا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو اس کی سچائی، امانت داری اور پیرہیز گاری کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہم کو ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف بلایا اور پتھروں کے بتوں کی عبادت سے منع کیا اس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا برے کاموں سے روکا۔ سچ بولنے اور امانت داری اور صلہ رحمی کا حکم دیا پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی نماز، روزہ، صدقہ اور خیرات کا حکم دیا اور اچھے اخلاق کی تعلیم دی، زنا بدکاری جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا کسی پر نہمت رکھنا اور اس قسم کے برے اعمال سے منع فرمایا اور قرآن حکیم کی تعلیم دی

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی

اخوت کی جہانگیری محبت کی فسادانی

ولادت نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دراصل مقصود کائنات اور ان کا وجود مستہائے

تخلیۃ آدم ہے، آپ کی ولادت مبارک کی مسرت عرش و فرش، لوح و کرسی، زبان و مکاں اور تخت الشری سے لے کر اوج تریا تک کے تمام عناصر خلقت و مناظر فطرت، جن و ملائک اور قدسیانِ فلک و مقام کیلئے عظیم مسرت تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس لباسِ بشریت میں خیر البشر، نبیائے انسانیت کے محسن عظیم، رشد و ہدایت کا سرچشمہ، فیضان و اکرام کا مصدر، فلاح و نجات کا مخزن اور صدق و اخلاق کا منبع تھی۔

بَلَّغَ الْعُلَمَاءَ بِكَمَالِهِ كَشَفَ الدُّجَا بِجَمَالِهِ
حَسُنْتَ جَمِيعُ خَصَالِهِ صَلَّوْا عَلَيْهِ وَآلِهِ

وما علینا الا البلاغ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت

مولانا عبدالرحمن کیلانی لاہور

اس حقیقت سے تو غالباً کسی غیر مسلم کو انکار نہیں ہوگا کہ عالم انسانیت پر حقیقتاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اثر انداز ہوئی ہے۔ دنیا کی کسی دوسری شخصیت نے اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا، انبیاء ہمیشہ ایسے وقتوں میں مبعوث ہوتے رہے ہیں جب دنیا ظلم و جور سے بھر جاتی ہے، کمزور لوگ بڑے لوگوں کے ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہے ہوتے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا اگر کوئی شخص اصلاح کی کوشش کرے بھی تو لباً اوقات معاشرتی رسم و رواج کے سامنے مجبور محض اور بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال تھی جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ دوسرے تمام انبیاء کی طرح آپ کی دعوت کا آغاز بھی عقیدہ توحید سے ہوا، عقیدہ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے، لہذا اپنی مخلوقات میں حکم بھی اسی کا چلے گا، اس کی حاکمیت میں دوسرا کوئی شخص بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدہ توحید کا عملی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں کیونکہ وہ ایک ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔ یہ معاشرتی مساوات ہوئی۔ پھر چونکہ حاکمیت بھی صرف ایک اللہ کی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام انسان قانونی لحاظ سے بھی ایک ہی سطح پر ہیں۔ ان میں اگر کچھ فرق ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ جو شخص جس قدر اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور اس سے ڈرنے والا ہوگا اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے لڑ بھی اور معاشرتی سطح پر بھی معزز ہوگا۔ تاہم اس کی قانونی حیثیت

پھر بھی برابر ہی رہے گی۔

ظاہر ہے کہ ایسی تعلیم چوہدری قسم کے لوگوں کے خود ساختہ حقوق پر کاری ضرب لگاتی ہے لہذا ایسے لوگوں نے ہمیشہ انبیاء کی مخالفت ہی کی ہے۔ اس کے برعکس یہی تعلیم کمزور اور مظلوم طبقہ کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ لہذا اسی طبقہ کے کچھ باہمت لوگ ابتداءً انبیاء کا ساتھ دیتے ہیں اور بڑے لوگوں کی طرف سے جو دکھ اور مظالم انبیاء پر ڈھائے جاتے ہیں ان میں وہ انبیاء کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ ایک طویل سفر اور پُر مشقت جدوجہد کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انبیاء کو ان کے مشن میں کامیاب فرماتے ہیں۔ ظالم طبقہ، یعنی چوہدری لوگ، جو تعداد کے لحاظ سے ایک فیصد بھی نہیں ہوتے، سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ سسکتی ہوئی انسانیت پھر سے اطمینان کا سانس لینے لگتی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی مشن کا ساتھ دینے کیلئے اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرماتے ہیں کہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ
وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
(۱/۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول
کا حکم مانو، جبکہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام
کیلئے بلا میں جو تم کو زندگی (جاوداں)
بخشتا ہے۔

اصلاح انسانیت کے اس پُر مشقت سفر میں جو لوگ انبیاء کا ساتھ دیتے ہیں ان کی تربیت ہی اس انداز سے کی جاتی ہے کہ ان کے باہمی اختلاف، رنجشیں اور کدورتیں ان خود ختم ہو جاتی ہیں اور ان میں محبت، ہمدردی اور اخوت جیسی اعلیٰ اقدار فروغ پانے لگتی ہے۔ قومی، لسانی، وطنی اور خاندانی بڑی کے تصورات ان خود ختم ہونے لگتے ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا میں عربی، عجمی سب یکساں طور پر معزز سمجھے جاتے تھے۔ وہاں اگر حضرت صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے معززین قریش موجود تھے تو حضرت بلال حبشیؓ، حبیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاریؓ بھی موجود تھے۔ یہ سب یکساں محترم تھے۔ صحابہ کرامؓ کے اس اتحاد و اتفاق، باہمی ہمدردی، الفت و محبت کو جو وحی الہی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا :-

والف بین قلوبہم ط لہو الفقت مافی
 الارمن جمیعاً ما الفقت بین قلوبہم
 ولكن الله الف بینہم ط انه
 عزیز حکیم ۰ (۶/۶۳)

اور (اللہ نے ہی) ان (صحابہ کرام) کے دلوں میں
 الفت پیدا کر دی، اگر آپ (اس طریق کار کے علاوہ)
 دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں
 میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ مگر اللہ ہی نے ان
 کے دلوں میں الفت ڈالی، بے شک وہ
 زبردست حکمت والا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انقلاب لانے میں کیسے اور
 کس حد تک کامیاب ہوئے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی معاشرتی حالت کا مختصر جائزہ
 لے لیا جائے۔

بعثت نبوی سے پہلے عرب معاشرہ کی حالت

دور جاہلیت میں اہل عرب میں جو مفاسد پھیلے ہوئے تھے۔ وہ مختصراً درج ذیل ہیں :-

۱۔ شُرک کا فروغ | اہل عرب اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا منہج قرار دیتے تھے، مگر طویل عرصہ گزرنے
 کی وجہ سے یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی حقیقی تعلیم، توحید خالص سے بہت
 دور ہٹ چکے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ ملت شکن تھے لیکن یہاں صورت حال یہ تھی کہ ہر گھر میں بت
 موجود تھا۔ پھر ہر ایک قبیلے کا الگ الگ ایک بہت بڑا بت ہوتا تھا، جس کی یہ لوگ بے پکار
 کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ نبوت کے بیس سال بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 مکہ فتح کیا تو توحید کے اس سب سے پہلے اور بڑے مرکز، بیت اللہ شریف میں تین سو ساکھت بت
 موجود تھے۔ جنہیں آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے توڑ کر ان کی خدائی کے طلسم کو پاش پاش
 کر دیا۔

ان بتوں میں بعض تو ایسے تھے جنہیں خدائی کا مقام حاصل تھا۔ جنگ احد میں جب
 مشرکین مکہ کا پلہ بھاری ہوا تو ان کے سپہ سالار ابوسفیان نے اپنے اعلیٰ الہیل کہہ کر اپنے قبیلہ
 قریش کے سب سے بڑے بت ہبل کی جے پکاری تھی۔ ان بڑے بتوں کے نیچے کچھ چھوٹے بت

تھے اور یہ سب اللہ کے ہاں سفارشی سمجھے جاتے تھے۔ اس عقیدہ سفارشی نے مشرکین کو عیسائی اور سرکشی کی زندگی پر دیر نہ دیا تھا۔

۲۔ لوٹ مار | عرب جیسے ریتلے اور بے آب و گیاہ علاقے میں زراعت تو ممکن ہی نہ تھی۔ ان لوگوں کا پیشہ بھیڑ بکریاں پال کر گزراوقات کرنا تھا، کچھ مالدار لوگ تجارت بھی کرتے تھے۔ یہ تجارتی قافلے یمن سے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ شام تک، اور پھر ایران کی طرف نکل جاتے تھے۔ وحشی قبائل کا پسندیدہ مشغلہ یا تو ان تجارتی قافلوں کو لوٹنا سونا تھا یا پھر ایک دوسرے پر حملہ کر کے ان کی بھیڑ بکریاں چھین لیتے تھے۔ اسی لئے ہر تجارتی قافلے بھیڑ بکریاں، شخصیات کے تحت اور بالعموم حرمت کے مہینوں میں سفر کرتے تھے۔ پھر بھی ڈاکہ اور راہزنی کی وارداتوں نے راہ کے امن و سکون کی زندگی کو تباہ و برباد کر رکھا تھا۔

۳۔ قتل و غارت | ویسے تو رہزنی کا پیشہ ہی انسان کو دوسرے انسان کے قتل پر مہیا کر دیتا ہے اور جبری بنا دیتا ہے، تاہم کچھ اور اسباب بھی ان میں شامل ہو گئے تھے جن کی وجہ سے ان کی وحشت اور انسانی حقوق کی ازرانی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور وہ اسباب درج ذیل ہیں :-

(i)۔ قبائلی نظام : عرب بھر میں طوائف الملوک کا دور دورہ تھا۔ ہر قبیلے کا سردار بھی الگ اور خدا بھی (بت) الگ ہوتا تھا۔ فخر و سیادت بھی ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ انہی وجوہات کی بنا پر دو قبیلوں کے افراد کے درمیان اگر کسی معمولی سی بات پر بھی تنازعہ سو جاتا۔ تو ہر کوئی اپنے قبیلے کی دہائی دینے لگتا اور ان کی آن میں یہ جھگڑا ایک قبائلی جنگ کی شکل اختیار کر جاتا۔ جو مدت مدید تک ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی، بقول مولانا حالیؒ :-

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی	صدی جس میں آدمی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی	تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھوہ	کہ شمشاد ان کی جہالت کا تھا وہ

(ii)۔ جنگجو طبائع | قبائلی تہذیب کے تصور اور لوٹ مار کی عادت نے انہیں اس قدر بگاڑ دیا

تھا کہ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے الجھ پڑنا ان کا شعار بن چکا تھا جس طرح کہ غیر اہم باتوں پر یہ جھگڑا پاتا تھا وہ بھی مولانا حالی کی زبان سے نیچے :-

کہیں تھا مویشی پرانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا پہلے بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں اُنے جلنے پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں یوں ہی سہتی رہتی تھی تلوار ان میں

(iii) نثار کا عقیدہ ان لوگوں کے ہاں اس عقیدہ کا مطلب یہ تھا کہ جب تک مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے، اس کی روح پرندہ کی شکل اختیار کر کے مسلسل چیخ و پکار کرتی رہتی ہے کہ میں پیاسی ہوں، میں پیاسی ہوں۔ اور اس روح کہ یہ پیاس اس وقت تک نہ بجھتی تھی جب تک کہ قاتل یا اس کے قبیلے کے کسی مرد کو قتل کر کے اس چیخنے والی روح کی پیپ نہ کرا دیا جائے۔

۴۔ نسلی اور علاقائی تفاخر اس دور میں قریش کے نسلی تفاخر کا ڈر کا بجا تھا۔ اور حرم کی پاسبانی اور بعض دوسری خدمات کی بنا پر دوسرے قبائل ان کی سیادت کو تسلیم بھی کرتے تھے۔ مگر قریش کی ذیل شاخوں کی بھی آپس میں ٹھننی رہتی تھی اور یہی نسلی بزرگی اور کمتری معاشرتی بگاڑ کو جنم دیتی اور تفرقہ و انتشار کا سبب بن گئی تھی۔

اور علاقائی تفاخر کا یہ حال تھا کہ عرب باقی تمام دنیا کو عجم کہتے تھے۔ یعنی وہ خود کو افضل و افضل تھے جبکہ باقی دنیا ان کے مقابلے میں گونگی اور حقیر مانتی۔

معاشرتی نا سہواری کی ایک اور قسم آقا اور غلام کی تقسیم ہے۔ عرب میں غلاموں کی خرید و فروخت کا عام رواج تھا۔ اہل عرب میں جس شخص کے پاس جتنے زیادہ غلام ہوتے اتنا ہی وہ مخزن اور سرکردہ سمجھا جاتا تھا۔ غلاموں کی جن کی حیثیت بکاؤ اور مشرکہ مال کی تھی، انسان سے بہت کم تر درجہ کی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ طبقہ اپنے آقاؤں کے سامنے یوں مجبور و بے بس ہوتا تھا۔ جیسے غلام کے ہاتھ میں مشرکہ، ان کی داؤد فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔

۵۔ عورت کا مقام اس معاشرہ میں عورت کا مقام اگرچہ غلام سے قدسے بلند تھا، تاہم وہ بھی مشرکہ مال کی طرح تقسیم ہوتی تھی۔ بیٹے اپنی مال سے نکاح بھی کر لیتے تھے یا پھر اسے

لنڈھی بناتے تھے۔ عورت کا وجود اس قدر باعثِ تنگ و غار سمجھا جاتا تھا کہ بچی کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ ایک مرد دس دس عورتوں سے نکاح کر کے انہیں اپنے گھر میں ڈال لیتا۔ لنڈیاں مستزاد تھیں۔ پھر وہ ان سے جیسے چاہتا سلوک کرتا۔ عورت کو آباد کرنا یا نکلے رکھنا، طلاقیں دیتے جانا مگر رخصت کر کے ان کی فلاحی نہ کرنا، ایسے مسائل تھے جنہوں نے عورت کی زندگی کو موت سے بذر بنا دیا۔

۴۔ شراب نوشی

شراب ان لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، مرد و زن، چھوٹے بڑے غلام و آقا سب ہی اس کے رسیا تھے۔ شراب فی کس فاسق و مجور اور عشقِ معاشقہ کی داستانوں کو فخریہ بیان کرنا، تہمت تراشی، نسلی تفاخر کی بڑھانگنا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر سیخ پا ہو کر میدانِ کارزار بپا کر دینا سب اسی مذموم عادت کے کرشمے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

انما يريد الشيطان ان يوقع
بينكم العداوة والبغضاء
في الخمر والميسر (۵/۹۱)
شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے
کے سبب تمہیں آپس میں دشمنی اور رنجش
سے دوچار کر دے۔

۵۔ فحاشی اور زنا کاری

فحاشی کا رواج اس قدر تھا کہ ایسے واقعات کو برسرِ عام بیان کرنا ایک قابلِ فخر کارنامہ سمجھا جاتا تھا، عرب کے مشہور مبلہ کاظمی میں شعراء و خطیب اپنی اپنی محبوباؤں کا نام لے لے کر اپنی فحاشی اور معاشقہ کی داستانیں منے لے لیکر سناتے تھے جس سے بعض دفعہ حریف قبیلہ جسے معشوقہ کا تعلق ہوتا۔ غیرت میں آجاتا اور اسی مقام پر لڑائی کا میدان گرم ہو جاتا۔ اور حد یہ ہے کہ بعض حیا باختہ عورتیں خود اس مبلہ میں اپنے آشناؤں سے تعلقات کو برسرِ عام بیان کرنے آتی تھیں، یہ کچھ تو بربلا ہوتا تھا اور جو کچھ درونِ خانہ ہو سکتا ہے اس کا آپ خود اندازہ لگا لیجئے، یہ تھے وہ حالات جن میں آپ مبعوث ہوئے اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :-

ظہر الفساد فی البر والبحر بما
کسبت ایدی الناس (۳۰/۴۱)
خشکی اور تری (ہر جگہ) لوگوں کے اعمال کے سبب
فساد پھیل گیا۔

اگر مندرجہ بالا اسباب کے نتائج پر غور کیا جائے تو نتیجتاً وہی باتیں سامنے آتی ہیں :-

- ۱۔ بدامنی کا ملک بھر میں دور دورہ تھا، راستے پر خطر تھے، کوئی بھی اجتماع لڑائی اور ہنگامہ کے خطرہ سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اور جب لڑائی چھڑ جاتی تو ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔
- ۲۔ اور اس بدامنی کی بڑی وجہ ان لوگوں کی آپس میں بخششیں، رقابتیں اور عداوتیں تھیں جن کے کئی اسباب تھے اور انہیں بانوں کی اصلاح کے لئے آپس میں مبعوث ہوئے تھے۔

عرب فجار اور حلف الفضول

آپ کی بعثت سے چند سال پہلے اہل مکہ ایسی ہی قبائلی جنگ۔ کی زد میں آئے ہوئے تھے۔ لڑائیوں کے اس متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے۔ قتل اور سفاک کی موروثی لڑائی بن گئے تھے، عرب فجار، جو قریش اور قریش کے درمیان ہوئی اور اس نام سے اس لئے موسوم ہوئی کہ یہ حرمت والے مہینوں میں بھی جاری رہی۔ کے خاتمہ پر بعض طبعیتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ رسول اللہؐ خود بھی (قبل از بعثت) اس لڑائی میں شریک ہوئے، کیونکہ اس جنگ میں قریش ہی حق پر تھے، تاہم آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ قریش کے چند معززین عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہے گا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول کہا جاتا ہے، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ ابتداءً جن لوگوں کو ایسے معاہدہ کا خیال آیا ان کے ناموں میں فضل کا مادہ بطور قدر مشترک شامل تھا۔ یعنی فضیل بن حرث، فضیل بن واء اور مفضل۔

اس معاہدہ کا کوئی ناظر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو کیونکہ اس وقت کوئی ایسی قوت موجود نہ تھی جو قبائلی عصبیتوں کا خاتمہ کر سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے، کہ ”اگر معاہدہ کے مقابلے میں مجھے سرخ اونٹ — جو عربوں کے نزدیک بہت قیمتی چیز بھی جاتی تھی — بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی اسے معاہدے کیلئے مجھے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔“ (سیرت النبی - ج ۱ ص ۱۸۳ - ۱۸۵، شبلی نعمانی)۔

قیام امن کی شرعی بنیادیں

قیام امن کے لئے سب سے بڑی بنیاد عقیدہ نوحہ کا راسخ ہونا، روزِ آخرت پر ایمان اور اپنے

ہر اچھے یا بُرے فعل کے لئے اللہ کی بارگاہ میں جواب دہی کا تصور ہے۔ چنانچہ لعنت کے بعد ابتدائی دور میں مکہ میں جتنی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ انہیں امور کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس لئے تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو انسان کو ہر طرح کی برائی کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔ اس عقیدہ میں اتنی قوت موجود ہے کہ سلیم الطبع انسان ہر طرح کی بُری حرکات و عادات سے باز آجائیں لیکن معاشرہ میں سب لوگ سلیم الطبع نہیں ہوتے کچھ لائقوں کے بھوت بھی ہوتے ہیں۔ جن کیلئے قانون کے سہارا کی ضرورت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں شریعت نے جو احکام دیئے ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں:

جان کی حفاظت: قتل کو شدید ترین اور ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے، ارتداد باری تعالیٰ ہے۔

ولکم فی القصاص حیوة یا ولی (۲/۱۷۹) اور اے اہل عقل! قصاص لینے میں تمہارے لئے زندگانی ہے۔

اور یہ قصاص محض قتل میں نہیں، بلکہ اعضاء جوارح میں بھی قصاص ہے، جس کی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔
(۱) مسلم کے قتل عمدہ کی سزا قصاص کے علاوہ ابدی جہنم ہے۔ اللہ کا غضب اور لعنت مستزاد ہیں۔ (۴/۹۳)۔

(۲) مسلمان کے قتل بالخطا کی سزا ایک غلام آزاد کرنا اور مقتول کی وارثوں کو خون بہا دینا ہے۔ (۴/۹۲)

(۳) مقتول اگر وہ مساند قوم سے تعلق رکھتا ہے تو غلام آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا ہے اور اگر دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہے تو غلام آزاد کرنا ہے (۴/۹۲)

(۴) نوزائیدہ بچوں کو زندہ درگور کرنے کو بھی قتل ہی قرار دیا گیا۔ (۸/۸)

(۵) قتل کی ہلکی سے ہلکی سزا یہ ہے کہ اگر مقتول کے وارث دیت پر راضی ہو جائیں تو یہ ان کی مہربانی ہے، دیت کی مقدار سواونٹ ہے جو دو درجاہلیت میں مروج تھی۔ شریعت نے اسے ہی بحال رکھا ہے۔

مال کی حفاظت: داہ چوری کی سزا یہ مقرر کی گئی کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

- (ii) رہن کیلئے چار سرائیں ہیں۔ (۱) قتل (۲) سولی (۳) آنے سانے کے ہتھ پاؤں کاٹنا اور (۴) جلا وطنی، قاضی کو یہ اختیار ہے کہ ان میں سے کوئی ایک یا کسی ایک سرائیں حالت کے تقاضا کے مطابق دے دے۔

(iii) باطل کے تمام طریقوں سے ایک دوسرے کا مال لینا حرام قرار دیا گیا اور صرف فریقین کی باہمی رضامندی کی تجارت کو حلال کیا گیا۔ ان باطل طریقوں میں سود، جو، دھوکے کی بیع، اندھے سودے، رشوت، حرام چیزوں کی خرید و فروخت سب کچھ آجاتا ہے۔

آبرو کی حفاظت:

- (i) آبروریزی یعنی زنا کی مدغمیر شادی شدہ کیلئے سو کوڑے مقرر ہے (۲۴/۲) اور شادی شدہ کیلئے رجم ہے۔ (بخاری - کتاب استقبانہ المرتدین)
- (ii) تہمت لگانے کی سزا ۸۰ دے ہے اور قوب سے قبل قانون کی گواہی نامقبول ہے (۲۴/۴)۔

(iii) شراب نوشی کی سزا حرم کی نوعیت کے مطابق ۴۰ کوڑے یا ۸۰ کوڑے ہے (بخاری - کتاب الحدود)

اب جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے متعلق ارشادات نبویؐ بھی ملاحظہ فرمائیے، آپ نے فرمایا :-

- ۱۔ ہر مسلمان پر کسی بھی مسلمان کا خون اور اس کا مال اور اس کی عزت (بے عزتی کرنا) حرام ہے "مسلم، کتاب البر - باب تحريم ظلم المسلم وخذله"
- ۲۔ مسلمان پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مانند ہے (مسلم کتاب الایمان - باب بیان غلط تحريم)

۳۔ کسی شخص کیلئے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے

(مسلم کتاب البر والمصلد - باب تحريم ظلم المسلم وخذله)

۴۔ مسلمان کو گالی دنیا گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

(بخاری کتاب الایمان، باب خوف المؤمن...) مسلم - کتاب الایمان... عنوان باب

۵۔ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرے (مسلم)

۶۔ جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا، وہ ہم سے نہیں (ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں) (مسلم، کتاب الایمان، عنوان باب)

۷۔ سب سے بُرا اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو بڑا لڑاکا جھگڑالو ہو (مسلم، کتاب العلم، باب السنہ من اتباع بنتیہ القرآن)

علاوہ ازیں کتاب و سنت میں بے شمار ایسے احکام موجود ہیں جن میں معاشرہ کے ہر طبقہ کے حقوق و مفادات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

امن کی ضمانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ جو دعوت وہ لے کر اٹھے ہیں اس سے قبائلی جنگوں کے لاقناسی سلسلہ کا خاتمہ ہو کر امن قائم ہو کے رہے گا اور یہ اسلام کی بالادستی اور معاشی خوشحالی کا دور ہو گا۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

”ایک بار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے راہ کی بے امنی (درہزنی) کی شکایت کی، آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟“ میں نے کہا: ”نہیں، لیکن اس کا نام سنا ہے“ آپ نے فرمایا: ”اگر تو زندہ رہے تو دیکھ لے گا کہ ایک ایکبلی عورت اونٹ پر سوار ہو کر حیرہ سے چلے گی اور مکہ پہنچ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔“ میں نے اپنے دل میں کہا کہ بنی قریظہ کے ڈاکو کہاں جائیں گے جنہوں نے شہروں کو تباہ کر دیا۔ عدی کہتے ہیں کہ جیسار رسول اللہ نے فرمایا تھا میں نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے اونٹ پر سوار ہو کر کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ (بخاری کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام) یہ تو خیر مدنی دور کا قصہ ہے جب اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی، آپ کو اس وقت بھی اس کا اتنا ہی یقین تھا۔ جب مکہ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شدید مخالفت اور تکالیف کے دور سے گزر رہے تھے اور کسی کو یہ گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ اسلام اور اہل اسلام پر کبھی

ایسا پرامن دور بھی آسکتا ہے، حضرت جناب بن ارثؓ بیان فرماتے ہیں کہ :-
 ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ اس وقت کعبہ کے سایہ میں چادر پہنکے بیٹھے تھے۔ اس زمانہ میں ہم مشرک لوگوں سے سخت تکلیفیں اٹھا رہے تھے میں نے آپ سے عرض کیا۔ ”آپ اللہ سے بددعا کیوں نہیں کرتے، یہ سن کر آپ تکیہ چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے، آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، آپ نے فرمایا ! تم سے پہلے تو ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن کے گوشت اور پٹھوں میں ہڈیوں تک لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں ان کے سر پر آہلاک لکے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، مگر وہ اپنے سچے دین سے نہیں پھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے اس دین کو ضرور پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک شخص مشعاع سے سوار ہو کر حضرت نوحؑ تک چلا جائیگا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ (اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ نے حضرت جناب بن ارثؓ سے فرمایا ! لیکن تم لوگ توجلدی کرتے ہو) (بخاری المناقب باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین المکتہ)۔
 اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا، جو اس نے اپنے نیک بندوں سے فرمایا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴/۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جیسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے۔ مستحکم و پائیدار کر دے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشنے گا۔

قانونی مساوات اور عدلیہ کی بالادستی

ہر ریاست اپنے علاقے میں قیام امن کیلئے عدالتیں قائم کرتی ہے تاکہ وہ ریاست میں اس کے دستور کے مطابق عدل و انصاف کریں، اسلام میں یہ دستور شریعت ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے۔

اسلامی عدالتیں اسی کے مطابق انصاف کرنے کی پابند ہوتی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
 اَنَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
 بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَوْكَدَ اللَّهُ (۴/۱۰۵) تاکہ ہم آپ خدا کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے
 مقدمات فیصلہ کریں۔

اسلام میں حاکمیت، جیسے آج کی سیاسی زبان میں اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNTY) کہتے
 ہیں، بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور قانون ساز بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی نظروں میں شاہ و گدا، امیر و
 غریب، آقا و غلام سب برابر ہیں۔ لہذا شرعی قانون سب پر ایک ہی جیسا لاگو ہے اور اسلام میں
 یہی وہ صفت ہے جو اسے دوسرے تمام نظام ہائے سیاست سے ممتاز کر دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے
 دوسرے تمام نظاموں میں حاکمیت یا تو کسی ایک انسان کی ہوتی ہے یا کسی ادارہ یا پارلیمنٹ کی۔ ایسے
 حاکم یا قانون ساز ادارے خود کو بہر حال قانون کی گرفت سے بچائے رکھتے ہیں۔

غیر اسلامی حکومتوں میں عدلیہ کی بے بسی

کہنے کو سب حکومتیں عدلیہ کی بالادستی کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں مگر اسلام نے عدلیہ کی بالادستی کا جو
 تصور پیش کیا ہے، وہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ کسی بھی طرز حکومت میں جس کی حاکمیت
 ہوگی، بالادستی بھی اسی کی ہوگی۔ ملکیت یا آمریت میں مقتدر اعلیٰ خود بادشاہ کی ذات ہوتی ہے۔ اس
 کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ اس کا حکم ہے اور وہی اس ریاست کا قانون ہے، اس کے حکم کے
 مقابلے میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

جمہوریت میں قانونی حاکمیت تو پارلیمنٹ کے پاس ہوتی ہے اور سیاسی حاکمیت عوام کے پاس
 عدلیہ محض پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ اگر صدر مملکت
 یا وزیر اعظم یا انتظامیہ کے دیگر معزز ارکان کو اپنے مفادات کے خلاف عدالت کی طرف سے فیصلہ سننے
 کا خطرہ لاحق ہو تو پارلیمنٹ فوراً نیا قانون بنا کر یا پہلے قانون میں ترمیم کر کے یا عدالتوں پر دباؤ ڈال کر اسے
 بے بس بنا دیتی ہے۔

دور کیوں جائے ہم اپنے پاکستان کی بات کرتے ہیں۔ اس کے دستور ۱۹۷۳ء میں اب تک ایسی
 دفعات موجود ہیں جن کی رو سے صدر مملکت، وزیر اعظم، گورنر اور وزیر اعلیٰ پر نہ کوئی فوجداری

اور یہی وہ بات ہے جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مختلف انداز سے بار بار اپنے خطبوں میں دہرایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود عدالت میں حاضر ہوئے، ایک دفعہ آپؓ حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں پیش ہوئے وہ ازراۃِ تکریم اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”یہ تمہاری پہلی غلطی ہے“ اس کے بعد حضرت زیدؓ نے انہیں اپنے پاس بٹھانا چاہا تو پھر انہیں کہا: ”یہ تمہاری دوسری غلطی ہے۔“ پھر خود ہی مدعی کے ساتھ بالمقابل کھڑے ہوئے کیونکہ شرعی قانون کا یہی تقاضا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ عدالت بھی کوئی ادنیٰ سطح کی سرکاری عدالت نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی اکبؓ کے درمیان جھگڑا تھا۔ جس میں فریقین نے حضرت زیدؓ کو ثالث تسلیم کیا تھا اس مقدمہ میں فیصلہ بھی حضرت عمرؓ کے خلاف صادر ہوا (الغاروق ص: ۲۲۲۔ شبلی نعمانی)

حضرت علیؓ کے اپنے دورِ خلافت میں ان کی اپنی زرہ چوری ہو گئی جو آپؓ نے ایک یہودی کے پاس دیکھ لی، آپؓ کو پوری قدرت حاصل تھی کہ آپؓ اس سے واپس لے لیتے۔ مگر آپؓ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، حضرت علیؓ نے کم پاس بطور گواہ ان کے بیٹے حسن اور غلام ان کے غلام تھے، قاضی شریح نے آپؓ کا مقدمہ صرف اس بنا پر خارج کر دیا کہ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں غلام کی شہادت آقا کے حق میں مقبول نہیں حالانکہ عدالت کو یہ خوب معلوم تھا کہ مدعی اور گواہ سب عادل اور ثقہ ہیں اور مدعی خود خلیفہ ہے لیکن عدالت نے اسلامی قانون کے تقاضے پورے کئے اور مقدمہ خارج کر دیا، یہودی نے جب اسلامی قانونِ عدل اور قانونی مساوات کی یہ بندی دیکھی تو زرہ واپس کر دی اور خود بھی مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت معاذ بن جبلؓ رومیوں کے ہاں سفیر بن کر گئے تو دورانِ گفتگو بادشاہ اور اس کے اختیارات کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت معاذؓ کہنے لگے: ”تمہیں اس بات پر باز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو، جس کو تمہاری جان اور مال کا اختیار ہے۔ لیکن ہم نے جس کو اپنا سربراہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا وہ اگر زنا کرے تو اسے کوڑے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا، اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں۔“

(الغاروق از شبلی نعمانی ص ۱۲۵ مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور)

انہیں حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من کا گور زربنا کہ بھیجا تو

لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کیلئے سلسلہ میں آپ نے انہیں جو ہدایت فرمائی وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے، آپ نے فرمایا :-

اتق دعوة المظلوم فان ليس
بينه وبين الله حجاب
(متفق علیہ)

مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔

غور فرمائیے جہاں عدل و انصاف کی سطح اتنی بلند ہو، وہاں بد امنی رہ سکتی ہے ؟

عالمی امن صرف اسلام سے قائم ہو سکتا ہے

انیسویں صدی کے اواخر میں جب سائنسی ترقی کے نتیجے میں وسائل ابلاغ میں وسعت اور ذرائع نقل و حرکت میں آسانی اور تیز رفتاری پیدا ہوئی تو تمام دنیا کو ایک عالمی برادری کا احساس پیدا ہوا۔ ابھی اس کا طرف کچھ پیش رفت نہ ہوئی تھی کہ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم اول شروع ہو گئی۔

اسلام اور اخوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر تھے۔ ان کے احوال کو وحی الہی کے ذریعہ پیش گوئی پر محمول کیا جاسکتا ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض اہل بصیرت لوگ خود بھی اندازہ لگا لیتے تھے کہ جو تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرائے ہیں، اسی میں انسان کے دکھوں کی نجات ہے اگر قبائلی آویز تلوں، عداوتوں اور جنگوں سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے تو صرف آپ کی تعلیمات کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہجرتِ نبوی سے پیشتر مدینہ میں دو قومیں آباد تھیں، ایک یہود، دوسرے مشرکین جو بعد میں انصار کے نام سے مشہور ہوئے، یہود کو تعداد میں کم تھے مگر اپنے علم اور معاشی بڑری کی بنا پر انصار پر چھائے ہوئے تھے، انصار بھروسہ قابل، اوس اور خزرج میں بٹے ہوئے تھے، یہود کا کام یہ تھا کہ اوس اور خزرج کو آپس میں رڑا بھڑا کر انہیں کمزور کرتے رہتے اور خود کسی ایک قبیلہ کے حلیف بن کر انہیں لڑائی میں الجھا کر اپنی بالادستی قائم رکھتے تھے۔ اس صورتِ حال سے انصار بہت پریشان تھے سنہ ۶۰۰ء نبوی میں قبیلہ اوس کا ایک چھوٹا کنز قریش مکہ کے پاس اس غرض سے آیا، کہ خزرج کے خلاف قریش کا علف و تعاون حاصل کرے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وفد کی آمد کا علم ہوا تو آپ

قریش سے وفد کی ملاقات سے پیشتر ہی ان سے ملے۔ اور ان پر قرآنی آیات پیش کیں، اور خزرج کے درمیان اس وقت عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس وفد کے ایک رکن ایاس بن معاذ نے جب آپ کا پیغام سنا تو کہنے لگے۔ اے قوم! ”واللہ یہ کام اس کام سے بہتر ہے جس کیلئے آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔“ مگر امیر وفد ابوالمحیر کہنے لگا ”ہم یہاں اس کے بجائے کسی دوسرے مقصد کیلئے آئے ہیں اور اتفاق کی بات کہ اس وفد کا وہ مقصد بھی پورا نہ ہوا اور وہ قریش کے ساتھ حلف و تعاون کا معاہدہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔“

جنگ بعاث

بالآخر اس و خزرج کے درمیان وہ خطرناک جنگ ہوئی جسے مدینہ کی تاریخ میں جنگ بعاث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ نے دونوں قبیلوں کو چکنا چور کر دیا تھا اور اہل دانش لوگ اس صورت حال سے سخت پریشان اور اس کا حل تلاش کرنے کی فکر میں تھے۔ اگلے سال شروع نبوی میں انصار کے چھ معززین بسلسلہ حج مکہ تشریف لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول ان کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور تلاوت قرآن فرمائی۔ ان لوگوں نے اپنی تکلیف کا مداوا بھانپ لیا، وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ لہذا تم پر یہود سبقت نہ کرنے پائیں۔ اس کے بعد وہ فوراً مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ ”ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان جیسی عداوت اور دشمنی نہیں پائی جاتی۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ انہیں یک جا کر دیگا۔ ہم آپ کی دعوت ان پر بھی پیش کریں گے اور اگر اللہ نے آپ پر ان کو یکجا کر دیا تو پھر آپ سے بڑھ کر کوئی اور معزز نہ ہوگا۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو یہ آرزو پوری کر دی، اسلام لانے کے بعد اس و خزرج کی سب دیرینہ رقابتیں اور عداوتیں ختم ہو گئیں اور وہ آپس میں شیر و شکر بن کے رہنے لگے۔

سلسلہ مواخات

مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے بے سروسامان آئے تھے اگرچہ ان میں چند ایک دولت مند اور خوشحال بھی تھے۔ مگر کفار سے چھپ کر نکلنے کی وجہ سے اپنے ساتھ کچھ نہ لاسکے تھے ان مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا۔ جب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو تعمیر مسجد نبوی کے بعد آپ نے سب سے پہلے مہاجرین کی مستقل آباد کاری اور ان کے ذریعہ معاش کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اس سلسلہ میں انصار کے تعاون کی شدید ضرورت تھی۔ آپ نے سب مہاجرین اور انصار کو حضرت انس بن مالک کے گھر پر جمع فرمایا، مہاجرین اس وقت تعداد میں پینتالیس تھے۔ آپ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ”یہ تمہارے بھائی ہیں۔“ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو، دو شخص بلا کر فرماتے گئے ”کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔“ انصار نے آپ کے اس ارشاد کی فوراً تعمیل کی اور اپنے بھائی مہاجر کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چینی کالضف اس کے حوالے کر دیا۔

گھر پر اشیاء کے بعد اب جائیداد کا مسئلہ آیا، انصار کی اصل جائیداد نخلستان ہی تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ یہ نخلستان ہمارے اور تمہارے مہاجر بھائیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیئے جائیں۔ لیکن مہاجرین نے انصار کے اتنے بڑے ایثار کو ازراہ غیرت قبول نہ کیا۔ پھر انصار نے کہا ”تب آپ لوگ ہمارا کام کر دیا کریں اور ہم پھل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔ اس بات کو مہاجرین نے بخوشی قبول کر لیا۔“ اس رشتہ اخوت کی مزید توثیق یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان بھائیوں کو ایک دوسرے کا وارث قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذین امنوا وھاجر و اوجاہدوا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اللہ کی راہ میں باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ والذین اودا و نصروا نے ان لوگوں کو سپاہ دی اور ان کی مدد کی۔ تو یہ اولئک بعضھم اولیاء بعض (۱/۱۰) لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (وارث ہیں)

۱۔ صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب انعام النبی بن المہاجرین والانصار
۲۔ کتاب الشروط۔ باب الشروط فی المعاملہ۔

دو سال تک، مہاجرین اور انصار اسی بھائی چارہ کی رو سے ایک، دوسرے کے وارث بنے پھر جب مہاجرین کو انصار کی امانت کی ضرورت، یہی توجہ، بدر کے بعد ایسی وراثت کا سلسلہ درج ذیل آیت کی رو سے ختم کر لیا گیا، تاہم بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔

وَأُولَ الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ (۸/۱۰۱)
قربت وارہی ایک، دوسرے (کی وراثت) کے زیادہ حقدار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں یہ بھائی چارہ ایک حکیمانہ سیاست اور مسلمانوں کو درپیش بہت سے مسائل کا بہترین حل تھا وہاں اس بھائی چارہ نے مسلمانوں میں اخوت، دسمدری اور الفت و محبت کی جو فضا پیدا کی وہ حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھی۔ یہی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ سے آیا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا، اور سب مل کر اللہ (کی ہدایت) کو رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو۔ جب تم ایک، دوسرے کے دشمن تھے۔ تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت، ڈال دی اور تم اللہ کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم اگلے گروہ کے کنا سے پرپیچ چکے تھے کہ اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا،
واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم
اعداً فالق بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخواناً وکنتم
علیٰ شفا حفرة من النار فالقدکم
منہا (۲/۱۰۳)

اخوت کی شرعی بنیادیں

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی وہ کون سی تعلیمات ہیں، جن پر عمل کرنے سے معاشرہ میں ایسی اخوت و دسمدری پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اس بحث کو ہم چند ذیلی عنوانات میں تقسیم کریں گے۔

۱۔ عقائد و عبادات میں یگانگت، معاشرہ کے افراد کو مربوط اور مستحکم بنانے اور ان میں اخوت پیدا کرنے کیلئے عقائد و عبادات۔

یگانگت بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ ایک ایسی وحدتِ فکر و عمل ہے جو کسی دوسرے معاشرے میں نہیں پائی جاتی۔ کائناتِ ارضی کے تمام مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں رہتے ہوں کوئی زبان بولتے ہوں۔ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ عقائد و نظریات میں متحد ہوتے ہیں۔ ہر مسلمان خدا پر اس کے رسول پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ یہی وحدتِ فکر افراد کو تہ دل سے ایک دوسرے کے قریب لانے میں موثر کردار ادا کرتی ہے اسی وحدتِ فکر و عمل کا نتیجہ ہے کہ آج کے گئے گئے دور میں ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک کے مسلمانوں سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔

۲۔ عبادات، عبادات میں سب سے پہلا نمبر نماز کا ہے نماز صرف خدا کی خورشید اور برے کاموں سے روکنے کا ہی ذریعہ نہیں اس میں اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ نمازِ عید مساجد کو ختم کرنی تنظیم کا سابق و دینی اور وقت کی پابندی سے کھلتی ہے، افراد میں ہمدردی، اخوت اور ربط قائم کر کے اس سلامی معاشرہ کا ایک چھوٹے پیمانہ پر نمونہ قائم کرتی ہے۔

زکوٰۃ، صرف طبقاتی تنظیم کا علاج ہی نہیں بلکہ امیر غریب کے درمیان محبت و موانست بھی پیدا کرتی ہے۔ یہی حالِ زکوٰۃ اور زح کا بھی ہے ان کی ادائیگی میں مسلمانوں میں تنظیم، مساوات، ایک دوسرے کی فروریات کا احساس، نیکابیت، ہمدردی اور ایک دوسرے سے ہمدردی اور محبت کے سلیقے ملتے ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد و اتفاق اسلام کی نظروں میں اتنا پسندیدہ ہے کہ نماز کا اجتماع دن میں پانچ بار فرض کیا گیا ہے۔ جہاں افراد و ملت آپس میں مل بیٹھتے، ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہتے اور اپنے ہر طرح کے مسائل کا حل سوچتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جمعہ کے دن کا سقہ و اجتماع ہے اس کے مقاصد بھی وہی ہیں۔ پھر سال بھر دو مقامی اجتماع عیدین کے موقع پر ہوتے ہیں جن میں عورتوں کے شامل ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔ پھر اہل استطاعت لوگوں پر حج فرض ہے جو مسلمانوں کا سالانہ عالمگیر اجتماع ہے اگر آج کا مسلمان ان فرانسس کی ادائیگی ٹھیک طور پر بجالائے اور ان کے مقاصد سے پوری طرح باخبر ہو کر ان سے

۳. حقوق و فرائض:

حقوق و فرائض کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے۔ جیسے حقوق مرد کے عورت پر ہیں، ویسے ہی عورت کے مرد پر بھی ہیں۔ ازدواجی زندگی کا اصل روح مودت و مہربانی ہے، ارشاد باری ہے۔

ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم
ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل
بینکم مودة ورحمة (۲۱/۳)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف، (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو۔ اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔

اگر مرد کے ناظم خانہ ہونے کی بنا پر عورت کو اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تو مرد کو بھی عورت سے حسن سلوک کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ زوجین میں ناپاچاتی کی صورت میں اگرچہ طلاق جائز ہے تاہم یہ اللہ کے ہاں سخت ناپسندیدہ چیز ہے (ابوداؤد - کتاب الطلاق)۔

رشتہ داروں کے حقوق:

زوجین کے بعد قریبی رشتہ داروں کی باری آتی ہے جن سے حسن سلوک اور الفت و محبت کی قرآن مجید میں سخت تاکید آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

والذین یصلون ما امر اللہ بہ
ان یوصل (۱۳/۲۱)

اور جن قریبی رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کے لئے حکم دیا ہے، انہیں جوڑے رکھتے ہیں اور وہ مقامات پر قریبی رشتہ داروں سے بگاڑ پیدا کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے فرمایا!

(۱) ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض
اولئک ہما الخاسرون (۲/۲۶)

اور جن قریبی رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کرتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں تو یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

(۲) ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون

اور جن قریبی رشتہ داروں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں قطع کرتے ہیں

فی الارض او لئلا یلک لہم اللعنة
اور زمین پر فساد کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے
لئے لعنت ہے اور ان کے لئے گھر بھی برا
ہے۔

قریبی رشتہ داروں کے بعد دوسرے رشتہ داروں کا درجہ آتا ہے۔ ان سب سے بہتر
تعلقات استوار رکھنے اور انہیں بنایا رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ دور شہر غیروں سے بھی حسن
سلوک کا حکم ضرور ہے مگر ان سے تعلقات استوار رکھنے اور بنانے کی تاکید نہیں۔ یہ اپنوں
کا ہی حق ہے اور اگر یہ حق غیروں کو دیا جائے جیسا کہ بعض لوگ کیا کرتے ہیں کہ اپنوں سے ہی تو
بیگانے اچھے ہوتے ہیں اور اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلقات استوار رکھے جائیں تو اسی
چیز کا نام ظلم ہے۔ اب اس سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات مبارک بھی
ملاحظہ فرمائیے :-

۱۔ کسی شخص کا یہ کمال نہیں کہ وہ حسن سلوک کا جواب حسن سلوک سے دے بلکہ کمال یہ ہے
کہ اس کے رشتہ دار اس سے بدسلوکی کریں اور وہ ان سے حسن سلوک سے پیش آئے

(بخاری - کتاب الادب - باب لیس الواصل بالمکافی)

۲۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے مجھے وصیت کی کہ تم رشتہ داروں کے حقوق

پوری طرح ادا کرو، خواہ وہ تم سے بدسلوکی سے پیش آئیں (بخاری - ایضاً)

۳۔ جو شخص عام غریب کو صدقہ دے گا تو اسے ایک درجہ اجر ملے گا لیکن جو اپنے
قرابت داروں کی امداد کرے گا اسے دوہرا اجر ملے گا۔ (بخاری، ایضاً)

۴۔ حضرت جبیر بن معتمدؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا، جو شخص صلہ رحمی کا حق ادا
نہ کرے گا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (بخاری، کتاب الادب، باب تم القاطع)

۵۔ جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کے رشتہ داروں میں فراق ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ
صلہ رحمی کرے (بخاری، کتاب الادب، باب تم العاقب) (مسلم کتاب البر والصلہ، باب

صلہ الرحم و تحريم قطيعتها)۔

ہمسایہ کے حقوق : رشتہ داروں کے بعد ہمسائے حسن سلوک اور الفت و محبت کے مستحق ہوتے ہیں

اور وہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) رشتہ دار ہمسایہ (۲) رفیق ہمسایہ اور (۳) اجنبی ہمسایہ

اسی نسبت سے ان کا خیال رکھنا چاہیئے ۔

سہیالوں کے حقوق سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک باریوں ارشاد فرمایا :
 جبریل یوصینی بالجوارحتی طنتت جبریل مجھے سہیابہ کے متعلق تاکید کرتے ہوئے
 انہ سیمو رثہ (نجدی کتاب الادب باب الہوۃ بالجوار) کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اسے
 وراثت میں حق دار بنا دے گا ۔

ایک بار آپ نے یوں فرمایا !

” وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے مگر اس کا سہیابہ اس کے پہلو

میں بھوکا ہو ۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

ایک بار صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سہیابہ کے حق کے متعلق پوچھا تو آپ
 نے فرمایا ! ” اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اسے قرض دے، تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر
 بیمار ہو تو اس کی عیادت کر، محتاج ہو تو اس کی حاجت پوری کر، اسے کوئی بھلائی ملے تو مبارکباد
 دے اور اگر کوئی مصیبت آئے تو اظہارِ ہمدردی کر، مرحلے تو اس کے جنازہ میں شریک ہو
 اس کے گھر سے اپنے گھر کو اتنا اونچا کر کہ اس کی ہوا اس کے آبا کے وہ خود اس پر راضی ہو ۔ اپنے
 کھانے کی خوشبو سے اسے تکلیف نہ دے ورنہ قصور ادا (اس کے گھر بھی بیچ اور پھل لائے
 تو اس کے گھر بھی بیچ یا اسے چھپا کر کھا ۔ اور تیرے بچے اسے لیکر باہر نہ جائیں تاکہ سہیابہ کا پیچہ
 اسے نہ تسائے ۔“ (طبرانی بحوالہ ترجمان القرآن زیر مضمون اسلام کا معاشرتی نظام از ابوالاعلیٰ مودودی
 جون ۱۹۴۸ء ص ۸۵)

ایک دفعہ آپ نے فرمایا ” وہ شخص مومن نہیں جس کا سہیابہ اس کی تشراتیوں سے امن میں نہ ہو“
 (بخاری، کتاب الادب، باب اثم من لای امن جاره)

اور ایک دفعہ یوں فرمایا ! اگر تیرے سہیابے تجھے اچھا سمجھتے ہیں تو تو واقعی اچھا آدمی ہے اور
 اگر برا سمجھتے ہیں تو تو واقعی برا آدمی ہے ۔ (ترمذی ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی حق الجوار)
 ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا گیا کہ ایک عورت خوب نمازیں، نوافل پڑھتی ہے، کثرت سے
 روزے رکھتی اور خوب خیرات کرتی ہے مگر اس کے سہیابے اسی کی بدزبانی سے عاجز ہیں، آپ نے
 فرمایا ! ” وہ جہنمی ہے“ صحابہ نے عرض کیا کہ ایک دوسری عورت میں یہ خوبیاں تو نہیں
 صرف فرائض بھی بجالاتی ہے مگر وہ پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی، فرمایا ! وہ جنتی ہے ۔

(مشکوٰۃ المصابیح - کتاب الآداب ، باب البر والشفقة علی الخلق ، اہل ثلث)

عام معاشرہ کے حقوق

ہمایلوں کے بعد عام معاشرہ کا درجہ ہے - معاشرہ میں الفت و محبت کے جذبہ کو فروغ دینے کیلئے شریعت نے جو ہدایات دی ہیں وہ مختصر ادرج ذیل ہیں ، ارشاد باری ہے !

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو -

۱۔ انما المؤمنون ، اخوة فاصلحوا
بین اخویکم (۲۹/۱۰)

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری سے مختصر کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں ، اور نہ ہی عورتوں ، دوسری عورتوں کا مختصر اڑائیں ، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے مومن بھائیوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کا بڑا نام رکھو - ایمان لانے کے بعد بڑا نام رکھنا گناہ ہے -

۲۔ یا ایہا الذین امنوا لا یستخر قوم من قوم عسائی ان یشکروا خیراً منهم ولا نساء من نسائهم ان یشکروا خیراً منهن ولا تلزنوا انفسکم ولا تشابزوا باللقاب بس الا سوء الفسق بعد الایمان (۲۹/۱۱)

اے ایمان والو! زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ اکثر گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حالات کی ٹوہ میں نہ رہو - نہ ہی کوئی کسی دوسرے کی غیبت کرے ، کیا کوئی تم میں سے اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے ، اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے -

۲۔ یا ایہا الذین امنوا احبتنوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احکم ان یا کل لحم اخیه میتاً فکرموه ط (۲۹/۱۲)

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !

۱۔ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جب جسم کا ایک عضو تکلیف میں تو بے توبہ ہے تو سارا جسم کرب و اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے (بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والیہائم)

گویا ہر مسلمان کو دوسرے کے دکھ درد میں یوں شریک ہونا چاہیئے جیسے وہ دکھ درد اسے خود لاحق ہوا ہے ۔

۲۔ مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا حصہ دوسرے کو مضبوط کرنا ہے ۔ (بخاری، کتاب الادب باب تعاون المؤمنین)۔

۳۔ الذین النصیحتہ ”یعنی دین خیر خواہی کا نام ہے“ آپ سے پوچھا گیا، کس سے خیر خواہی آپ نے فرمایا اللہ سے خیر خواہی، اس کے رسول سے خیر خواہی اور تمام مومنوں سے خیر خواہی (مسلم کتاب الایمان، باب بیان الدین نصیحتہ)

یعنی جب تک ایک مسلمان دوسرے کا حقیقی طور پر خیر خواہ نہ ہو، اس کا دین مکمل نہیں ۔
۴۔ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے ۔ (بخاری کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیر فایحب لنفسہ)
۵۔ جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا ۔ (بخاری کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم)

۶۔ مسلمان بھائی کیلئے حلال نہیں کہ وہ مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھے۔ (بخاری، کتاب الادب، باب ما ینہی عن التماسد)

۷۔ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ (بخاری کتاب الایمان، باب المسلم من سلم) (المسلمون من یدہ ولسانہ)

۸۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہے، خواہ اس سے پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری کتاب الاستیذان، باب انشاء السلام)۔

۹۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے جو اس پر نہ ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بیار و مددگار چھوڑتا ہے (مسلم کتاب البر والصلہ باب تحريم ظلم المسلم و کتاب (بخاری کتاب الاکراہ باب ینزل الرجل لصاحبه

۔۔۔۔۔)

۱۰۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں لگا ہوتا ہے ۔ (بخاری ایضاً)

۱۱۔ بگمانی سے بچو، کیونکہ بگمانی بڑا چھوٹا ہے کسی کی باتوں پر کان نہ لگاؤ اور نہ ہی کسی کی ٹوہ میں رہو اور دنیا کیلئے ریس نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کا حسد کرو نہ دشمنی کرو اور

اور بھائی بھائی بن کر اللہ کے بندے بن جاؤ۔“ (مسلم کتاب البر والصلة، باب تحريم الظن۔)
۱۲۔ چغلیٰ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم۔ سوال ایضاً، بخاری، کتاب الادب، باب مریکہ
من الغیبة)۔

۱۳۔ جو شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھیلے گا، قیامت کے دن اللہ اس کا عیب چھیلے
گا۔ (مسلم کتاب البر والصلة، باب تحريم الغیبة)۔

۱۴۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، اس سے جھوٹ نہیں بولتا
اور نہ تکلیف کے وقت ساتھ چھوڑتا ہے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال، جان
اور ابر و حرام ہے۔“ (مسلم، کتاب القصاص والایات، باب تحريم الدعاء والاعراض و
الاموال)۔

۱۵۔ اور خطبہ حجة الوداع میں آپ نے فرمایا: اے لوگو میری بات سنو، ابھی طرح جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے
مسلمان کا بھائی ہے۔ سب مسلمان ایک برادری ہیں، کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں جب تک
وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔“ (ترمذی، ابواب الحدود،
باب ما جاء فی التمسیر علی المسلم، ابن ماجہ، کتاب الحج، خطبہ حجة الوداع)۔

۲۔ معاشرتی مساوات

حقوق و الفرائض کا تعین کے بعد معاشرتی مساوات کا ایک عام اصول جو شریعت بتلایا ہے، وہ معاشرتی
مساوات ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ الْكُفْرَ عِنْدَ اللَّهِ
أَثْقَلُ

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے
پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم
ایک دوسرے کو پہچان سکو، اور خدا کے ہاں تم میں
سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

(۱۳/۴۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجة الوداع کے موقع پر پھر بے مجمع میں ارشاد فرمایا:
کسی عربی کو عجمی پر اور گوسے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے
پیلے کئے تھے

معاشرتی مساوات کا یہ اصول ہر طرح کی علاقائی، کوئی، لسانی، طبقاتی اور قومی برتری کی جڑ کاٹ کر

سب انسانوں کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور ان کے درمیان محبت و اخوت کی فضا پیدا کرتا ہے۔ یہ تھیں وہ الہامی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تربیت جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی آپس میں الفت و محبت حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ گئی تھی۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ كنتم
احدًا فالف بين قلوبكم فاصبحتم
بسنعتہ اخوانًا وكنتم علی شفا
حفرة من النار فانقذکم
منہا (۱۰۳/۳)

اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت دی اور تم اللہ کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے کہ اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔

اور یہی وہ تعلیمات ہیں جنہوں نے بد امنی کو امن میں اور دشمنی کو اخوت میں تبدیل کر کے نوع انسانیت میں ایک جہات بخش انقلاب پیدا کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہی حکم دے رہے ہیں کہ جب اللہ کا رسول تمہیں زندگی بخش امور کیلئے بلائے تو فوراً اس کی بات مانا کرو۔ فرمایا:

یا ایہا الذین امنوا استجبوا
للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییٰکم
اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جبکہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کیلئے بلائیں جو تم کو زندگی (جاوداں) بخشے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت داعی امن و اتوت

حافظ قاری محمد یوسف شاہد، گوجرانوالہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تَحْشُرُونَ^۱
اے ایمان والو! اللہ و رسول کی دعوت پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی دعوت
دے رہا ہے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے
دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے اور یاد رکھو کہ اسی خدا کی طرف تمہارا اکٹھا ہونا ہے۔
انسان کی انسانیت کا اسخفا اس کی عقل و بصیرت پر ہے اور اس کی زندگی، اس کی روح اور اس
کے دل کی زندگی سے عبارت ہے، اگر وہ صحیح بات سمجھنے سمجھنے سے عاری اور کلہ حق سننے اور طے کرنے سے
محروم ہو جائے تو درحقیقت وہ اپنے نشائے تخلیق کے اعتبار سے مردہ ہے، چنانچہ قرآن پاک
نے کفار کو جگہ جگہ مردہ کہا ہے، اللہ و رسول کی دعوت، حقیقی زندگی کی دعوت ہے، اسی کو
قبول کرنے سے بصارت کو بصیرت ملتی ہے، اسی سے عقل کو وہ نور نصیب ہوتا ہے جو آفاق و
انفس کے اسرار و حقائق سے اس کیلئے پردے اٹھاتا ہے۔ اس سے دل کو وہ زندگی نصیب ہوتی
ہے جو اس کو ایک مغفہ گوشت سے تخلیات و انوار الہی کا ایک آئینہ بنا دیتی ہے، فرمایا اللہ
و رسول کی دعوت پر لبیک کہو کہ اسی سے تم کو حقیقی اور جاوداں زندگی حاصل ہوگی۔
اہم کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس منبع و مرجع صفات ہے۔ کائنات
کا سارا حسن و جمال بدرجہ اتم آپ کی ذات گرامی میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ مخلوقات میں جو خوبی ممکن

ہو سکتی ہے ، وہ بوجہ الکمال آپ کی ذات میں موجود ہے ۔ مذکورہ آیت میں آپ کی شان دعوت کو بیان کیا گیا ہے ۔ قرآن پاک مختلف مقامات پر آپ کے اس حسن کو نکھڑانا اور جلا بخشنا ہے چنانچہ ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا
وَنَذِيرًا ۚ وَدَاعِبًا إِلَىٰ أَعْيُنِنَا ۖ وَذُنُوبُهُ
وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۚ (احزاب : ۴۵-۴۶)

اے پیغمبر ! ہم نے تمہیں گواہ دینے والا ، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ ۔

ادْعِ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۚ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِي لَهِیْ أَحْسَنُ ط (المحل : ۱۲۵)

اور اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے دعوت دیں اور ان کے ساتھ بہت ہی عمدہ طریقے سے مجادلہ کیجئے ،

دعوت پیغمبر کی شان امتیاز بخلاف اور انبیاء علیہم السلام کے یہ ہے کہ آپ نہ صرف داعی تھے بلکہ آپ ہر اس شخص کو بھی دولت و دعوت سے مالا مال کر دیتے تھے جو آپ کی دعوت پر لبیک کہتا تھا اور پھر وہ خود اپنے آقا ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دوسروں کو اللہ و رسول کی طرف دعوت دینے والا بن جاتا تھا ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي ۖ أَدْعُو إِلَى اللَّهِ
عَلَىٰ حَبِيبَةٍ ۖ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي
(یوسف : ۱۰۸)

آپ فرما دیجئے کہ میرا اور میرے پیروکاروں کا وظیفہ حیات یہ ہے کہ ہم علی وجہ البعیرہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں ۔

آیت مذکورہ کو مختصر اوضاحت اور حضور کی شان دعوت پر ایک ہلکی پھلکی نظر ڈالنے کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت دنیا کے سامنے پیغام حق پیش کیا ۔ اس سے پہلے دنیا جہنم کے گناہ سے کھڑی تھی ۔ انسان اپنی انسانیت گم کر چکا تھا ۔ خجراترسی اور حق شناسی کا دور ووزنک کوئی نام و نشان نہ تھا ۔ قوی کمزوروں پر حکمران تھے ۔ جہاں ٹھیکے اور جیسے دیکھئے ظلم و جور میں مبتلا اور قتل و خونریزی سے اس کے ہاتھ رنگین ہیں ، ہر طرف فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہے ، پیچ و پکار ہے اور تڑپتی ہوئی لاشیں ہیں ۔ نہ امن و امان ہے نہ سکون و اطمینان ۔ عدل و مساوات کسے کہتے ہیں کوئی جانتا بھی نہیں ، پھر غضب یہ ہے کہ کوئی خدا کا

بیانا ہوا ہے اور کوئی محبوب، کسی کا دعویٰ ہے کہ ہماری رگوں میں خدائی خون ہے اور کوئی یقین دلا رہا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ ہماری ہی ذات کیلئے ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کا مصنف رقمطراز ہے:

روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بد نظمی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی۔ ٹیکس اور محصول دو گنے و چو گنے بڑھ گئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے۔ اجارہ داریوں اور مضبوطیاں مصیبت بالائے مصیبت تھیں۔ ان اسباب کی بنا پر بڑے پیمانے پر فسادات اور بغاوتیں ہوئیں۔ چنانچہ ۵۳۲ء کے فساد میں تیس ہزار افراد دار السلطنت میں ہلاک ہوئے۔

حالتِ ایران

اسوقت کی دوسری بڑی حکومت ایران کی تھی، وہ اخلاق و اعمال کی کس بلندی پر تھا اور ان کے یہاں امن و آئشی کس کسپیسی میں مبتلا تھا۔ اس کا اندازہ بس انہی سی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں کے ایک حکمران پر گردنے اپنی لڑکی اور ایک دوسرے حکمران بہرام نے اپنی والدہ کے ساتھ تعلقات زن و شو قرار دے کر لے بلکہ پانچویں صدی عیسوی میں مزدک نامی ایک حکمران کے فرمان کے مطابق دولت اور عورت، آگ اور پانی کی طرح جا بجا اور مشترک بن گئی۔ چنانچہ اوباش اور آوارہ مزاج لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پر جوش حامی بن گئے۔ عام شہری اس بالائے ناگہانی کائنات کا شکار تھے۔ اس تحریک کا اتنا زور ہوا کہ جو شخص جس کے گھر چاہتا گھس جاتا اور مال و زن پر قبضہ کر لیا اور صاحب خانہ کچھ بھی نہ کر سکتا۔ ان حالات سے ہم قبل از اسلام امن و امان اور اخوت و بھائی چارے کی حالت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے امن و عافیت بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ انسان کو امن و سلامتی میسر نہ ہو تو سارا سامان عیش و راحت بے مزہ ہے۔ اس لئے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔ **وَإِنْ تَعِدُوا اللَّهَ فَلَا تَخْصُوا**۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ

کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو نہیں کر سکتے ، دلوں اپنی نعمتِ امن کو بھی یاد دلا کر اس کے احسانِ پیاسی کی طرف توجہ مبذول کروا کی ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

فلیعبدوا رب هذا البيت الذی
اطعمهم من جوع وامنهم
من خوف (قریش)

پس چاہیے کہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں
جس نے انہیں بھوک میں کھانا اور خوف
میں امن دیا ۔

ایک مقام پر فرمایا !

واذکروا نعمتہ اللہ علیکم اذ
کنتم اعداء فالف بین
قلوبکم فاصبحتم بنعمہ
اخوانا ۔ (ال عمران - ۱۰۳)

اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو بھی یاد کرو جب
تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ، پس اُس نے
تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر تم اس کی مہربانی
سے بھائی بھائی بن گئے ۔

انسانی قلوب کا اس طرح مل جانا ، باہم الفت و محبت کا پیدا ہونا اور معاشرے میں امن
و اخوت کی فضا کا پیدا ہونا خداوند قدوس کی قدرت و مہربانی سے ہی ممکن ہو سکتا ہے قرآن
پاک میں ارشاد ہے ۔

لو انضقت مافی الارض جمیعاً
الفت بین قلوبہم ولکن اللہ
الف بینہم انه عزیز حکیم ہ
(الانفال - ۶۳)

بالفرض اگر آپ ساری زمین کے خزانے بھی خراج
کر دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے
تھے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے (صحابہ)
کے قلوب کو ملا دیا ۔ بے شک وہ برہنہ
حکمت والا ہے ۔

وعدہ العامِ خداوندی !

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن و صالح بندوں سے دنیا و آخرت میں بے شمار انعامات دیئے
کا وعدہ فرمایا ہے ، مثلاً ارشاد ہے ۔

ولا تہمنوا ولا تحزنوا وانتم
الا علون ان کنتم مؤمنین ہ
اور تم سست نہ پڑو اور غم نہ کھاؤ ، اگر تم
مومن ہو گے تو تمہی کامیاب ہو گے ۔
(آل عمران - ۱۳۹)

ایک اور جگہ یہ وعدہ فرمایا !

من عمل صالحا من ذكرا أو أنثى
وهو مؤمن فلنخيننه حياة
طيبة۔ (النحل - ۹۷)

مردوں اور عورتوں میں سے جو مومن بھی نیک
اعمال کرے گا ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا
کریں گے۔

وَلْيَبْدُلْنَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا
(النور - ۵۵)

اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے ڈر و خوف کے
بدلے میں امن عطا فرمائے گا۔

نو گویا قرآن پاک بار بار اس سلسلے میں ذکر کرتا ہے کہ انسانی زندگی میں امن و عافیت اور
اخوت و بھائی چارہ خدا تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ جس زندگی میں یہ نعمتیں موجود ہوں گی اس کی زندگی
قابل رشک اور جس معاشرے میں ان نعمتوں کا وجود ہوگا، وہ معاشرہ اس دنیا میں جنت کی نظیر
ہوگا اور دنیا کے دوسرے معاشرے ایسے معاشرے کی چاشت کریں گے۔

عظیم نوشجری

اللہ تعالیٰ کے، امن و عافیت کے اس وعدہ کی تکمیلی صورت کی نشاندہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں اس طرح فرمائی۔

ان الله ناصرکم ومعطیکم حتی
تسیر الطعینہ فیما بین یشرب
والحیوة او کثر ما یخاف
علی مطیتھا السبق (الحديث)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری ایسی مدد کرے گا کہ
ایک ہورج نشین عورت مدینہ سے حیرہ
تک یا اس سے بھی طویل سفر تنہا کرے
گی اور اس کو چوروں اور ڈاکوؤں کا کوئی خطرہ
نہیں ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت مبارکہ کے اثرات کا ظہور بہت جلد نمایاں طور پر نظر
آنے لگا۔ مسلمان تو مسلمان کفار و مشرکین بھی اس دعوت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ
مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ام سلمیٰ اپنے خاوند ابوسلمیٰ کی ہجرت کے بعد اپنے اہل خاندان کے ظلم و ستم
کا نشانہ بنیں کہ انہیں ہجرت کرنے سے روک لیا گیا جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی تو اپنے دوڑ
پیتے بچے کے ساتھ اکیلی مدینہ کی طرف چلیں۔ ایک کافر عثمان بن طلحہ نے ان کو بستی سے باہر

جاتے ہوئے پہچان لیا اور جب معلوم ہوا کہ کوئی مردان کے ساتھ نہیں تو کہا کہ اے بہن! میں تمہیں مدینہ تک چھوڑے آتا ہوں اور قیامت تک پہنچا کر واپس آگئے۔ اس سفر کے بارے میں، ام سلمہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ حبشیہ اور شریف آدمی ساری زندگی نہیں دیکھا۔

توبہ تھے انہیں دعوتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم،

کسی بھی چیز کی جبت تک بنیاد نہ ہو اس کی عمارت کا تصور بحث ہوتا ہے۔ بنیاد بن جائے تو عمارت بھی وجود پذیر ہو جاتی ہے۔ بنیاد کی مضبوطی کے بقدر عمارت میں استحکام ہوتا ہے۔ اس لئے امن و اخوت کے قیام کے لئے اس کی بنیادوں کا ہونا از حد ضروری ہے۔

امن و اخوت کی سب سے پہلی اور اہم بنیاد توحیدِ باری تعالیٰ ہے۔

قرآن پاک میں عقیدہ توحید کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی جڑ بہت مضبوط اور گہری ہو اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوں، تو تصور توحید بنیاد اور جڑ ہے اور امن و اخوت اس کے ثمرات ہیں۔

اگر تصور توحید بنیاد ہے تو امن و اخوت اس کے دروازے، دیواریں اور چھت وغیرہ ہیں۔ اگر عقیدہ توحید روح ہے تو امن و اخوت اس کا جسم اور اعضاء ہیں۔

تصور توحید اساسِ امن کائنات ہے، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں خود فرماتے ہیں۔

لَوْ كَان فِيهِمَا إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ
اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا کوئی اور اللہ
بھی ہوتا تو ان میں فساد واقع ہو جاتا۔

امام ابو حنیفہؒ نے ایک بڑھیا سے پوچھا کہ اماں! خدا کو پہچانتی ہو، کہنے لگیں کیوں نہیں پہچانتی، کیسے پہچانا، عرض کیا کہ اپنے چرنے سے کہ جب میں چلاتی ہوں تو چلتا ہے ورنہ رک جاتا ہے۔ جب ایک چرخہ چلنے کیلئے کسی چلانے والے کا محتاج ہے تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بھی تو کسی کے چلانے ہی سے چلتا ہے، امام صاحب نے دوبارہ پوچھا اچھا اماں! یہ بتاؤ کہ خدا ایک ہے یا دو، وہ کہنے لگی، خدا ایک ہی ہے، وہ نہیں ہو سکتے یہ کیسے معلوم ہوا کہنے لگیں، یہ بھی میرے چرخہ نے بتایا، کہ ایک کے چلانے سے دست چلتا ہے۔ اگر ایک چرنے کو ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ لوگ چلائیں تو اس کا نظام خراب ہو جائیگا، اسی طرح کائنات کا نظام کا نظم و ضبط ہے چلنا خدا کے ایک ہونے کی دلیل ہے۔

امن و اخوت کے قیام کے لئے دوسری اہم بات توحید کے ساتھ اقرار رسالت ہے ۔
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور آخری رسول تسلیم کیا جائے ، آپ کے ساتھ قلبی
رکاو اور محبت ہو ۔ آپ کے نقش قدم پر چلنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی یقین کی جائے ۔ جوں جوں
آپ کی محبت قلب و جگر میں راسخ ہوتی چلی جائے گا ۔ انسانی جسم حضور کے اخلاق کریمانہ کا منظر بننا
چلا جائے گا اور جب دنیا کے انسان اجتماعی لحاظ سے اسے اپنائیں گے تو یہ ساری دنیا ہی امن
و اخوت کا گہوارہ بن جائے گی ۔ حضور کے ساتھ سچی محبت شرط ہے ، زبانی کلامی محبت کی کوئی حقیقت
نہیں ، ایسے ہی ایک شخص اخنس بن شریق کا قرآن پاک نے ذکر کیا ہے کہ جو دعویٰ
محبت رسول تو کرتا تھا لیکن اس کا دل اس محبت سے خالی تھا ۔

واذا اتوا فی السعی فی الارض لیفسد
فیہا ویملک الحرث والنسل وادلہ
لا یحب الفساد (البقرہ - ۲۰۵)
اور جب وہ آپ سے لڑتا ہے تو زمین میں فساد
کی کوشش کرتا ہے اور کھیتی اور جانوروں کو ہلاک
وضائع کرتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند
نہیں فرماتے ۔

امن و اخوت کی تیسری بنیاد استحصالِ آخرت ہے ، تصور جزا و سزا ، خداوند قدوس کے دربار
عالی میں محاسبے اور مسئولیت کا یقین انسان کی کامل رہنمائی کرتا ہے اور انسان شر و فساد کی طرف مائل
نہیں ہونے پاتا ۔ فکرِ آخرت کے اس پاکیزہ اور خوبصورت تصور سے خود احتسابی کا ایک موثر نایاب
انسان کے لئے ملتا ہے ۔ جس کے سامنے دنیا جہاں کے ضابطے اور قانون سچ ہیں اور اسی بناء
پر کوئی شخص معاشرے کے فتنہ و فساد کے خلاف سب سے پہلی ہونی دیوار اور معاشرے کے
ہر فرد کیلئے پیغام امن و سلامتی اور مجسمہ محبت و اخوت بن سکتا ہے ۔

تصورِ توحید ، تصورِ رسالت اور استحصالِ آخرت ہی امن و اخوت کی اساسات ہیں اور یہی ہر نبیؐ
کی دعوت کا نقطہ آغاز ہوا کرتا ہے ، آپ قرآن پاک کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں ۔

فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ
الْآخِرَ وَلَا تَعْتُوا فِی الْاَرْضِ مَفْسِدِیْنَ ہ
کرو اور یومِ آخرت کی امید رکھو اور زمین
(العنکبوت - ۲۶) میں فساد نہ پھیلاؤ ۔

توحیدِ رسالت لازم و ملزوم ہیں اس لئے کہ رسالت ہی سے توحید کا تعارف ہوتا ہے
اور جب اس کے ساتھ استحصالِ آخرت بھی نصیب ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ

انسان شر و فساد کی بجائے امن و اخوت کا خورگرن جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بالوضاحت ان بد اخلاقیوں کی نشاندہی فرمادی ہے جو امن و اخوت کے لئے زہر قاتل ہیں، پسند ایک کا تذکرہ بہت مناسب ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد فرمایا کہ! کسی شخص کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات دوسروں کو سناتا پھرے۔ اس لئے بلا تحقیق ہر بات دوسروں کے سامنے بیان نہ کی جائے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جائے اور بطور خاص جب کوئی فاسق قلعے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم پر حملہ آور ہو جاؤ اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ . . . (الحجرات - ۶)

حضورؐ کی مجلس مبارک میں کئی دفعہ مزاح کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ مزاح کے کئی واقعات حضورؐ کی ذات اقدس سے منسوب ہیں لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مزاح اور مذاق میں فرق ہے۔

مزاح ایسے انداز گفتگو کو کہتے ہیں کہ جس سے ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے، لیکن کسی مومن کی اہانت نہیں ہوتی جبکہ مذاق بھی ماحول کو خوشگوار بناتا ہے۔ لیکن اس میں کسی کی ابرو ریزی کی جاتی ہے۔ اس لئے مومن مردوں اور عورتوں کو ضروراً ضروراً اس سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ

مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نَسَاءٌ مِنْ نِسَاءِهِمْ (الحجرات - ۱۱)

طعن و تشنیع بھی امن و اخوت کے لئے زہر قاتل ہے، قرآن پاک میں ایمان والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو عیب نہ لگائیں، طعن و تشنیع نہ کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک ہے۔

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَانِ وَاللَّعَانِ مومن زیادہ طعن کرنے والا، دوسروں پر لعنت کرنے والا اور بے حیاء بے پردہ گو نہیں ہوتا۔

گمان کی کئی قسمیں ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس کی رحمت کا گمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا گمان۔ یہ گمان ضروری ہیں، اسی طرح عام مسلمانوں کے بارے میں اچھا گمان جب تک ان کے متعلق بدگمانی کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ ایسے ہی عدالتوں میں جج کیلئے گواہوں کے بیانات کے بعد اپنے غالب گمان پر فیصلہ کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں مطلقاً گمان کی بجائے زیادہ گمان کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَشَمُّ

اے ایمان والو! بہت سے گمان کرنے سے اجتناب کرو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

(الحجرات - ۱۲)

يَا كُفِّرُوا وَالظَّنِّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ

گمان سے بچو، بے شک گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

عذیبہ جاموسی معاشرتی امن و اخوت کو تہہ بالا کرنے والا ہے، کسی کے خفیہ حالات پر مطلع ہونے کی کوشش کرنا، ایسے اسباب و ذرائع اختیار کرنا تاکہ کسی کو پوشیدہ باتیں معلوم ہو سکیں، تجسس اور جاسوسی کہلاتا ہے، قرآن پاک میں اس سے حکماً منع کیا گیا ہے۔ حضورؐ نے جو باتیں اپنی ذاتِ اقدس سے بالکل دور فرمادی تھیں ان میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کسی کے خفیہ حالات کی ٹوہ نہیں لگاتے تھے۔ اسلام نے بغیر اجازت کسی کے خط کو پڑھنا، چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا بعض باتیں کرنے والوں کے قریب آنکھیں نہ کر کے اس طرح لیٹ جانا کہ لوگ اس کو سو یا سوا تصور کریں، ان سب باتوں کو قابلِ مذمت قرار دیا ہے۔

قیام امن و اخوت کیلئے ہر شخص غیبت کی قباحت کو سمجھے اور اپنے دامن کو اس سے آلودہ نہ ہونے دے۔ حضورؐ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا جانتے ہو غیبت کیا ہے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

ارشاد فرمایا! کہ اپنے مسلمان بھائی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح ذکر کرنا کہ اگر اس کے سامنے ہو تو اس کو ناگوار ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ برائی اس میں موجود ہو، فرمایا، اسی لئے تو غیبت ہے اور اگر وہ برائی اس میں موجود نہ ہو تو پھر تو وہ بہتان بن گیا۔

بغض و کینہ سے بھرپور معاشرے میں امن و اخوت کی امید عشب ہے، قرآن پاک میں ایمان والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ یوں دعا کرتے ہیں۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالایمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين امنوا - - - (الحشر - ۱۰)

اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرمائے اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ پیدا نہ ہونے دے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ شب براءت میں دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی۔ ۱۔ کافر ۲۔ جو کسی سے کینہ رکھے۔ اسی طرح لیلۃ القدر میں خدا تعالیٰ بے شمار گناہگاروں کو معاف فرماتے ہیں لیکن چار شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

۱۔ شراب کا عادی

۲۔ والدین کا نافرمان

۳۔ قاطع رحم

۴۔ کینہ رکھنے والا

قیام امن و اخوت کے لئے قطع رحمی کی بُرائی بالکل واضح ہے، قرآن پاک میں اس پر زبردست تنقید کی گئی ہے۔

واقتوا الله الذي تساءلون به والارحام ط (النساء - ۱)

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے ڈرو۔

ایسے لوگوں کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہے۔

لهم اللعنة ولهم سوء الدار

ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ان کیلئے بُرا ٹھکانہ ہے۔

قرآن پاک ایک مقام پر قاطع رحم کو غائب و خام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

وما يضل به الا الفاسقين الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه و يقطعون ما امر الله به ان يوصل ويفسرون في الارض ط اولئك هم الخاسرون (البقرة ۲۴-۲۶)

اللہ تعالیٰ صرف ان نافرمانوں کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کی مصنوعی کے بعد اس کو توڑتے ہیں اور جن رشتوں کو خدا تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور زمین پر فساد مچاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

۱۔ سلام کا روانہ ۲۔ بیمار کی عیادت ۳۔ جنازے میں شرکت ۴۔ ایمنہ صلح جوئی

یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں ملاقات کیلئے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپؐ کی زیارت کی تو میرے دل نے یہ گواہی دی کہ یہ چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپؐ کی زبان مبارک سے جو پہلا کلام سنا وہ یہ تھا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ افْشُوا السَّلَامَ وَ
اطْعُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا الرِّحَامَ
وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامُ
تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ -

اے لوگو سلام کا رواج دو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ
صلہ رحمی کرو اور رات کو ایسے وقت نماز پڑھو
جب لوگ سو رہے ہوں تو تم سلامتی کے
ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اس بابے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بہت سی پیاری حدیث ہے۔
اَرْتَادُ فَرَمَا يَا اَكْرَمُ حَبَّتْكَ اِيْمَانُ زِلَاوْ جَنَّتْ مِي
وَاَهْلُ نِهِيں سَوِگے اَوْر تَم اس وَقْت تِك اِيْمَان
نِهِيں لائے جَب تِك اَپس مِي مَحَبَّتْ نَه كَر
كِيَا مِي تَم كَو اِيْسِي بَات نَه تَبَاوَل كَر اَكْرَم اس كَو
كَر تَو اَپس مِي مَحَبَّتْ كَر نَه لَكُو، اَپس مِي
سَلَام كَو رَوَاج دُو۔

بیمار کی عیادت رسانہ کی جائے بلکہ اللہ و رسول کا حکم سمجھ کر کی جائے، ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص صبح کے وقت کسی مریض کی عیادت کیلئے جائے تو رات تک ستر نہ کرے.....، فرشتے اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اگر رات کے وقت جائے تو صبح تک ستر نہ کرے فرشتے اس کیلئے بخشش کی دعا کریں گے۔

اور ارشاد فرمایا کہ مریض کی عیادت کیلئے اٹھنے والے قدم دنیا میں نہیں بلکہ جنت میں ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے جنازے میں شرکت کی جائے، اس سے امن و اخوت کے حصول کی راہیں آسان ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا!

کہ جو شخص کسی مسلمان کے جنازے میں شریک ہو اس کو ایک قیراط اور جو دفن تک شریک ہے اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا، یا رسول اللہ، قیراط سے کیا مراد ہے، ارشاد

فرمایا، احمد پہاڑ کے برابر۔

امن واخوت اور صلح جوئی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔

والصلح خیر صلح میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔

لا خیر فی کثیر من نجواہم الا
من امر بصدقۃ او معصیۃ
او اصلاح بین الناس ط
ومن یفعل ذلک ابتغاء
مرضاۃ اللہ فسوف نؤتیہ
اجرا عظیما ہ (النساء - ۱۱۴)

لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی مگر جو
لوگ صدقہ کرنے، کسی اور نیکی کا حکم کرنے
یا لوگوں کے درمیان صلح کروانے کیلئے مشورے
کریں یعنی ان کی سرگوشیوں اور مشوروں میں
خیر و برکت ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا
کیلئے ان افعال کو کرے گا ہم اس کو عنقریب

اجر عظیم عطا کریں گے۔

ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ قطع تعلق
رکھے کہ جب وہ ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ تو ایک اس طرف اور دوسرا اس طرف منہ پھیرے
اور ان دونوں میں بہترین یہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔
ارشاد فرمایا کہ اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دیا
کرو۔

۱۔ حقیقی مومن
۲۔ سونے کی ڈلی کی مثال
۳۔ شہد کی مکھی کی مثال
۴۔ کھجور کے درخت کی مثال

۱۔ حقیقی مومن اگر ایمان والے اللہ و رسول کی نشانہ کے مطابق صفات ایمان اختیار کریں
تو آج ہی دنیا کا سارا فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور ہر شخص دنیا میں اپنی زندگی عزت و آبرو اور امن
و سکون کے ساتھ پوری کر سکے۔

۱۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا
اس نے اللہ کو ستایا کا ارادہ کیا۔
۲۔ ارشاد فرمایا کہ جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے
وہ ملعون ہے۔

۳۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمومن من آمنه
الناس على وماعلمهم واماوالمهم -

مسلمان وہ ہے کہ جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور حقیقی مومن
وہ ہے کہ جس کی وجہ سے لوگوں کے جان و مال امن میں ہوں -

۴۔ ارشاد فرمایا کہ بھلا شخص وہ ہے کہ جس کی جانب سے بھلائی ہی بھلائی کی امید ہے اور برائی
کا کوئی بھی خطرہ نہ ہو اور بدترین وہ شخص ہے کہ جس کی طرف سے بھلائی کی کوئی امید نہ
ہو اور برائی کا خطرہ ہر وقت لگا ہے -

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے
کہ مومن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے کہ جس کے مالک نے اسے آگ میں تپایا - پھر نہ تو
اس کا رنگ بدلا اور نہ ہی وزن کم ہوا -

ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ مومن کی مثال ٹھیک شہد
کی اس مکھی کی ہے کہ جس نے عمدہ پھول چوسے، اچھا شہد بنایا لیکن جس شناخ پر بیٹھی
نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا اور نہ ہی پھول کو خراب کیا -

ایک حدیث پاک میں مومن کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے، اس درخت کا کوئی
جزو الیسا نہیں جو نفع سے خالی ہو اس کی کھجور بہترین غذا اور دوا ہے - اس کی گھٹلیاں اونٹوں
کے چارے کے کام آتی ہیں - یہ ہمیشہ سرسبز و شاداب اور سیاہ دار رہتا ہے - جب تک خشک
نہیں ہو جاتا پھل دیتا رہتا ہے - خشک ہونے کے بعد اس کا تنا چیتوں کی کڑیوں کے کام
آتا ہے اور اس کے پتوں کی رسیاں وغیرہ بنتی ہیں -

اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کیلئے ہر لحاظ سے نفع کیش، پیغام امن و سلامتی
اور مجسمہ محبت و مہربانی ہوتا ہے -

عرب میں قبل از اسلام جو موکر کشت و خون برپا تھا اور انسانی خون کی جو سہی کھلی جا رہی تھی وہ
کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں ان لڑائیوں میں حرب فجار سب سے زیادہ مشہور ہے جو قریش
وقیس کے قبائل کے باہم ہوئی قریش کے تمام خاندانوں نے اس میں اپنی الگ الگ فوجیں قائم
کیں - آل ہاشم کے علم بردار حضورؐ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف میں حضورؐ نے
تشرکت فرمائی - چونکہ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے اور خاندان کے نام و ننگ کا مسئلہ تھا -

اس لئے آپ کی شرکت اس میں ناگزیر تھی لیکن داعی امن و اخوت نے کسی پر متمدن نہیں اٹھایا۔ بس اس میں اتنا ہوا کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر بکھڑاتے رہے۔

حزب فجار کے اختتام پر حضورؐ کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے تجویز امن و اخوت پیش کی۔

عبداللہ بن جدعان کے گھراجماع ہوا، ہاشم، زہرہ، یتیم، فضیل بن حریث، فضیل بن واعظہ اور مفضل وغیرہم لوگ اس میں شریک ہوئے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں شرکت فرمائی۔ اس کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔ تمام قبائل امن و صلح سے رہیں گے اور جنگ و جدل سے پرہیز کریں گے۔

۲۔ کسی طاقتور کو کمزور پر ظلم نہیں کرنے دیں گے۔ مظلوم کی حمایت ہوگی، زیر دستوں کو بچائیں گے۔

۳۔ بیماروں، یتیموں اور مسافروں کی مدد کی جائے گی۔۔۔ حضورؐ زمانہ نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے عوض مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں قبول نہ کرتا اور اگر آج بھی کوئی مجھے اس قسم کے معاہدے کیلئے دعوت دے تو میں تیار ہوں۔

حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو مدینہ منورہ کو بھی امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دیا۔

ابتداء ہی میں مواخاۃ مہاجرین و انصار کی جو مثال دنیا والوں کے سامنے پیش کی۔ دنیا مریخ پر پہنچ جائے یا اس سے بھی آگے نکل جائے لیکن اس مواخات کی مثال لانے سے قاصر رہے گی۔

فخر موجوداتؐ نے انس بن مالک کے گھر مہاجرین و انصار کو جمع فرمایا، اس وقت مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔ آپؐ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ پھر دونوں

گروہوں میں سے ایک ایک شخص کو بلاتے اور فرماتے کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس طرح وہ درحقیقت بھائی بن گئے۔

انصار نے یہاں تک اتیار کیا کہ حضرت سعد بن ربیع جو حضرت عبدالرحمن بن عوف کے بھائی قرار پائے تھے، ان کی دو بیویاں تھیں۔ عبدالرحمن سے کہا کہ میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دے

دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفاذ امن و اخوت کی تدابیر میں سے ایک بڑی تدبیر مدینہ کے یہود سے

معاہدہ تھا۔ تاریخ میں یہ معاہدہ یشاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگر آپؐ یہود سے یہ معاہدہ

نہ کرتے تو یہود اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آتے اور حضورؐ کو مدینہ میں قدم جمانے میں بڑی مشکلات

درپیش ہوتیں۔ گو یہود اپنی روش باطلہ کو ترک کرنے والے نہیں تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اپنی عادت

پر آگئے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنانے لگے اور پھر اپنی انہی بد خصلتوں کی وجہ سے

قتل بھی ہوئے اور مدینہ بدر بھی، لیکن بہر حال یشاق مدینہ کے عنوان سے حضورؐ کی قیام امن کی یہ کوشش قابلِ مدح و تحسین ہے۔

جب آپؐ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کیلئے تشریف لائے اور آپؐ کو حیدریہ میں روک لیا گیا، تو آپؐ نے بعض ایسی شرائط پر بھی صلح کیلئے آمادگی ظاہر فرمادی جو ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ تمام صحابہ کو اس طرح بغیر عمرہ ادا کئے واپسی پر سخت تشویش ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ سے تورہ مانہ گیا، عرض کیا، یا رسول اللہؐ، کیا ہم حق پر اور مکہ والے باطل پر نہیں، کیا اسلام سچا مذہب نہیں، کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں، تو پھر اس طرح وہ کر کیوں صلح کی جائے گو بعد میں اس کی حکمتیں صوبہ ظاہر ہو گئیں لیکن وقتی طور پر قلوب اس کے قبول پر آمادہ نہیں۔ حضورؐ حقیقی طور پر داعی امن و اخوت تھے، اس معاملے میں آپؐ کی حکمت عملی سے ہزاروں جانیں بچ گئیں ورنہ خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

طائف کے محاصرہ کے موقع پر اگر کوئی ایجنڈا پیش کرتا تو اپنے جھوٹے وفار کی خاطر تمام فوج کو کھڑا دیتا لیکن محاصرہ نہ اٹھاتا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عداً محاصرہ چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں اہل طائف مطیع ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فاتحہ انداز سے اس شہر میں داخل ہونے لگے جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے اس انداز سے کھائی، وهذا البلد الامین، اور اس کے گھر کے متعلق ارشاد فرمایا، ومن دخله کان امناً، اور جو شخص اس مبارک گھر میں داخل ہو وہ امن میں آگیا، تو حضورؐ نے اپنی فوج کو ہدایات دیں۔

۱۔ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے اس کو امن دیا جائے۔

۲۔ جو شخص مقابلے کے وقت ہتھیار ڈال دے اس کو امن۔

۳۔ جو شخص لڑائی سے بھاگ جائے اسے امن۔

۴۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن۔

۵۔ جو اپنے گھر میں داخل ہو کر کٹہی لگاٹھے اسے امن۔

۶۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو امن۔

اس کے علاوہ بھی حضورؐ عام طور پر سپہ سالاروں کو مہات پر روانگی سے قبل اس قسم کی ہدایات دیا کرتے تھے۔

۱۔ جس بستی میں جائیں اگر وہاں سے آواز آجائے تو حملہ نہ کیا جائے۔

- ۲۔ اولاً ان لوگوں کو کلمہ کی دعوت دی جائے اگر قبول کر لیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔
 ۳۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو جزیہ پر آمادہ کیا جائے، اس کے عدم قبول پر قتال کی اجازت ہے۔

۴۔ لڑائی میں اپاہچوں، فیصغوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر مل نہ اٹھایا جائے۔

۵۔ سایہ دار اور پھلدار درختوں کو نہ کاٹیں

۶۔ کھیتوں کو برباد نہ کیا جائے

۷۔ اُن کی عبادت گاہوں کا احترام کریں۔

۸۔ ہر مذہب کے راسخا اور بڑے کی توقیر کی جائے۔

غیر اورانیوں میں بھی بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب حاتم المرسلین و اعلیٰ امن و اخوت تھے تو آپ نے زندگی بھر جنگیں کیوں کیں حالانکہ جنگ اور امن، لڑائی اور اخوت بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ یہ اشکال یا اعتراض ناہر تو بہت مناسب معلوم نہ ہاے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بالکل بے اصل ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ اپنی مبارکہ زندگی میں جتنی جنگیں کیں وہ بھی سب قیام امن ہی کیلئے تھیں، آپؐ غور فرمائیں۔

۱۔ بدر، احد اور خراب خالصتاً دفاعی جنگیں تھیں، اہل مکہ نے چڑھائی کی، آپؐ نے مجبوراً اپنی حفاظت کیلئے دفاعی صورت اختیار کی۔

۲۔ آپؐ کی جو جنگیں یہود کے ساتھ ہوئیں وہ بھی ان کی شرارتوں کے نتیجہ میں اور ان کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی کیلئے۔

۳۔ فتح مکہ کے بعد کی لڑائیوں میں اگرچہ چڑھائی آپؐ نے فرمائی اس لئے کہ آپؐ نے خراب کھڑوے پر فرمایا تھا کہ اب کبھی کفر کو حملہ کی جرأت نہیں ہوگی، اب چڑھائی ہماری طرف سے ہوگی لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فرمان! ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم کے مطابق کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ کہ وہ اسلامی ریاست کی حدود اور مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے تقدس کو پاٹھال کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

جنگ سے اسلام کا مقصود و مطلوب صرف دین اسلام کی ترویج ہے جو اس سر امن و سلامتی کا پیغام ہے آپؐ دیکھیے، ایک لڑائی میں ایک کافر نے بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا اور مسلمانوں کے قابو نہیں آ رہا تھا، حضرت اسامہؓ کی زو میں آگیا، آپؐ وار کرنے لگے تو اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ حضرت

اُسامہ نے پھر بھی اس کو قتل کر دیا۔ واپسی پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے سخت ناراضگی کے انداز میں فرمایا کہ اے اُسامہ تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا۔ عرض کیا کہ اس شخص نے تو اپنی جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھا تھا، ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چمیر کر دیکھ لیا تھا۔ اے اُسامہ! تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اس کے کلمے کا کیا جواب دو گے، حضور نے اس بات کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ حضرت اُسامہ فرماتے ہیں، مجھے اس بات کی تمنا ہونے لگی کہ اے کاش کہ میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔

کسی اعتراض کیلئے بلکہ صرف اپنی بات کی وضاحت کے لئے یہ تقابل عرض ہے کہ جنگوں سے آپ کی مراد صرف انسانی قتل نہیں تھا۔

جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب اپالوجی آف محمد، اینڈ قرآن میں مذہبی عدالت کے حکم سے ہلاکت نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے جو عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی ہوئی کیلئے ملک سپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو ہلاک کیا جن میں سے بیسیس ہزار ۳۲۰۰۰ انسان زندہ آگ میں جلا دیئے گئے، اس کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی چھوٹی بڑی کل ۸۰ لڑائیوں میں فریقین کے مقتولین کی تعداد ۱۰۸۰ بنتی ہے۔ اس طرح فی جنگ ۱۳ سے بھی کم اوسط نکلتی ہے جو عرب جیسے وسیع ملک کو فتح کرنے کے لحاظ سے بالکل صفر ہے۔

خاتمی کائنات، کائنات کی اس مشین کو سب سے بہتر جانتا ہے کہ اس کو کس انداز سے چلایا جائے تو اس کا نظام درست ہو سکتا ہے، وہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

ولو لا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض و لکن
اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے نہ ہٹا دیتا تو زمینوں کے خلوت خانے یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے سب ڈھا دیئے جاتے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

ولو لا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض و لکن
اور اگر اللہ تعالیٰ بعض (مفسدین) کو بعض (مصلحین) کے ذریعے (بذریعہ جنگ) ختم

اللہ ذو فضل علی العالمین ، ختم نہ کروایا کرتا تو ضرور زمین تشریف سادے بھر جاتی لیکن اللہ تعالیٰ جہان والوں پر بڑے فضل

(البقرة - ۲۵۱)

ومہربانی واسے ہیں ۔

تو گویا قیام امن و اخوت کیلئے جنگ ناگزیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت انسانیت پر بہت بڑا فضل ہے ۔

اسلام کے نظام حدود و تعزیرات کا نفاذ بھی بعض اذہان میں امن و اخوت کے خلاف ابھرتا ہے اس کے متعلق بس اتنا سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اسلام صرف چوروں، ڈاکوؤں کیلئے نہیں آیا بلکہ وہ ساری دنیا کے انسانوں کیلئے آیا ہے ۔ اسلام اس زیادتی کو برداشت نہیں کرتا کہ بدکرداروں پر ترس کھا کر مجبور و مظلوم انسانیت پر مزید ستم ڈھانے کیلئے ان بدکرداروں کی طنائیں مزید و راز کر دی جائیں ۔ پھر اسلام کا شتر ڈاکو کا شجر نہیں بلکہ سرحد کا شتر ہے جو فاسد مارے کو خارج کر کے باقی جسم کو بچانے کی کوشش کرتا ہے ۔

ارشادِ خداوندی ہے ۔

ولکم فی القصاص حیاة یا ولی الا لباب لعلکم تتقون ہ اے ارباب دانش تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو ۔

امریکی سیاہ فام مسلمانوں کے ایک رہنما میلکم ایکس نے ۱۹۶۴ء میں فریضہ حج کیلئے حجاز کا سفر کیا ، وہ اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ۔

” یہاں لاکھوں کی تعداد میں حاجی تھے ۔ جو دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے تھے ، وہ مختلف رنگوں کے تھے ، سفید فام لوگوں سے لے کر افریقہ کے سیاہ فام انسانوں تک لیکن ہم سب ایک ہی عبادت میں مشغول تھے ، ہم لوگ وحدت و اخوت کا ایسا مظاہرہ تھے کہ امریکہ میں میری زندگی کے جو تجربات رہے ہیں اس بناء پر میری سوچ و فکر کے کسی گوشے میں بھی یہ بات موجود نہ تھی کہ گوروں اور کالوں کے درمیان ایسا اتحاد بھی ممکن ہے ۔ اسلام کی ارفع و اعلیٰ تعلیمات نے اپنے متبعین کے اذہان سے نسل امتیازات کی جڑیں کاٹ کر اخوت و بھائی چارے کے ایسے پودے کی آبیاری کی ہے جس کی خوشبو سے تمام عالم معطر ہو رہا ہے ۔ میں نے اخلاص سے اس قدر بھرپور اور بھائی چارے کے جذبے کی اتنی کچھ مثال

کبھی نہیں دیکھی (میکم ایکس خودنوشت سوانح عمری - ۲۲۰)

یہ ایک حقیقت ہے کہ دو عالمی جنگوں کی ستم رسیدہ دنیا، امن و عافیت سے محروم انسانیت
 آج ایک ایسے پاکیزہ نظام امن و اخوت کی تلاش میں ہے جس میں انسانی وحدت و مساوات باہمی
 تعاون و اشتراک، تشرافت انسانی، عفو و درگزر، حریت فکر، عدل و انصاف، ایفاۓ عہد
 اور اخوت و محبت کو جزو لازم کی حیثیت دی گئی ہے، جس میں غرور و تکبر، حب و جاہ و اقتدار
 دولت و ثروت کی بے جا محبت اور انفرادی اغراض کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دینے کی قطعاً کوئی
 گنجائش نہیں، وہ نظام جو صرف جسموں پر سی حکمرانی کا قائل نہیں بلکہ سب سے پہلے وہ دلوں
 میں خوف خدا محبت رسول، نیکار اخوت اور انجام بخیر کا عقیدہ راسخ کرنا ہے، کیا آج اللہ
 تعالیٰ کے فرمان!

تَلَبُّ الدَّارِ الْآخِرَةَ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ عِلَاقًا فِي الْأَرْضِ وَلَا
 فساداً ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ کیلئے تیار ہیں کہ وہ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے
 پر تقین رکھنے والے اس مقصدِ جلیلہ کیلئے اپنے تین من دھن کی قربانیوں کے ساتھ جدوجہد
 (القصاص - ۸۲)

پیش کردہ نظام امن و اخوت کو دنیا کے سامنے پیش کریں گے اور اس کے نفاذ و قیام کے
 لیے ہر ممکن کوشش کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا
 لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا
 كِي روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی شان "بحیثیت داعی امن و اخوت" بدرجہ
 بحیثیتکم - کمال اجاگر ہو سکے -

(وَاخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

و به نستعين

پنجم اسلامِ ادائی امن و اخوت

عبدالعزیز عرفی، ایڈوکیٹ کراچی

ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ظہور تجلی منشائے الہی کا منظر اور تکمیلِ کائنات کا مقصود تھا۔ آپ کی ولادت ہوئی تو کائنات کی شبِ تار نے عصرِ جدید کی صبحِ صادق کو متروکہ جان فرما دیا، اور آپ کی بعثت سے بنی نوع انسانی کو وہ مشعلِ نور عطا ہوئی کہ صدیوں کی تاریکی چھٹ گئی اور حجاباتِ ظلمت پارہ پارہ ہو کر رہ گئے۔

سرورِ دین صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم تھے۔ آپ کے قول و فعل کو اس نورِ ازیلی نے منور کر رکھا تھا جو آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ جس نے سمندر کی تہوں میں نامعلوم گوشوں کو بھی روشن کر رکھا ہے۔ اور جس کے وجود سے 'بسیط فضائیں' کائنات کی لامحدود پہنائیاں ان میں رواں دواں لائقِ دستِ تسمائے اور سیارے اور حجر و شجر کی ان گنت تنہائیاں، عاری نہیں۔ جہاں جہاں اس کی شانِ ربوبیت موجود ہے، وہاں رسولِ خداؐ کے ذوالجلال کی رحمت بھی سایہ فگن ہے۔ چونکہ آپ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا۔

سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس نورِ مبین سے بھی سرفراز فرمایا گیا جو بندوں کے ظاہر و باطن کی تطہیر کرتا ہے اور قلب و نظر کو وہ بصیرت و بصارت عطا کرتا ہے کہ ذاتی مفاداتِ اجتماعی مفادِ عام سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ مادیات کے حجابات معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اور بندوں میں وہ احساسِ بندگی بیدار ہو جاتا ہے جو معاشرہ میں امن کا نقیب، اخوت کا منظر اور پاسِ انسانیت کا ترجمان ہوتا ہے۔

پاسِ انسانیت خوفِ خداوندی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا چونکہ جہاں خوفِ الہی نہیں ہوتا وہاں انسان حدودِ انسانیت سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اُسے نہ احساسِ جوابدہی ہوتا ہے اور نہ اس کے دل میں احترامِ انسانیت رہتا ہے۔ وہاں تو شر کی حکمرانی ہوتی ہے۔ امن و آشتی معدوم ہوتے ہیں۔ انسان اپنی خود ساختہ انا کی دیواریں اٹھا کر اخوت کی راہیں مسدود کرتا چلا جاتا ہے اس لئے ایک صحت مند، ترقی پسند اور تعمیری معاشرہ کی تشکیل کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے افراد میں خوفِ خداوندی قائم کیا جائے، تاکہ ان کے قلوب میں پاسِ انسانیت کو راہ ملے اور امن و اخوت کیلئے فضا سازگار ہو جائے۔

پیغمبرِ اسلام ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قبل دنیا پاسِ انسانیت سے ناواقف تھی اور خوفِ خداوندی سے عاری۔ لہذا سرِ سوشلزم کی حکمرانی تھی انتشار و افتراق کے پرچم تہذیبِ انسانیت کے نشان تھے۔ انسانیت و عصیت نے بنی نوعِ انسان کو قبیلوں، خانوادوں اور بنی فلاں بنی فلاں میں سی نہیں بلکہ لاتعداد ٹکڑیوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ کہیں ذات پات کا امتیاز تھا تو کہیں چھوت چھات کی تمیز اور کہیں انسانی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا کر رہا تھا اور کوئی مونس، ہمدرد اور نجات دہندہ نہ تھا۔ لہذا نہ کہیں امن کا تصور تھا اور نہ اخوت کا تخیل۔

تصورِ امن اور تخیلِ اخوت کو گودِ وحاضر کے تقاضوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ یہ ہر دو باتیں تحریر و تقریر میں ہی نہیں بلکہ عملی طور پر اس معاشرہ کا طرہ امتیاز رہی ہیں جو خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تعلیماتِ قرآنی کی روشنی میں قائم فرمایا تھا۔ اسی لئے آپ آئینہ تاریخِ انسانیت میں امن و اخوت کے اولین داعی کی حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ یہ یقینی طور پر مفکرینِ یورپ کی کوتاہ بینی یا چشم پوشی ہے کہ انہوں نے امن و اخوت کے تصور و تخیل کو اپنی اختراع قرار دیتے ہوئے مغرب کے سرسبز باغ دیا۔ حالانکہ مغرب کا سنہوز اس امن و اخوت کے تصور کو بھی نہیں پاسکا جو سرورِ دین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قائم کردہ معاشرہ اسلامی میں پچا اور بسا جو آج بھی اپنی کسی نہ کسی بہت میں دنیا کیلئے دعوتِ فکر و عمل ہے۔

بعد بعثت خاتم النبیین شیخ جعفر المدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی کم و بیش ۲۳ سالہ کاوشیں دو ادوار پر مشتمل ہیں۔ مکی دور جو تقریباً ۱۳ برسوں پر محیط رہا اور بعد دس سالہ مدنی دور۔ اول الذکر زمانہ ابتلا و مصائب سے پر تھا۔ کون سا ظلم تھا جو آپ پر اور آپ کے رفقاء کا رہا پر منکرین حق کی طرف سے روانہ ہوا۔ اس تنہا، تکذیب، تہمت طرازی بعنوان مجنون و دیوانہ، آپ کی راسخوں میں کانٹے بچھانا، آپ کے اوپر غلاطت اور کوراکرٹ پھینکنا، آپ کے ساتھ بدزبانی اور بدگوئی تو جیسے ہر ہاشما کا شعار بن گیا تھا۔ اور پھر وہ دن بھی آئے کہ آپ کی ذات والا صفات پر ان کی دست درازیاں بھی شروع ہو گئیں کہ حرم کعبہ میں آپ کے گلے میں چادر ڈال کر بید روی کے ساتھ کھینچا گیا کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے اور دم گھٹنے لگا۔ اور آپ یہ سب کچھ خنداں پیشانی کے ساتھ اس لئے برداشت کر رہے تھے کہ اس میں اطاعت الہی کا پہلو مضمر تھا۔ آپ کے لئے بارگاہ ربوبیت سے حکم تھا۔

ولا تحزن علیہم ولا تکن فی ضیق مما یمکرون ۵ اور آپ ان پر غم نہ کیجیے اور جو کچھ یہ چاہیں چل رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جیئے۔ صحابہ کرام مشرکین قریش کے ظلم و ستم کا اور زیادہ نشانہ بنے ہوئے تھے۔ مکی دور میں صحابہ کی تعداد قلیل تھی۔ ابتداً تو چند ہی افراد آپ کے دامن اطمینان سے وابستہ ہوئے تھے لیکن ان میں سے ہر ایک پائے استقامت کا حامل تھا۔ توحید کے ساتھ ایمان بالرسالت و حقیقت ایسی منفرد نعمت عظمیٰ ہے جو بندہ کی ظاہر و باطن کو درخشن و منور کر دیتی ہے۔ قلب و نظر پاک و صاف ہو جاتے ہیں، بندہ اپنے مالک حقیقی کو قریب تر پاتا ہے اور حب مصطفیٰؐ اس کو حق بین و حق شناس بنا دیتی ہے۔ وہ ہر طرح کا ظلم و ستم تو برداشت کر لیتا ہے لیکن دوسرے پر خود ظلم نہیں کرتا۔

ابتداً اشرف الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ تعداد میں ضرور کم تھے لیکن ان میں بڑے خاندانوں سے متعلق افراد بھی تھے اور وہ بے نواز غریب الدیار افراد بھی تھے جو غلامی کی زنجیروں میں گرفتار بلا تھے۔

حضرت زبیر بن العوام آپ کے چھوٹے بھائی تھے اس طرح خاندان نبویہ شہم کے ایک فرد تھے۔ ابتداً ہی میں مشرف بہ ایمان ہوئے۔ ان کا چچا سنرا کے طور پر انہیں چٹائی میں پیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتا تاکہ انہیں ایذا پہنچے اور وہ اسلام سے تائب ہو جائیں حضرت

عثمان ابن عفان کا تعلق قریش کے دوسرے بڑے خاندان سے بنو امیہ سے تھا وہ حب و امن مصطفیٰ سے وابستہ ہو گئے تو ان کا چچا انہیں رستی سے باندھ کر ایذا میں پہنچا یا کرتا تھا۔ حضرت عمر ابن خطاب کا خاندان بھی مکہ کے مقتدر خاندان میں سے تھا۔ وہ خود تو ابتدائی ایام میں ایمان نہ لائے تھے بلکہ ان کے چچا زاد بھائی سعید بن زید مسلمان ہو چکے تھے۔ ان دنوں عمر ابن خطاب کی نظر میں ان کے چچا اور بھائی کا یہ فعل انتہائی قبیح تھا، لہذا وہ بھی انہیں رسیوں میں باندھ کر سخت ایذا دیا کرتے تھے۔

”ان صحابہ کرام کی حالت زیادہ ناگفتہ بہ تھی، جو غلامی کی زنجیروں میں مقید رہتے ہوئے دامن مصطفیٰ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ بلال حبشیؓ کا آقا امیہ انہیں دوپہر کے وقت جلتی اور تپتی ہوئی ریت پر زبردستی لٹا کر بھاری چٹان ان کے سینہ پر رکھ دیتا۔ لیکن آپ کی زبان پر ”اَحَدٌ“ ”اَحَدٌ“ ہی کا ورد ہوتا۔ اسی طرح حضرت یاسرؓ ان کی زوجہ سمیہؓ اور فرزند حضرت عمارؓ بے پناہ بربریت کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ابو جہل نے حضرت سمیہؓ کو قبول اسلام کی پاداش میں اس طرح برچھی ماری کہ وہ جان بحق ہو گئیں۔ حضرت جناب ابن الارث قبیلہ تمیم سے تھے لیکن مکہ میں غلام بنا کر فروخت کر گئے تھے ان پر تو ظلم کی انتہا ہو گئی، مشکین نے ایک دن دیکھتے ہوئے کوئلے زمین پر بچھائے اور انہیں زبرد طاقت اسی فرش آگ پر لٹا دیا۔ ایک جلاد ان کی چھاتی پر اپنے پاؤں جمانے لگا کہ وہ کروٹ بھی نہ بدل سکیں۔ ان کی پشت پر جلنے سے نشانات برص کے داغوں کی طرح دائم آخر قائم ہے۔“

انہی ایام ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا ذکر ہے کہ سرور دین صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حرم کعبہ کی دیوار کے زیر سایہ تشریف فرما تھے کوئی دوسرا نہ تھا۔ حضرت جناب آپ کی خدمت عالی میں حاضر ہو گئے کچھ دیر کے بعد مشرکین کے ظلم و ستم کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بدو عاکیوں نہیں کرتے، یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: ”تم سے پہلے لوگوں کے گوشت اور پیٹھوں سے پار ٹہلیں تک لے لے کی کٹگیاں پوست کر دی جاتی تھیں لیکن یہ چنیر بھی انہیں دین سے نہیں ہٹاتی تھی اور آرائی کے سر پر درمیان میں رکھ کر چلایا جاتا اور دو ٹکڑے کر دیے جاتے لیکن ان کے دین سے یہ چنیر بھی انہیں نہ ہٹا سکی اور اس دین کو اللہ تعالیٰ ضرور مکمل فرمائے گا۔ حتیٰ کہ سوائے صغار سے حضرت موت تک جائے گا اور اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔“

اس حدیث مبارکہ سے دو باتیں قطعی واضح ہیں۔ اولاً یہ کہ ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوتِ حق کا مقصد ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل و تعمیر تھا جہاں امن و عافیت کی ایسی فضا قائم ہو کہ فرد و واحد طویل سفر کی مسافت میں اپنے کو محفوظ اور مطمئن پائے۔ درہم آپ کی کاوشیں اُسی سلسلہ نبوت کی کرہی نہیں جو آپ سے قبل کی جا چکی تھیں۔

نعام الانبیاء خیر الوری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بحکم باری تعالیٰ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں کی فضا اور ماحول کو قطعی مختلف پایا۔

مدینہ کی آبادی اوس و خزرج کے دو بڑے قبیلوں اور یہودیوں پر مشتمل تھی۔ اول الذکر دونوں قبائل کے درمیان زمانہ قدیم میں دشمنی رہی تھی۔ اسی بنا پر یہودیوں نے ان کا خوب استحصال کیا تھا بلکہ اس کے اثرات ابھی تک چلے آئے تھے ان دونوں قبائل کے چند افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہجرت مدینہ سے قبل بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانی کے موقعوں پر مکہ میں ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور کچھ افراد حضرت مصعب بن عمیر کی کاوشوں سے ایمان لے آئے تھے جن کو ہادی مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مقصد کے تحت پہلے ہی مدینہ بھیج دیا تھا۔ بہر حال اس وقت تک ان دونوں قبائل کی خاصی بڑی تعداد بھی دامنِ مصطفیٰ سے وابستہ نہ ہوئی تھی بلکہ انہی کی صفوں میں عبداللہ بن ابی جیسے افراد بھی تھے جو بعد میں مارِ استیمن ثابت ہوئے۔ یہودی قدیم زمانہ سے مدینہ میں آباد تھے۔ ان کے بھی مختلف قبائل تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کے ایک دو خاندان یہاں آکر آباد ہوئے تھے لیکن انہوں نے عربوں کے قدیم قبائل بنی قریظہ اور بنی نضیر وغیرہ کو یہودی بنالیا، بہر کیف وہ اب سب یہودی کا تھے۔

یہودی اوس و خزرج قبائل کی نسبتاً زیادہ خوشحال تھے۔ مدینہ کے زیادہ تر باغات اور تجارت پر انہی کا کنٹرول تھا۔ حتیٰ کہ کنوؤں کے بھی وہی مالک تھے اور دوسرے لوگوں کو پانی پینے میں بھی اپنی پسند اور اختیار کو استعمال کرتے تھے۔ یہ لوگ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قطعی اجنبی تھے بلکہ بہت سے آپ کی آمد سے ناخوش بھی تھے، چونکہ وہ آپ کے خلاف اپنے قلوب میں کینہ بھی رکھتے تھے۔ قریش سے ان کے مراسم رہے تھے، لہذا آپ کی نبوت کے متعلق انہی کی زبانی سن چکے تھے۔ اور یہی بات ان کی ناخوشی اور کینہ کا سبب تھی۔

مذکورہ ماحول میں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعوتِ حق کو جاری رکھنا آسان نہ تھا۔ چونکہ دوسری جانب مشرکینِ قریش کی جانب سے جارحیت ختم نہ ہوئی تھی بلکہ بلغار کسی بھی وقت متوقع تھی۔ لیکن ان باتوں کے باوجود آپؐ نے ہمت نہ ہاری۔ آپؐ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کر رہے تھے اس کی اعانت اور مدد آپؐ کے ساتھ تھی۔ اس لیے اہل ایمان کی صفوں میں اضافہ روز افزوں تھا۔ بارگاہِ ربوبیت سے وقتاً فوقتاً ایسے احکامات کا بھی نزول ہوا کرتا تھا جن میں مخاطب اہل ایمان سے ہوتا۔ کچھ یہی شب و روز تھے کہ ارشادِ باری تعالیٰ کا نزول ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا
اللَّهَ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ
الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهُ
تَحْشُرُونَ ۝ ۸/۲۲

اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ کے بلانے پر حاضر ہو جب رسولؐ ۳ اپنی زندگی بخش چیز کیلئے بلائیں اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں عامل ہو جاتا ہے اور یہ کہہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا

اس آیت مبارکہ میں حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا ہے۔ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ یعنی مومنین کے لئے حکم ہو رہا ہے کہ وہ فوراً تعمیلِ حکم کریں رسولؐ کی جب بھی وہ زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں۔

ایک انسان کیلئے زندگی بخش وہی چیز ہو سکتی ہے جو اسے امن و اخوت کی راہ دکھائے جہاں وہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکے اور زندگی کے تقاضوں کو بہ طریقہ احسن پورا کر سکے۔ یہی مقصود تھا اس دعوتِ حق کا جو سرورِ دین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دنیا سے انسانیت کو دے رہے تھے، لہذا مومنین کیلئے حکم ہوا کہ وہ اس امر میں اللہ کے رسولؐ کی کلی طور پر اعانت کریں اور جو بھی حکم دیں بجا لائیں۔ اس کا عملی مظاہرہ مدنی زندگی کے ابتدائی ایام کے دوران ہوا اور جس کی مثال تاریخِ انسانیت میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔

مدینہ پہنچتے ہوئے ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو چند ہی یوم گزرے تھے آپؐ حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے مکان پر ہی مقیم تھے اور مسجدِ نبویؐ کی کچھ اینٹوں سے بنی دیواروں پر کھجور کے پتوں کا ساٹھان و رخت کے ستونوں کا سہارا دیکر ڈالا جا چکا تھا

آپ کے حکم کے مطابق انصار اور مہاجرین کا ایک مشترک اجتماع دس سالہ انس بن مالک کی والدہ کے مکان پر ہوا، یہ خنزرجی گھرانہ تھا۔ ممکن ہے کہ کشادہ اور وسیع مکان ہو اور اسی بناء پر جگہ کا انتخاب کیا گیا ہو چونکہ حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے مکان میں آپؐ زبیر بن عوفؓ پر مقیم تھے جبکہ ان کا قیام بالائی منزل پر تھا۔ اور وہ یقیناً اتنا کشادہ نہ ہوگا کہ وہاں ایک بڑی مجلس منعقد ہو۔ مہاجرین کی تعداد پنیالیس یا کچھ تجاوز نہ تھی۔ انصاری تعداد کہیں زیادہ رہی ہوگی۔

مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین میں وہ صاحبانِ حیثیت افراد بھی تھے جو مکہ میں رہتے ہوئے ہر طرح کا مال و متاع رکھتے تھے اور وہ بے سہارا اور بے نوا غریب الیاء بھی تھے جو غلامی سے نجات پا کر غربت و افلاس کے دن بسر کر رہے تھے۔ لیکن مدینہ اکراب سب ہی خستہ حال تھے چونکہ ان میں سے کوئی بھی تو اپنا مال و متاع نہ لاسکتا تھا۔ بیشتر نے کوچہ چپ کر ہی ہجرت کی تھی اور کچھ کو منتر کنی قریش نے اپنی ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے کچھ لانے سے نہیں دیا۔ مہاجرین کے مقابل انصار مدینہ میں سے بیشتر خوشحال تھے ان کے اپنے باغات بھی تھے کاروبار بھی تھے اور مکانات بھی۔ اس طرح ہر دو جماعتوں کے درمیان معاشی عدم توازن بڑا نمایاں تھا۔

آج اس حقیقت کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ معاشرہ میں معاشی عدم توازن انتشار اور افتراق کو جنم دیتا ہے اور مجرمانہ و غیر اخلاقی اقدار فروغ پاتی ہیں۔ لیکن سرور دین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس حقیقت کو چودہ صدی قبل ہی پایا تھا اور اسی ضرورت کے تحت یہ اجتماع طلب فرمایا تھا۔ آپؐ نے اس مشترکہ اجلاس کو خطاب فرماتے ہوئے آپس میں محبت و اخوت کی اس طور پر تلقین فرمائی کہ نسبتی قبائلی اور خنزرجیائی سارے فاصلے انصار و مہاجرین کے اذہان و افکار سے محروم ہو گئے اور ایک دوسرے کے ذہنی طور پر اس درجہ قریب ہو گئے۔ جیسے وہ سب ایک ہی ماں کے لہجے سے نولد ہوئے ہوں اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہوں۔ بعدہ آپؐ نے انصار و مہاجرین میں سے مشترکہ طور پر دو دو افراد کو نام لیکر اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ تم دونوں آج سے بھائی بھائی ہو۔ اس طرح ہر مہاجر کسی نہ کسی انصار کے ساتھ رشتہ و مواعجات میں منسلک ہو گیا۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ، خارجہؓ بن زیدؓ عقیلی کے، ابو عبیدہؓ بن جراحؓ، سعد بن معاذؓ بدری کے

عمار بن یاسرؓ خلیفہ رضی بن الیمان کے اور سلمان فارسیؓ ابوالوراءؓ کے انہی قرار دیئے گئے۔ اس طرح کم و بیش پینتالیس مہاجرین انصار مدینہ کے اس طور پر بھائی بن گئے کہ نہ صرف وہ کاروبار حیات اور متاع مال میں ایک دوسرے کے شریک تھے بلکہ ایک موخاتی بھائی دوسرے بھائی کی وراثت میں سے بھی حصہ کا حق دار رہتا وقتیکہ بارگاہ ربوبیت سے حکم نازل ہوا اور وراثت پلنے والوں کا تعین کر دیا گیا۔

یہ داستانِ اخوت، منفرد اور بڑی دلگداز ہے۔ اس سے روح کو بالیدگی ملتی ہے اور قلب و نظر کو بصیرت۔ اس قدمِ مصطفیٰ کی برکتوں سے وہ معاشرہ وجود میں آیا جو تاریخِ انسانیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ وہ معاشرہ آج اپنی اصل ہیئت میں تو نہیں لیکن اس کے اثرات، مسلمانوں کی تمام تر کوتاہیوں اور غفلتوں کے باوجود، آج بھی ان کی صفوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اخوت و مساوات کا وہ عملی مظاہرہ جو ہماری عبادت کی صفوں میں اور دسترخوانوں پر آج بھی ہمارا طرہ امتیاز ہے، انسانی مساوات و اخوت اور تعظیم و تکریم کے نام نہاد علم برداروں میں نظر نہیں آتا۔

سرورِ دین علیہ الصلوٰۃ والسلامؐ کے مذکورہ مندرجہ اخوت کو عملی ہیئت ملنے ہی مسلمانوں کی صفوں میں تو امن و محبت کے پرچم ہر سونے پر آنے لگے۔ لیکن مدینہ کی فضا میں ابھی تبدیلی نہ آئی تھی، جہاں بیرونی خطرات کے علاوہ اندرونی خدشات بھی منڈلاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ چونکہ یہودیوں نے کشادہ قلبی کے ساتھ آپؐ کو خوشش آمدید نہ کہا تھا۔ ان کی صفوں میں نہ صرف شکوک و شبہات تھے بلکہ سرگوشیاں بھی ہو رہی تھیں۔ حالانکہ اہل کتاب ہونے کے ناطے آپؐ ان کے لئے گوشہ نرم رکھتے تھے اور اسی امر کی تلقین آپؐ مسلمانوں کو بھی فرما رہے تھے۔ آپؐ نے یہودیوں کو ذاتی خدمت کیلئے بھی پسند فرمایا اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے قریب تر لانے کیلئے کوششیں کیں۔ چونکہ فاصلے ہمیشہ بدگمانیوں کو جنم دیتے ہیں اور بدگمانیاں انتشار کو افتراق کا سبب ہو جاتی ہیں اور جہاں ان دو کا وجود ہوتا ہے وہاں امن و عافیت معدوم ہو جاتے ہیں۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلامؐ کے تمام تر ماسعی جمیلہ کا مقصود تو ایک ایسے معاشرہ کی تعمیر و تشکیل تھا جہاں امن و اخوت کو فروغ ہو اور اعلیٰ انسانی اقدار پر دان

چڑھیں۔ اسی ٹٹے آپ نے ضروری سمجھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان دوستی و
فکری فاصلہ جاتا رہے اور وہ مختلف مذاہب کے پیروکار ہونے کے باوجود اپنے
آپ کو ایک قوم اور ایک مملکت کے شہری سمجھیں لہذا اس ضمن میں بھی آپ نے پہل کتنے
ہوئے یہودیوں کو ایک ایسے معاہدہ کی پیشکش فرمائی جس کو انہوں نے قبول کر لیا۔
معاہدہ کی چند جلی شرائط یہ تھیں:-

۱۔ ہذا کتاب من عمل الذی صلی
ادلہ علیہ وسلم بین
المومنین والمسلمین من
قریش و یثرب ومن تبعہم
فلحق بہم وجاہد معہم۔

یہ تحریر ہے محمد انبیؐ کی جانب سے مسلمانوں
کے درمیان بوفریٹھی یا یثربی ہیں اور
ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ
ملے ہوئے اور کاروبار میں ان کے ساتھ
شامل ہیں۔

۲۔ انہم امة واحدة

یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔

۳۔ وان یہودی بنی عوف امة
مع المومنین

بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک
قوم ہیں۔

۴۔ وان بلینہم النصر علی من
حارب اهل هذه الصحیفۃ

اور جو کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوم کے
خلاف جنگ کرے گا تو سب مل کر اس کے
خلاف عمل پیرا ہوں گے۔

۵۔ وان بطانة یہود کالفسہم

یہودیوں کی دوست دار قوموں کے حقوق
یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔

۶۔ وانہ لم یاتہ امر بخلیفہ

کوئی فرق اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی
نہیں کرے گا۔

۷۔ وان النصر للمظلوم

مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی۔

۸۔ وان یثرب حرام جرفہا اهل
هذه الصحیفۃ۔

مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا فریقین معاہدہ
پر حرام ہوگا۔

یہ معاہدہ ختم الرسل داناے سُبُل مولاے کل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نہ صرف وسیع القبلی دوراندیشی، امن پرستی اور اخوت خواہی کا منظر ہے بلکہ آج بھی ان لوگوں کیلئے دعوتِ فکر و عمل ہے جو دینی و فکری فاصلوں کے حامل مختلف مذاہب کے افراد کو ایک قوم بنانا چاہتے ہیں۔

دورِ حاضر میں سیکولر نظام (SECULAR SYSTEM) کی اصطلاح رائج ہے اور اس کا مقصد بھی بتایا گیا ہے۔ لیکن نتائج کیا ہیں؟ وہی سیاسی منافقت۔۔۔ (POLITICAL HYPOCRISY) کون سا ملک ہے آج دنیا کے نقشہ پر جو سیکولر نظام کا علمبردار ہو اور اس نے اس درجہ اپنی اقلیتوں کا تحفظ کر رکھا ہو۔ سہ وستان روس، چین، فلپائن اور حتیٰ کہ امریکہ اور یورپ کے بہت سے ممالک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہر جگہ اکثریت اپنے مقاصد کیلئے سیکولر نظام کا زمرہ بلند کرتی ہے لیکن اقلیتوں کے حقوق کو پامال کرتی ہے۔ ان کے برعکس اسلامی ممالک اپنی تمام تر مغرب پرستی کے باوجود اپنی اقلیتوں کے ساتھ اسی طرح فیاضی اور کشادہ قلبی کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو مذکورہ معاہدہ مدینہ کی روح تھا۔ اور یہ فیضان ہے اُس حبِ مصطفیٰ کا جو مسلمانوں کے قلوب میں آج بھی پوست ہے اور ان کی شعوری اور لاشعوری طور پر رہ رہ کر رہتا ہے۔ حالانکہ بہت سے مقامات پر مسلمانوں کی فیاضی اور کشادہ قلبی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر مسلم ادارے مسلمانوں کے خلاف مصروفِ کار بھی ہیں۔

سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مذکورہ مساعی جمیلہ سے ایک ایسی نظریاتی مملکت دنیا کے نقشہ پر وجود میں آگئی جہاں امن و اخوت کی حکمرانی تھی انسانی اعلیٰ اقدار پر وال چڑھ رہی تھیں، ہر فرد کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ انسانی تحریک و تحریم و تکریم ہر ایک کیلئے بنائے تقدیس تھی اور سیاسی منافقت کا تصور تک معدوم تھا۔ اس لئے کہ ہر راہِ مملکت سے لے کر عام شہری تک ہر ایک اپنے کو اللہ عز و جل کے حضور جواب دہ جانتا تھا۔

پیغمبرِ اسلام کے نظریہ امن و اخوت کے نشانات ارفع اس وقت کہیں اور زیادہ نمایاں واضح اور روشن و نورِ نظر آئے جب فرزندِ انِ توحید کا دس ہزار نفوسِ قدسی پر مشتمل لشکرِ فتح و نصرت کے پرچم لہراتا ہوا مکہ میں داخل ہوا۔ یہ ذکر ہے سنہ ۶ کا۔ اس سے

قبل متعدد غزوات اور سرے پہنچے تھے۔ جن میں مسلمانوں نے اپنا دفاع کرتے ہوئے تلوار اٹھائی تھی۔ لیکن یہ پیدا موقع تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر تحریر شدہ معاہدہ کے خلاف دوسری طرف اسلامی لشکر مدینہ سے مکہ کی جانب آیا تھا۔

مکہ میں ہونے سے پہلے والی شب، آٹھ برس پہلے مکہ بدر کے جانے والے محمدؐ ابن عبد اللہ اور امیر شکر پناہ کے حکم سے متعدد آگ سے آلود روشن کئے گئے تاکہ دشمن بے خبر نہ رہے۔ صبح دم اوس ہزار قوس مختلف راستوں سے مکہ شہر میں داخل ہوئے، مجاہدین اسلام کیلئے حکم تھا۔

- ۱۔ مزاحمت اور حملہ کرنے والوں کے خلاف ہی تلوار اٹھائی جائے۔
- ۲۔ ان لوگوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے جو اپنی ہتھیار ڈالیں، خانہ کعبہ کے اندر چلے جائیں یا اپنے گھروں کے اندر ہی رہیں۔
- ۳۔ ان افراد کو بھی پناہ دی گئی جو ابوسفیان یا حکیم بن حزام کے گھروں میں چلے جائیں۔

۴۔ مزید برآں حکم تھا کہ بھاگ جانے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں اور اسیروں کو قتل نہ کیا جائے۔

کیا کسی فاتح فوج کے امیر کا حکم اس سے زیادہ امن و عافیت کا منظر ہوا ہے۔ تاریخ انسانیت اس کی نظیر دینے سے قاصر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت نہ صرف یہ مثال امن پسندی کا مظاہرہ کیا بلکہ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ بھی عفو و درگزر اور وسیع القلبی کا تبراؤ کیا۔ عکرمہ جو ابوجہل کا بیٹا اور آپؐ کا بدترین دشمن تھا شہر مکہ سے فرار ہو گیا چونکہ اسے یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کے ہتھکڑا گیا تو قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن اس کی بیوی نہ صرف مکہ میں رہی بلکہ آپؐ کے دستِ اطہر پر مشرف بہ ایمان بھی ہوئی بعدہ اس نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میرا شوہر جان بچا کر بھاگ گیا ہے، آپ اس کو امان دیجیئے۔ آپؐ نے بلا کسی پس و پیش یا شرط کے اس کو فوری امان عطا فرمائی۔ عکرمہ واپس آئے تو از خود جان نثارانِ مصطفیٰ کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

صفوان بن امیہ بھی آپؐ کے خون کا پیاسا اور اسلام کا سخت مخالف تھا، وہ بھی فتح مکہ

کے وقت فرار ہو کر کسی جگہ جا چھپا۔ مکہ کی فضا جب امن و اخوت اور محبت و شفقت کی نگہبخت جان بخشش سے رہ گئی تو عمیر بن و معتب نے پیغمبر اسلام داعی امن و عافیت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! قریش کا سردار صفوان بن امیہ غریب الوطن ہے۔ مسائب و آلام کی زندگی گزار رہا ہے اس کو بھی امان دیجئے، آپ کا قلب اطہر تو پہلے ہی سے پاک و صاف تھا۔ وہاں غنا و کاغز کیونکہ سوسہ کٹا تھا۔ آپ تو مجسم رحمت تھے اور امن و عافیت کے داعی، آپ نے ازراہ شفقت و محبت نہ صرف صفوان کو امان دی بلکہ اپنا عمامہ تشریف بھی عطا فرمایا۔ لیکن ابن امیہ کے دل میں ابھی تک شکوک و شبہات تھے۔ اسلام قبول نہ کیا، آپ کی طرف سے بھی کوئی تبصرہ نہ تھا۔ اس نے اسلام پر غور کرنے کیلئے دو ماہ کا وقت طلب کیا جو اس کو دیدیا گیا۔ لیکن ایک ماہ بھی نہ گزر رہا تھا کہ اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت پر ایمان لے آیا۔

یہ ننھا خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نظریہ امن و اخوت کا اجمالی تذکرہ جو آپ نے آیات قرآنی کی روشنی میں عام کیا اور اپنے قول و عمل اور گفتار و کردار سے اس طرح قائم فرمایا کہ جس کی جڑیں آج بھی سرزمین حجاز اور وادی فاران میں مستحکم ہیں اور جس کی شاخیں ان بندگانِ الہی کے قلوب پر سایہ مکن ہیں جو خوفِ الہی اور حبِ مصطفیٰ سے معمور ہیں۔

اس مقام پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران امن و اخوت کے داعی افراد اور ادارے بہت ہوئے ہیں۔ لیکن کامیابی بدرجہ استحکام کسی کا مقدر نہ ہوئی۔ دوام ملا تو صرف پیغمبر اسلام داعی امن و اخوت کی کاوشوں کو کیوں؟ صرف ایسے کہ ختم الرسل مولائے کل دامنے سبل اللہ علیہ وسلم کے اس نظریہ کی اساس بھی، آپ کے دیگر نظریات کی طرح حق سبحانہ تعالیٰ کے احکامات پر تھی۔ آپ نے خود ان پر عمل کیا اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمائی۔ یہ بات نہ کسی مفکر اور فلسفی کے یہاں ملتی ہے اور نہ کسی مسلح اور داعی کے یہاں نظر آتی ہے۔ اور یہی خطِ تفریق دعوتِ فکر ہے صاحبانِ عقل و فہم اور اہل علم و دانش کیلئے دعوتِ فکر ہے صاحبانِ داعیاً اِلَی اللہِ باذِنہ تھا اور مسترئہ عالی سیراً جابئیراً۔
 ”واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین“

پیغمبر اسلامؐ بحیثیت داعی امن و اخوت

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، کراچی

وہ بڑی سی حویلی مکہ کے ایک نامی گرامی رئیس کی تھی۔ چھوٹے بڑے بوڑھے جوان بہت سے لوگ جمع تھے اور سوتے رہتے تھے کہ ایسے میں کیا کرنا چاہیئے؟ جبکہ معاشرہ میں امن و عافیت کا ہر شیشہ ٹوٹ چکا ہے۔ امن و امان مفقود، گنہگار ہیں مخدوش ہیں۔ سکون و اطمینان رخصت ہو چکا ہے اور ہر روز لوٹ مار، قتل و غارتگری کی نئی خبر، ظلم و جور کی نئی کہانی، ستم زدوں، ستم رسیدوں کے لبوں پر آہ بن کر مچلنے لگتی ہے۔ ان سب نے سوچا، سمجھا اور بالآخر حلف اٹھالیا کہ وہ سب مل کر بدامنی کو دور کریں، ہر مظلوم کی مدد کریں گے اور کسی جارح کو مکہ میں پناہ نہ لینے دیں گے۔

اس مجمع، اس اقرار میں، وہ قریشی و ہاشمی نوجوان بھی شریک تھے۔ جو اس حلف سے پہلے بھی ہر مظلوم کی آہ پر مضطرب ہونے والا ہر بیکس بے بس کی پکار پر لبیک کہنے والا تھا اور جس کی زندگی کی توانائیاں ترسوع سے ہی ظلم و جبر کی ہر سیٹھانے کیلئے وقف تھیں۔ یہ وہی نوجوان تھا جو آگے چل کر پوری انسانیت کا آخری نجات دہندہ ثابت ہوا جو امن جہاں اور اخوت انسان کا داعی اور صلاح و فلاح آدمیت کا علمبردار بنا، یہاں تک کہ ”امن و امان“ اور سلامتی و آشتی کی آبرو آج تک اسی کے دم قدم سے قائم ہے۔

پھر ایسا ہوا کہ دوسرے لوگ تو ایسے منافق و آشتی کی پاسداری نہ کر پائے اور بد امنی کو تیز آمدنی
ان کا ہر ورقِ تمنا اٹالے گئی۔ البتہ وہ "جوانِ رعنا" ان اندھیوں میں بھی امن و عافیت کی فتنہ پیل
تھامے کھڑا رہا۔ وہ تنہا تنہا پر اس معاشرے کے سارے مظلوموں، مقہوروں، بے سہاروں کی آخری
پناہ گاہ، تمام یتیموں، بس یروں، غلاموں کا ملجا و ماویٰ صرف وہی تھا، ابوطالب نے پیچ کہا۔

وابيض ليستسقى الغمام بوجهه

تمال اليتيم عصمة للارامل

اس سے یہ نہ سمجھیے گا کہ وہ "صرف ان مجبوروں مظلوموں، ان بچے، کچلے طبقات کا ہی چارہ گیر یا صرف
ان کے ہی مفادات کا نگراں تھا، سرگز نہیں! وہ ان کے بڑوں کے بھی کام آئیواں تھا۔ ظالموں،
جباروں کا ہاتھ پکڑنے والا، تلواروں کے سائے میں سینہ سپر ہونے والا، امن کا خور، حق کا قتلگشتی
سلج و آشتی کا خواہاں اور ہر آن خیر و نفع کیلئے کوشاں ہے۔ مگر ہاں۔ جنگ و جہل، فتنہ و
فساد، ظلم و جبر کا وہ ہر صورت، مخالف تھا، ہر طور مستنصر تھا۔

چنانچہ دیکھ لیجیے، دراسی بات پر مٹ جانا، مرجانا، کھیل تھا ان کا، جان کا کیا ہے، آن
نہ جائے، ایمان تھا ان کا! وہ ایسے ہی لمحات تھے جب آن کی خاطر جان و نیوے بڑے بڑے
رؤسا، بڑے سورا، صحن کعبہ میں جمع تھے اور کشمکش اس بات پر تھی کہ حجرِ سود کون نصب کئے؟
بات دراسی، مگر تھی ان کی، بڑھتی چلی گئی۔ "لعنه الام" بھی سو گیا اور تلواریں چلنے میں زیادہ
وینہ رہ گئی تھی کہ آخر کار اتنی مہلت پہ راضی ہوئے کہ جو علی الصبح پہلے پہل حرم میں آئے وہی
حکم مہرے گا اور پھر چشمِ فلک سے دیکھا ان خون کے پیاسوں نے بھی، کہ ان تلواروں کی
چھاؤں میں "نور کے ترے" جامِ صلح و آشتی پلانے والا وہی گوسے مکھڑے والا، محمد نمودار
ہوا جس کو دیکھ کر سب پکار اٹھے، هذا الامين، هذا محمدؐ۔ یہ تو الامین، ہمارا محمدؐ آگیا
ہم اس کے فیصلہ پر راضی! اور پھر اس کی قضا، ان کی رضا، امن و سلامتی کی نقیب بن گئی
اور ایک ایسی بڑی جنگ کا خطرہ ٹل گیا کہ اگر چھڑ جاتی تو نہ معلوم کتنی نسلیں، کتنی صدیاں، انتقام
در انتقام کی آگ میں جلتی رہیں۔ یہاں ایک لمحہ ٹھہر کر یہ تو ملاحظہ کر لیجئے کہ ان جنگ پسندوں،
خود سروں کے کاسے نفرت و انتقام میں امن و عافیت کی بھیک ڈالنے والا کون ہے؟ وہی
باشمعی قریشی و مطلبی!

یہ اس وقت اس زمانہ کی بات ہے جبکہ عرب کے گوشہ گوشہ میں بد حالی و بد امنی کا عفریت

زندہ ناما پھر رہا تھا، لوٹ مار قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ امن و عافیت کا سورج فوف اُڑت
 کی اوٹ میں تھا، انسانیت کے کھنڈر میں شیطانیّت، و حیوانیت کے بھوت رقصاں تھے، عقل حیراں
 نگاہ خیرہ، ذہن افسردہ، حواس آشفتنہ، بجز مشیت الہی، کسی کے وہم و گمان میں بھی رہا نہ سکتا
 تھا کہ حالات یکدم، یکسر منقلب ہو جائیں گے، اندھیروں سے اُجائے طلوع ہوں گے، موت میں
 سے زندگی جنم لے گی، نفرتوں کی آگ گل و گلزار بن جائے گی اور افتراق و انتشار، ظلم و جور، نشتہ
 و فساد، عصیان و طغیان کے افق سے امن و امان، صلح و آشتی کی سحر خندہ ہوگی، مگر تاریخ
 بتاتی ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

رَبُّ الارباب، ربّ کائنات کی طرف سے نامکملات کے پتھروں سے ممکنات کی آتش فروزان کرنے
 کیلئے، اسی اُمتی لقب، عالی نسب، ملی قرشی، ہاشمی و مطلبی، یعنی محمد ابن عبد اللہ کو منتخب
 کیا گیا جس کے امن جو یا نہ کردار کی چند جھلکیاں ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، اب اُسی صادق و امین
 کو نبوت و رسالت کا تاج پہنایا گیا جو اپنے عمل سے ظلم و جہالت کی تیرگی میں "امن و عافیت"
 کے چراغ جلا رہا تھا اور وحشت گزیدہ انسانیت کو سکون و طمانیت کے جام ملا کر ندرتِ حیات
 سے آشنا کر رہا تھا۔

اس منظر و پس منظر کو دیکھئے، پھر اس مجلسِ ذکرِ رسول کیلئے موضوع کا انتخاب پھر روشن
 حرفوں، سچے لفظوں والی کتابِ الہی (قرآن) کا حوالہ (سورہ انفال آیت ۱۲)، دیکھئے تو معلوم
 ہوگا کہ ہم چودہ سو سال پہلے کے دورِ جاہلیت سے دور ہو کر بھی، اس بیسیویں صدی کی جاہلیت
 جدیدہ "میں" امن و عافیت کے کتنے سخت محتاج ہیں اور ہمیں اسوہ حسنہ کے اتباع کی
 اس جہت سے کتنی شدید ضرورت ہے اور ہمدی، عالم، داعی اعظم، محسنِ انسانیت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہنے کا وقت کتنا قریب آ پہنچا ہے، اصل الفاظِ توبہ ہیں۔

یا ایہا الذین امنوا استجبوا للہ
 وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم
 واعلموا ان اللہ یحول بین المرء
 وقلوبہ وانه الیہ تحشرون
 (الانفال - ۲۴)
 اورو میں مفہوم یہ ہوا :
 مومنو! مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول
 کی پکار پر لبیک کہو۔ جبکہ وہ رسول تم کو
 (امن و عافیت، اخوت و محبت کی) ایسی چیز کی
 طرف بلائے جو تمہیں حیاتِ جاوداں بخشے اور
 آگاہ رہو کہ اللہ تو انسان کے دل پر مطلع رہا ہے
 اور یہ کہ تم اُسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ ۷

آج ہمارے ملک (پاکستان) کا ہمارے معاشرہ کا یہاں کے رہنے والے باشندوں کا (وہ خواہ کسی رنگ کے، کسی اصل و نسل کے، کسی زبان کے، کسی دین کے، کسی حقیقت، کسی نظریے والے ہوں، ان کا) اہم ترین مسئلہ امن و امان کا مسئلہ ہے، جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت، تباہیوں، راستوں، سڑکوں، گلیوں، محلوں میں صلح و آشتی، نفرت، غیظ و غضب، عداوت، فتنہ و فساد، افتراق و انتشار، ظلم و جبر اور عصبیتوں کی آگ ٹھنڈی کرنا ہماری، ہم سب کی شدید ترین ضرورت ہے۔

گویا امن و امان کی جو ضرورت آج ہمیں ہے، زندگی میں عافیت کے جس طرح ہم طلبگار ہیں، کچھ ایسی ہی شدید ضرورت چودہ سو سال پہلے ساکنانِ عرب کی بھی تھی، ایسی ہی عافیت طلبی ان کی بھی تھی۔ پھر انہیں امن و امان کی دولت، صلح و آشتی، تنی کی سوغات، بالآخر، سنو سرور کوہِ نبین، رسولِ الثقین، مادیِ اعظم، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔ بد امنی کی ماری انسائیت کو زندگی جبراً ختم کر سلیمانی سے ملی اور خزاں رسیدہ چمن ہستی میں امن و عافیت کی بہار، دانائے سب، مولائے کل، فخرِ ارسلاں ہی کے دم قدم سے آئی، ان کی ہماری اگر بیماری ایک ہے، تو ان کا ہمارا علاج بھی یقیناً ایک ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی پیغام کے بین السطور آج کا پیغام سیرت یہ ہے کہ اللہ و رسول کی حیات بخش پکار پر لبیک کہنا چاہئے کہ ان کی پکار پر لبیک کہے بغیر، ہم ساری تدبیریں کر کے، بلکہ اپنی زندگیاں کھپا کے بھی "امن و سلامتی کے مدعا کو حاصل نہیں کر سکتے۔"

نہ کہیں جہاں میں امان ملی، جو امان ملی تو کہاں ملی؟

میرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفونہ نوازیں

امن و امان، سکون و اطمینان کی ضرورت کسے نہیں ہوتی؟ کب نہیں ہوتی؟ ہر ذی حیات

اس کا طالب ہے اور ہر آدمی کی تو یہ اتنی ہی اہم اور بنیادی ضرورت ہے جتنی کہ غذا، مکان

اور لباس کی ضرورت اور جس طرح ان ضروریات کو پورا کئے بغیر انسانی زندگی کی حفاظت و بقا

اور نشو و نما ممکن نہیں ہے اس طرح امن و امان اور سکون و اطمینان کے بغیر انسانی زندگی کا

قیام اور تہذیب و تمدن کا فروغ بھی ناممکن ہے، ہمارا، آپ کا سب کا تجربہ ہے کہ ظاہری

مادی زندگی کی کتنی ہی آسائشیں کسی کو حاصل کیوں نہ ہوں اور ہر چیز سرشتی کی اس کے یہاں

بہتات کیوں نہ ہو، اگر لیکن وہ امن و عافیت سے محروم ہے تو سب ٹھٹھا بیکار ہر آسائش

بے سود، ہر لمحہ، زندگی بے کیف و بے مزہ ہے۔ آدمی اندر سے بیکل ہو، خوشنودہ ہو، سکون ہو تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

آج کے دور میں دیکھ لیجئے ہم سب کتنے بے کل، کیسے بے سکون ہو گئے ہیں، مادی آسائشوں کے ڈھیر سم بے محابا لگاتے چلے جا رہے ہیں، حرص و وسوس میں پھر بھی کمی نہیں۔ وسائل کی فراوانی کیلئے، ہر متنفذ دن رات کو مثال ہے، ہماری ملک و تازگی کی کوئی حد نہیں۔ صہبائے حیات کا ایک ایک قطرہ ہم خود چوس لینا چاہتے ہیں اور کسی دوسرے کو چلو بھر دینا گوارا نہیں، ہمیں بہت کچھ، ہمیں سب کچھ حاصل ہے مگر وہاں سکون و اطمینان کہاں! کاشش ہم اُسے بھی خرید سکتے! نکلنے والا ہر دن کا سوز، سوزِ جاں کو فزوں کر دیتا ہے، خوف، و دہشت نے (جس کی ہزار شکلیں، ہزار شکلیں ہیں) زندگی کا مزہ چھین لیا ہے۔ عصیتیں ان گنت، مسافرت، مناقشت، اختلافات، امتیازات، سفادات کی دلدل میں ہم لمحہ نہ لمحہ دھستے چلے جا رہے ہیں۔ ہر گھونٹ میں ہم کوئی نہ کوئی زہریلا پیسہ ہیں، زندگی کے تمام دائروں میں چاہے ذاتِ یو یا برادری ملک ہو یا وطن، سارے عالم میں ہر سطح پر امن و چین مقصود ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ فرد بھی اس دامن کا اُسی قدر ضرورت مند ہے جس درجہ عالمی امن کی ضرورت دنیا کے ہر ملک، ہر چھوٹی بڑی، مقامی عالمی طاقت کو ہے۔ اس اضطراب کا حل نہ عقل و حرد کے پاس، نہ اس کا خدا وادارہ نہ انجمن، ہر ایک سائل بے نوا، ہر ایک گدائے بے اماں!

امن و سکون کی دولت تو عطا ئے ربانی ہے، اللہ کی نعمت، اس کا نفل، اس کا عطیہ ہے۔ جس کی دولت اُسی سے مانگیں، ہم اس در کے سوالی بن کر ہی عطا ئے امن سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ انقیاد و اطاعت الہی سے مشروط ہے۔ الوہیت و سیدریت ربانی سے انکار کے نتیجے میں بستیوں امن و عافیت سے خالی ہو جاتی ہیں۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْهَ اٰمَنَةً

مَطْمَئِنَةً يٰ اَيُّهَا زَقَّهَا رِغْدًا اٰمَنٌ

كُلُّ مَكَانٍ فَكُفِرَتْ بِالْغَمِّ اللّٰهُ فَاِذَا

قَعَا اللّٰهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا

كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ " اس لئے اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہہ کر ہی ہم امن و امان کے

مستحق بن سکتے ہیں۔

اللہ ورسول کی پکار، ان کی دعوت آدمی کو لطفِ زندگی سے بہ حد کمال آشنا کرتی ہے ان کی پکار، ہر نوعِ حیات بخش، حیاتِ امین، حیاتِ آموز، حیاتِ افروز، حیاتِ فیز و حیاتِ آفریں ہے۔ ان کا پیغام امن و سلامتی کا ضامن ہے، فتنہ و فساد، انتشار و اضطراب ان سے امن و عافیت میں ہے، ضعف و قوت سے، قلت و کثرت سے ان سے امن و عافیت کا سایہ بد لے گی۔ بہترین ٹھکانہ اور جائے قرار ان سے ہی کے طفیل اور بہترین رزق و وسائلِ حیات، طبیعت و سحیات، دنیوی و اخروی کامرانیوں اور تائید و نصرتِ الہی کا حصول ان سے ہی کی وابستگی سے مشروط ہے اور ہر خسران و نقصان سے عافیت، ہر عذاب و عتاب سے امان، اور ہر خوف سے امن اور ہمہ جہت سرخروئی ان سے ہی کے نام پر مل سکتی ہے۔

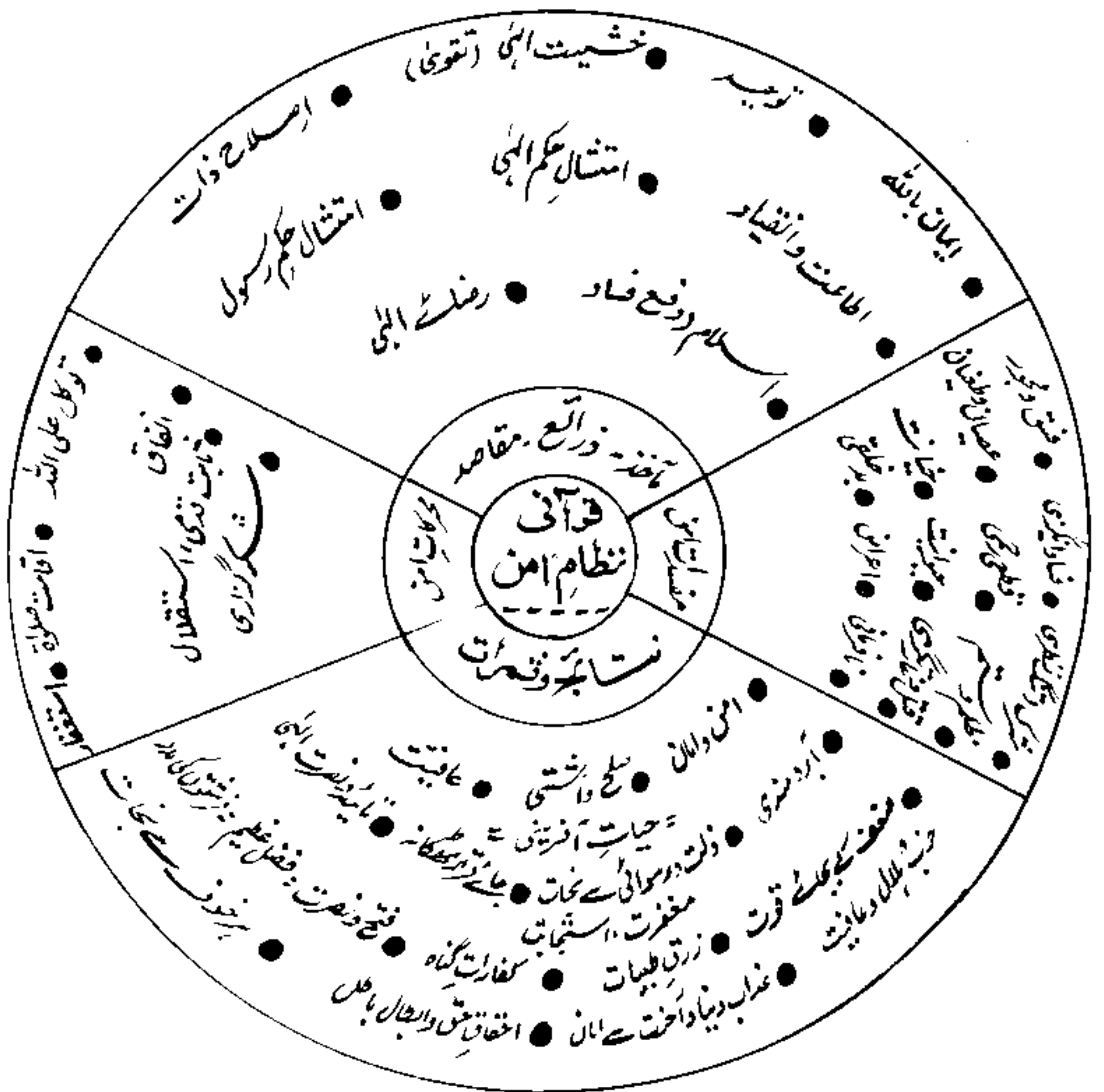
هو الحبيب الذي ترجى شفاعته

لکل ہول من الاحوال مقتحم

اللہ ورسول کی پکار پر لبیک کہنے کا سیدھا سا دھا مطلب یہ ہے کہ ایمان و اسلام کی شرط کے ساتھ اللہ ورسول کا کہا مانا جائے، ان کے احکام کی اطاعت، اوامر کی بجا آوری، نواہی سے پرہیز اور ہر جہت سے امتثالِ امر، اجابت و استجابت کا ہی ہم معنی ہے۔ سورہ انفال کی جو آیت (۲۴) ہمارے موضوعِ بحث کا احاطہ کر رہی ہے، اس کے سیاق و سباق سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ سورہ انفال کا عمود اور مرکزی مضمون پہلی ہی آیت میں اطيعوا اللہ ورسولہ کے الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ پھر متصل آیات میں مختلف واقعاتی حوالوں سے وضاحت کی گئی ہے کہ اہل ایمان پر اللہ ورسول کی اطاعت ہر حال میں یہ ایسی طور پر فرض ہے کہ اعراض و انکار کی کسی حال میں گنجائش نہیں، اور ان کی نافرمانی بہر صورت موجبِ عذاب و ہلاکت ہے۔ بنا بریں ان کی سمع و طاعت کا محض زبانی دعویٰ ناقابلِ مسموع ہے۔ چنانچہ حکم ہے کہ مسلمانوں پر خدا اور رسول کی پکار کا فی الفور جواب دینا واجب ہے۔ ہر فعل و شغل ترک کر کے ان کے حکم کی بجا آوری میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی جائز نہیں، کیا خبر کہ ایک لمحہ کی سستی و کاہلی میں دل ہی پلٹ جائے اور شرفِ حضوری سے محرومی الگ ہو۔

اللہ ورسول کی پکار، ان کی دعوت، ہمہ جہت سمہ صفت، خیر و فلاح پر مبنی ہے اور ہر لحاظ سے حیاتِ آفرین ہے پھر بعد کی ۵، ۶ آیات میں گویا ان سانچ و قمرات کا بیان

اگیا جو اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہنے سے مرتب ہوتے ہیں۔ جن کا بہت کچھ نظارہ اس وقت (جنگ بدر کے بعد سترہ میں یعنی جس وقت یہ سورت نازل ہوئی) اہل ایمان چشم سر سے کر رہے تھے۔ اس طرح زیر بحث آیت اور اس کے سیاق و سباق کی رو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورہ انفال کی ان آیات میں "قرآنی نظام امن کی جلوہ گری موجود ہے" اس کا خلاصہ ذیل کے خاکہ میں دیا گیا ہے:-



جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، امن و امان اور سلامتی و سلام کی پہلی اور آخری پکار، حیات آفرین دعوت اللہ کے آخری نبی اور رسولؐ، نضرِ رسل، سید و سرور، خاص پیغمبر، حضرت احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی، پہلی اس معنی میں کہ اس سے پہلے کبھی بھی امن و امان اور صلح و آشتی کا پیغام جانفزا، پوری دنیا، پوری انسانیت کے لئے، عالمگیر و سمیعہ گیر طریقہ سے پیش نہیں کیا گیا اور

آخری اس مہنی میں کہ اب حضور رسالت پناہ، علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے بعد کسی قسم کی نبوت و رسالت یا آسمانی الہامی ہدایت کا مسکن باقی نہیں رہا اور فخر انس جہاں ختم مرسلان کی دعوت، آپ کی پکار ہمیشہ کیلئے، سارے انسانوں کیلئے، آئیوے تمام زمانوں کیلئے قائم و دائم، جاری و ساری ہے اس لئے یہی آخری دعوت، آخری پکار ہے اور اس لئے بھی کہ امن و امان اور صلح و آشتی کا جو زیادہ سے زیادہ تصور، بڑے سے بڑا نقشہ اور جزوی کلی، انفرادی و اجتماعی، مقامی، عالمی انتظام و انصرام انسانیت کیلئے ممکن ہے وہ سب کچھ پہلے ہی آپ کے مبارک ہاتھوں سے مکمل ہو چکا لہذا امن و امان کے حوالہ سے آئندہ سوچے جانے والی ہر تدریس پر پیغمبر انسانیت کے عطا کردہ نظام امن کے مقابلہ میں دراصل ناقص و فرسودہ ٹھہرے گی۔

داعی امن و اخوت کی حیثیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بد فہم بہت مشکل تھا۔ امن و امان کے قیام و فروغ کیلئے، محض منصوبہ بندی، کاغذی نقشے، الفاظ کے گورکھ و ضد سے، اعلانات، بیانات، کارآمد نہیں ہو کر تھے، ایک تبدیلی کیلئے بہت سی تبدیلیاں مطلوب ہیں، زندگی کا نقشہ اندر سے بدلتا ہے۔

خلق کے سرور، خلق کے رہبر جب داعی امن بن کر آئے تو صرف چند شعبہ ہائے زندگی کی اصلاح، کچھ بہت و صورت کی تبدیلی، محض مادی ظاہری تغیر کافی ہو سکتا تھا۔ پوری زندگی میں انقلاب بپا کرنا تھا۔ انقلاب بھی کیسا، جس کا مرکز و محور دل بنے، جہاں سے زندگی کا چشمہ ابلتا ہے، جس سے زندگی کی کھیتی سیراب ہوتی ہے۔ جہاں امن کا بیج پھوٹتا ہے، جہاں عقیدہ جڑ پکڑتا ہے۔ جہاں ایمان و یقین کا خزانہ ہے۔ دل کا موید و مانع ہو جائے تو عقیدہ اور سچے نظریہ اور گہرا یقین اور مستحکم تہا ہے اور یوں فکر و نظر کی آبیاری سے زندگی کا پورا عمل و آہنگ بدل جاتا ہے۔

ان ہی حقائق کے پیش نظر دائمی اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دلوں کو بدلا، فکر و نظر کی اصلاح کی، امن کو عقیدہ میں اتارا، صلح و آشتی کو یقین کا حصہ بنایا، پہلے پیغمبر کو اندت امن سے آشنا کیا، باطن سے خوف کے ہر کانٹے کو دور کیا اور یوں کلمہ توحید کے ذریعہ امن و آشتی کے انقلاب کی بنیاد رکھی۔ اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ قومیت کا نعرہ بلند کیا نہ کسی عصبیت کو سوادہ، نہ اقتصادی بد حالی دور کرنے کا مشورہ دیا، نہ اخلاقی برائیوں سماجی خرابیوں کا اصلاحی پروگرام جاری کیا، بس ایک کلمہ کی طرف بلایا اور اس اعلان کے ساتھ بلایا

کہ 'ایک کلمہ کا اقرار کر لو' عرب و عجم تمہارے زیر نگین ہو جائیں گے۔ تو یا محض توحید پر ایمان و ایمان ہی سفر انقلاب کی ابتداء ٹھہرا۔

یہ معمولی استدلال نہ تھی، توحید ہی دائمی امن و اخوت علیہ الصلوٰۃ و التحدیہ کے تمام روشن کارناموں کا سرچشمہ ان کی اصل ہے۔ نظامِ ملے امن و امان کی یہی بنیاد ہے۔ یہی چیم انقلاب ہے۔ یہی تمام ایمانیات کی اساس، اخلاق و عمل کے تمام سُننے اسی کی تنویر سے روشن ہوتے ہیں۔ یہی کلمہ نفس کو شیطنیت و بہمیت سے پاک کرتا ہے اور معاملات زندگی میں شتر بے مہار ہونے سے بچاتا ہے۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے۔ ایک مصنف کے بقول دنیا میں جتنی بد امنی پائی جاتی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جب تک انسان اپنے سے بالاتر کسی اور کو تسلیم نہ کرے اور جب تک اسے یہ یقین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی ہے اس وقت تک یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور امن و امان قائم ہو سکے، توحید ہی انسان کو امن و سلامتی کی تباہی پر گامزن کرتا ہے۔

امن و آشتی کی اسی تباہی کا نام اسلام ہے۔ یہی وہ پیغام امن و نظامِ صلح و آشتی ہے جس کے پہنچانے پر آپ مامور من اللہ تھے۔ اسلام کے لفظی لغوی معنی ہیں امن و سلامتی کے ہیں۔ اور صرف لفظ و معنی ہی کے اعتبار سے کیا، سلامتی سلامت روی امن جوئی اور امن کو شئی تو اسلام کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہے اور یہ دونوں (امن اور اسلام) اس درجہ لازم و ملزوم ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، اس لئے امن اسلام ہے اور اسلام امن ہے۔

اسلام کی پوری عمارت (اساس و بنیاد سے لیکر تاج و افلاک بندوبست تک) امن و امان اور سلامتی کے نور سے مستنیر ہے۔ مثلاً اسلام کی بنیاد و اساس اس کی شرطِ اول، اس کا نقطہ آغاز ایمان ہے۔ ایمان بھی امن سے مشتق ہے علامہ راغب کے بقول "امن کے اصلی معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف نہ رہنے کے ہیں"۔ گویا امن سکون و سلامتی ہر قسم کے خوف سے نجات صلح و آشتی طمانیت و راحت کا وہ درجہ ہے جس میں کوئی آفت کوئی تکلیف رگِ جاں کو مضطرب و مرتعش نہ کر سکے۔ شمع فانوس میں اس طرح جلے کہ اس کی لو بالکل سیدھی اور مستقیم ہو اس میں کوئی لرزش نہ ہو، باہر بادِ عرصہ کے کتنے ہی جھکڑ چلیں لیکن اندر اس کے سکون و قرار میں فرق نہ آئے تو یہی سکون و قرار، یہی امن، یہی امان اور کیفیتِ ایمان ہے

کہ غارِ ج میں اٹھنے والا کوئی طوفان قرارِ جاں میں خلل انداز نہ ہو سکے۔

سچے ایمان کی علامت یہ ہے کہ جو مومن کی طبیعت میں امن پیدا کرے اور انسانوں کے بارے میں اُسے امن پسند بنائے۔ حضور ختمی مرتبت، داعی امن و اخوت کا ارتوار پہلے۔
 المسلم بن سلم المسلمون بیدہ ولسانہ، یہ بھی فرمایا کہ جب ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے سامنا ہو تو وہ السلام علیکم کہہ کر "امن و سلامتی" کے جذبات و احساسات کا تبادلہ کرے خواہ پہلا دوسرے کو جانتا ہو۔ یا نہ جانتا ہو۔ اللہ رب العالمین کا ایک نام المؤمن یعنی امن دینے والا اور ایک السلام یعنی تکلیفوں آفتوں سے بچا کر امن بخشنے والا، اسی المؤمن اور السلام ہے جو کتابِ ہدایت نازل فرمائی وہ بھی سراسر امن و سلامتی کی تعلیم دینے والی اس کی راہیں دکھانے والی ہے (بجھادی بہ القدہ من اتباع رضوانہ سبیل السلام) اللہ جس اقامت گاہ کی طرف بلا رہا ہے وہ بھی دارالسلام ہے اور مسلمانوں سے مالک الملک لائتربک نہ کا مطالبہ ہے "اور خلوفی السلام کافتہ۔۔۔۔۔ امن ہی وہ فلاح ہے جس کیلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی تشکیل، نظامِ صلوٰۃ کے ذریعہ فرمائی اور پانچوں وقت موزن سے "حی علی الفلاح" کا اعلان فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ امن و امان اور سلامتی، صلح و آشتی ہر جہت سے اسلام کا مقصد حقیقی ہے اس لئے اس کی تمام اصولی و فروعی تعلیمات میں، تمام احکام و قوانین میں یہی روح کار فرما ہے۔ ان باتوں کی علمی فنی اور اصطلاحی تشریح کیلئے اگرچہ دفتر کے دفتر درکار ہیں لیکن ان کی جامع و مانع عملی و حقیقی تصویر، اسوۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ تصویر حسین و جمیل، داعی امن و اخوت کی خود دست قدرت کی بنائی ہوئی تصویر ہے ایسی تصویر مصور نے کوئی اور نہ بنائی بقول حضرت حنانؓ

واحد منک لم ترقط عین
 واجل منک لم تلد النساء
 خلقت مبرا من کل عیب
 کانک قد خلقت کما تشاء

یہ اس داعی اعظم کی تصویر ہے وہ داعی جس کے سراپا، جس کے وجود، جس کے مزاج میں، جس کی طبیعت، جس کی فطرت، جس کی سرشت میں، جس کے خمیر، جس کے خمیر میں جس کے ظاہر جس کے باطن میں، جس کے انگ انگ میں، جس کے ہر رنگ میں بخیر امن و سلامتی کچھ

نہ تھا۔ وہ بشر، وہ منزل، وہ بسین وہ طہ، امن و سلامتی کی سوغات لیکر اٹھا تو پہلے اہل وطن کو، اہل عرب کو اس کا حصہ دیا۔ تاکہ چارنغ تلے اندھیرا نہ رہے پر مدف بہ ہرگز نہ تھا۔ وہ توساری انسانیت کو (کافۃ الناس) تمام نسلوں، تمام زبانوں کو، تمام خطوں، تمام ملکوں پر سے عالم کو دائمی امن و سکون و راحت عطا کرنے آیا تھا۔ اس کا مشن عالمگیر مشن تھا۔ اس کا فرض منصبی یہ تھا کہ چین سستی میں تا قیام قیامت، امن و عافیت کی بہار آئے اور ظلم و جبر فتنہ و فساد کے خس و خاشاک اکھاڑ پھینکے جائیں۔

اس مشن، اس فرض منصبی کی تکمیل کیلئے، داعی اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ کار وہ اختیار فرمایا جو فطری اور تدریجی تھا، چونکہ امن و سکون حیات کا مرکز اول بہ توفیق الہی، آدمی کا دل، اس کا ضمیر، اس کا باطن بدلتا ہے۔ جب طمانیت و سکینت اس کے اندرون اس کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ تب چمن ذات باہر سے بھی پھلتا پھرتا ہے اور خوشبو کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ پھر ایک فرد سے دوسرا، دوسرے سے تیسرا، پھر گھر، پھر معاشرہ پھر ملک اور پھر پورا عالم انسانی عطر بنیز سواؤں سے مہک اٹھتا ہے۔

رسول السلام نے بھی امن و سلامتی کے قیام و فروغ کیلئے پہلے افراد کو تیار کیا، ان کے دلوں کو بدلا، ان کے باطن میں امن کی جوت جگائی، بدی سے نفرت دلائی، ان کی تربیت، فرمائی ان کی اندونی کیفیت کو منقلب کیا۔ ان کے ضمیروں میں روشنی کی اور کفر و شرک اولہم و خرافات کی کدو تلوں کو دور کیا، منکرات و سیئات کی آویزش کو بدلا۔ امن و صلاح کیا۔ تب ان کی پہچان کچھ نہ رہی مگر یہ کہ سب ایک اللہ کے خاکی بندے، ان کا رنگ جلد کچھ سو۔ ان کی زبان، ان کا وطن، ان کا قبیلہ، ان کا علاقہ ان کا حسب ان کا نسب، ان کی دولت ان کی عزت، ان کا خون، ان کی نسل ان کی اصل، کوئی کچھ سو، کوئی کچھ نہ سو، ہر امتیاز، ہر عصیت کا لبوہ اترا، ایک رنگ میں اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے، ان میں نہ کوئی پست تھا نہ بالا نہ سرخ نہ کالا، نہ مقامی نہ غیر مقامی نہ عجمی نہ عربی، نہ مشرقی نہ مغربی، سب کے سب ایک اللہ کے پرستار، امن و سلامتی کے متوالے۔

غرض چند ہی سالوں کی مسمائی جمیلہ کا اثر تھا کہ ایک گروہ، ایک جماعت، ایک مجتمع الیا تیار ہو گیا جن کا ہر فرد بہترین انسانی صفات و کمالات سے آراستہ، حسن اخلاق کا پیکر، آدمیت و انسانیت کا نمونہ غیر و فلاح کا منبع اور امن و سلامتی کا سفیر بن کر ابھرا اور اسی قدسی صفت

گردہ نے فروغِ امن و اسلام کیلئے ہراول دستہ کا کام کیا ۔

۱۳ سالہ مکی دور میں یہی مقدس گردہ آفتابِ رسالت کے جلو میں محوِ سفر رہا اور ہزار موانعات بھی ان کی راہ کھوٹی نہ کر سکے ۔ جو ہمیشہ سے اندھیروں کے عادی تھے ، یعنی ان کے مخالفین مسالین — جو سحر سونے کے بعد بھی آنکھ کھولنا نہ چاہتے تھے ۔ انہوں نے بہت چالو کہ ظلم و ستم کے بادل بن کر ، سازش لالچ ، مکر و فریب ، فتنہ و فساد کی وھول اڑا کر امن و اسلام کے نیتر تاباں کی روشنی کو گہنا دیں مگر بے سود ، اب یہ وہ چراغ نہ تھا کہ جسے پھونکوں سے بجھایا جاتا ۔ (یریدون لیطفنوا فوراً اعداء باافواھم و اعداء متم نورہ و لو کرہ الکافرون) آسمان پر حقو کا خود ان کے منہ پر آیا ۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے ، مکی دور کے مبرا زماں ، روحِ فرسا ، حالات میں ایک طرف تو امن و سلامتی کے دشمنوں کا طرف ، ان کا طرزِ عمل دیکھیے اور دوسری طرف ، امن کے داعی سلامتی کے پیغمبر کا خلوص و للہیت ، ان کی رحیمی کریمی ، ان کی شفقت و محبت ، ان کی خیر و فلاح کیلئے آپ کی تڑپ ، آپ کی لگن دیکھیے ، ان پر سارا اسلام ، نغمساری ، غمخواری کی کوئی حد سے حد تھی ، مالک الملک کو گہنا پڑا ۔

لعلک باخع ، لنفسک الا یکنوا مومنین

گالیباں وہ اعداء دیتے ، دعائیں یہ خلق مجسم دیتے کانٹے وہ بچاتے ، محبت کے پھول یہ بچھا کر دیتے ، قطعِ علائق وہ کرتے ، رشتوں کو جوڑنے کی فکر یہ کرتے ، لہو لہاں وہ کرتے ان کی راحت کے لئے جاں سپاری یہ کرتے ، قدرت کے کارندے آکر اجازت طلب کرتے کہ سپاڑوں کو ملا دیں ، بستی مٹا دیں مگر داعی امن کہتا ہرگز نہیں شاید ان کی نسلوں کو روشنی کی ضرورت ہو رحمت چاہت کا یہ وہ اندازہ تھا جس کے سبب نبی الحرمین ، صاحبِ قلابِ قوسین کی کوششیں بالآخر ثمر بار ہوئیں دوست تو دوست ، دشمن بھی محبت کا دم بھرنے لگے ۔

(ادفع بالتی ہی احسن ، فاذا الذی بینک و بینک عداوۃ کانہ

ولی أحد یم)

امن و سلامتی کے فروغ کا یہی راز تھا ، دلوں کو مسخر کرنے کیلئے تلوار کا الزام دینے والے سوتج لیں ، تاریخ کیا کہتی ہے ۔

ہجرت مدینہ کے بعد امن و سلامتی کیلئے داعی اعظمؑ مونس عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششیں تیز تر ہو گئیں۔ ظلم و جہالت، بد امنی و بد حالی کا اندھیلہ مدینہ میں بھی کم نہ تھا بلکہ وہاں تو مزاجیت کے سبب افتراق و انتشار کا سایہ گہرا تھا۔ قبائلیت، عصیت و عداوت کی آگ نے ان کا سب کچھ جلا کر بھسم کر دیا تھا۔ کسی کہ جان مال عزت آبرو محفوظ نہ تھی، لڑنے لسنے والے بھی عاجز آچکے تھے مدتوں کی خوسری نے ان کے چہروں کی نشادابی، ان کی رحوں کی آسودگی چھین لی تھی۔ صلح و اشتی کے سوا ان کی کوئی تمنا نہ تھی، ہلاکت کسی وقت بھی ان کا متہربن سکتی تھی۔ اس لئے ان کی سب سے بڑی ضرورت، سب سے بڑی خواہش تھی "امن و امان" ہر قیمت پر امان!

اس صورت حال میں امن کے پیاسوں کے دیس میں، داعی امن کی سواری، باوہاری پہنچی، تو اہل مدینہ کی خوشی کا عالم، نہ پوچھیے کیا تھا، طلع البعلینا، ان کیلئے تو واقعی اندھیری بدلیوں سے بدرِ کامل نکل رہا تھا، سرورِ کونین کی راسوں میں پلکیں سچا کے بھی تسلی نہ ہوتی تھی، ان کی بے پناہ خوشی زبانِ حال سے ان کی تمناؤں کا اظہار تھا۔ تاہم قرارِ دل و جان، ہی آخر الزماں نے بھی انہیں مایوس نہ کیا، وہ پیاسے تھے ساقی کو ترانے انہیں سیراب کیا، وہ سوالی تھے شہر و سرانے نہال کر دیا۔ علامۃ نبلی کے بقول مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا فقرہ زبانِ رسالتؐ نکلا یہ تھا۔ ایھا الناس! افشوا السلام (لوگو! امن و سلامتی پھیلاؤ) پھر بستی میں پہنچ کر جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ فرمان بھی شامل تھا۔ و تحابوا بروح اللہ بینکم و آپس میں ایک دوسرے سے ذاتِ الہی کے واسطے سے پیار کرو۔ یہ اعلانات کتنے معنی خیز تھے اور آپ کے منشور کا کیسا صاف اظہار کر رہے تھے۔

مکی مدنی آقائے چند ہی ماہ میں پے درپے ایسے اقدامات فرمائے جو آناً فاناً امن کی گھا بن کے اٹھے اور بارش بن کر ساری بستی پر برسے لگے۔ مسجد نبوی کی تاسیس نے ایک مرکزِ مہر و محبت کو جنم دیا، معاہدہ مواخاۃ نے بستیوں کے فاصلے مٹا دیے، یہاں اور وہاں کے مکینوں کے دلوں کو جوڑ دیا، یہ تربیتِ باطن کے قریبے تھے، پھر ایک فرمان کے ذریعہ منشورِ مدینہ کا اجراء تاسیسِ ریاست کا سبب بن گیا، اسلامی معاشرہ، اسلامی تہذیب و تمدن کا آغاز ہو گیا، اسی فرمان کے تحت حدودِ مدینہ حرم قرار پائے۔ مدینہ حرم ہو گیا یعنی جس کی اونچ اونچ زمین محترم ہو گئی، اس زمین سے نہ کوئی بودا اکھاڑا جائے نہ درخت کاٹے جائیں، نہ دنیا کا فساد، نہ جدال و قتال، ہتھیار اٹھانا، کسی شخص کو گزند پہنچانا، بد امنی کی کوئی تحریک، صلح و اشتی

کے منافی کوئی سرگرمی ناقابلِ برداشت ہو گئی، اس کی اخلاقی گرفت بھی سختی قانونی بھی، مدینہ کا دفاع بھی محترم، ناقابلِ تسخیر، یہ معمولی فتوحات نہ تھیں۔

واذکرو انعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمۃ اخوانا وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم
مہذا - ۳/۱۰۳

اُس سرزمین پر اس ماحول میں یہ بہت غیر معمولی اقدامات تھے جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف امن کا ڈنکا بجنے لگا، یہود، منافقین، کفار و مشرکین اور دوسرے تمام شوریدہ سرغناصر کی اولوالعزمیوں کا خاتمہ ہو گیا اور کسی میں اتنا ختم نہ رہا کہ امن و سلامتی کے انتظامات ریاست نبویؐ میں خلل انداز ہو سکیں۔ یہو مدینہ کو اپنے کر قوت کے سبب مدینہ سے خود نکلتا پڑا، منافقین نے تمام تر سازشوں کے باوجود منہ کی کھائی، کفار بت پرست، مشرکین اور دوسرے بدوی سرکش قبائل نے جب بھی طاقت کی بنیاد پر امن و امان غارت کرنا چاہا ان کا خاطر خواہ دفعہ کر دیا گیا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو خدا کی زمین پھر سے فتنہ و فساد سے بھر جاتی (ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض) اللہ کی بندگی مشکل ہو جاتی اور آگ و خون کے سمندر سے گزر کر امن و سلامتی کے جو خیر سے بنائے گئے تھے ویران ہو جاتے (ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد) داعی اسلام نے کسی مرحلہ پر بھی امن جوئی اور امن کوئی کو ترک نہیں فرمایا۔ مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے قبائل سے معاہدے بلکہ مشرکوں تک سے صلح، امان ناموں کا اجراء وغیرہ ایسے اقدامات تھے جن کے سبب امن و امان کی برکتوں کو سرزمین عرب کے دور و راز علاقوں تک پھیلا دیا گیا، بلکہ عرب سے بادشاہان عالم کو بھی امن و سلامتی کی دعوت پیش فرمائی۔

شہد کو امن و امان کے حوالہ سے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مکہ اسی سال فتح ہوا، وہی مکہ جو داعی امن و اخوت کا مولد و وطن تھا، جہاں حادثی عالم نے امن و سلامتی کی پہلی صدابند کی، جہاں کی زمین، سرورِ عالم اور ان کے جانثاروں پر تنگ کر دی گئی تھی، وہی مکہ جہاں امن کے دشمن، قاتلِ ظالم سفاک ستھتے تھے جو بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا، یورپ سے عرب کا قبیلہ جان و امان وہیں تھا۔ وہی مکہ فتح ہو گیا، سرنگوں ہو گیا لیکن اس طرح کہ نہ خون بہا، نہ عصیتیں لٹیں، نہ گھر جلے گئے نہ غارت گری کا

باز اگر مہوا، نہ لاشوں کے انبار، نہ کھوپڑیوں کے مینار، نہ نقاسے نہ شادیاں اور تو اور بدترین دشمن کا گھر بیت الامان ٹھہرا۔ یہ فتح انوکھی فتح تھی، فاتحانِ عالم متحیر، نافہ انگشت بنداں، مفتوح حیراں، سارا مکہ صحنِ کعبہ میں سمٹ آیا تھا، امن و سلامتی کے دشمن، اسلام کے اعدا سب لرزاں ورساں، شہِ ام کے فیصلے کے منتظر تھے، اپنے کرتوتوں، اپنی چیرہ دستیوں کا ایک ایک لمحہ انہیں یاد آ رہا تھا۔ انہیں جتنی سنا بھی ملتی کم ہوتی، وہ خود بھی متوقع تھے۔ مگر جو فاتح مکہ نہیں فاتحِ زمانہ بننے آیا تھا، اس نے نہ فرد جرم پر کھڑا کیا، نہ ظلم و ستم کی کہانی دہرائی، نہ ظننہ، نہ خنہنہ زاد، نہ خشکیں لگا ہوں سے دیکھا، نہ تیوری چڑھائی، نہ فخر نہ غرور نہ شان نہ نمکنت، نہ دشواری نہ تنہید نہ خوشامد، نہ تروید، نہ زور و شور، کچھ بھی تو نہ کیا بس ایک جملہ میں کائنات ادھر کی ادھر کر دی۔

لا تشریب علیکم الیوم اذ ہبوا فانتم الطلقاء (آج تم پر کوئی الزام نہیں، یہ سب معاف، جاؤ تم سب آزاد ہو)۔

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ!

فتح مکہ کا مطلب فتحِ عرب تھا، کیونکہ کفر و ظلم جہاں کہیں بھی تھا اس کی نگاہیں مکہ پہ لگی تھیں اس مرکزِ پراس کی قوت پر سہی کو ڈر امان تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک اس کا جھنڈا لہرا رہا ہے مات نہیں ہو سکتی۔ لیکن اب تو مکہ فتح ہو گیا تھا۔ ضم خانہ کعبہ کا جھنڈا سڑنگوں ہوا، توجید کا پرچم لہرانے لگا۔ اس لئے فتح مکہ کے ساتھ ہی گویا پورا عرب دامنِ رسالت پناہ، علیہ التجدید والصلوة میں آگیا، یہاں تک کہ وہ سال کے کچھ ہی فرق سے عرب کا ہر علاقہ پر پرچمِ مسطفوی لہرانے لگا اور چہرہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا۔

شہِ مکہ پہنچے پہنچتے، حضورِ ختمی مرتبت، داعیِ امن و اخوت، علیہ الصلوٰۃ والتجدید لاشنِ تمام و کمال پورا ہو گیا، اور خدا کی مرضی دنیا میں بھی اسی طرح پوری ہونے لگی جس طرح آسمانوں پر سوتی ہے۔ امن و امان اور صلح و اشتی کا چین آراستہ ہو گیا اور اپنی عطر بندلیوں سے فضائے عالم کو معطر کرنے لگا۔ یہ داعیِ امن، صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی معراج تھی۔ صاحبِ معراج کے اس کارنامے پر کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ تھا اور حجتہ الوداع میں ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا مجمع بھی بیک زبان اقرار کر رہا تھا۔ لشہد انک قد اذیت الامانة وبلغت الرسالة و نصحت ایمان، اسلام قرآن، دین و شریعت کی تکمیل ہوگی، قابلِ ذکر یہ ہے کہ یہ تکمیل امن و امان کے حوالہ سے، ان شہری اصولوں پر ہوئی۔

● لوگو تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

● کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔

● تمہارا خون اور تمہارا مال، تمہاری عزت و ابر و ایک دوسرے پر حرام و محترم ہے۔

● دیکھو میرے بعد کہیں گمراہ نہ سو جانا کہ آپس ہی میں گردنیں مارنے لگو۔

● لوگو میری بات سمجھ لو، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ دی

● جارح ہوں کہ اگر اس پر قائم رہے تو کبھی نہ گمراہ ہو سکو گے یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت،

● خوب سن لو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز نیچکانہ ادا کرو، رمضان کے روزے

رکھو، مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دیا کرو، خانہ خدا کا حج ادا کرو اپنے حکام کی اطاعت

کرو اور اس طرح اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

مولای صل وسلم دائماً ابداً علی حبیب خیر الخلق کلہم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت

پروفیسر حافظ خالد محمود رندھی، ڈیرہ اسماعیل خان

بِسْمِ اللّٰهِ وَلَهُ الْحَمْدُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت اس مرتبہ سیرت کانفرنس کا
موضوع ہے۔

شان نزول

عنوان بالا کیلئے سورۃ انفال کی جو آیت تشریف تجویز کی گئی ہے اس کے شان نزول کے بارے
میں سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں فرماتے
ہیں۔

ترندی اور نسائی میں بروایت حضرت ابوہریرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک روز ابی بن کعب کو بلایا۔ ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے۔ جلدی جلدی نماز پوری
کر کے حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر آنے میں دیر کیوں لگائی، ابی بن
کعب نے عرض کیا کہ میں نماز میں تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا
”اسْتَجِیْبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ“۔ ابی بن کعب نے عرض کیا آئندہ اس کی اطاعت کروں گا
اگر بحالت نماز بھی آپ بلائیں گے فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔

مسائل:

اس حدیث کی بنا پر بعض فقہانے فرمایا کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نماز میں جو کام بھی کریں اس سے نماز میں حلال نہیں پڑتا اور بعض نے فرمایا کہ اگرچہ خلاف نماز افعال سے نماز قطع ہو جائیگی اور اس کی بعد میں قضا کرنا پڑے گی۔ لیکن کڑی چاہیے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں اور وہ نماز میں بھی ہو تو نماز کو قطع کر کے تعمیل حکم کرے۔

یہ صورت تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے لیکن دوسرے ایسے کام جن میں تاخیر کرنے سے کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو اس وقت بھی نماز قطع کر دینا اور پھر قضا کر لینا چاہیے جیسے کوئی نمازی یہ دیکھے کہ نابینا آدمی کنویں یا گڑھے کے قریب پہنچ کر گرا چاہتا ہے تو فوراً نماز کو توڑ کر اس کو بچا لے۔ نیز وہ حیات (زرگی) جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا اس میں کئی احتمال ہیں اس لئے علماء تفسیر نے مختلف اقوال اختیار کیے ہیں۔ سعدی نے کہا ہے کہ وہ حیات بخش چیز المیاء ہے کیونکہ کافر مردہ ہے۔ قتادہ نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے جس میں دنیا و آخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے۔ مجاہد نے فرمایا کہ وہ حق ہے۔ ابن اسحاق نے فرمایا کہ مراد اسی سے جہاد بے حس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت بخشی اور یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں اور مراد یہ ہے کہ ایمان یا قرآن یا انبیا حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ کے درمیان جو غفلت و شہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کر لے۔

مولانا آزاد کی تفسیر:

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں اس آیت کا ترجمہ و تشریح یوں کرتے

ہیں:-

ترجمہ: مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں درد عانی موت

کی حالت سے نکال کر، زندہ کر دے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اس لئے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے یعنی وہ انسانیت اعلیٰ کے اتباع و قیام کی دعوت ہے۔ غور کرو اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا تھا؟ اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہو گا کہ عرب کے سارے بزرگ، عمر، علی، عائشہ، خالد بن ولید، ابن عباس (رضی اللہ عنہم ورضی عنہ) جیسے اکابر عالم پیدا ہو گئے اور پچاس برس کے اندر کرہ ارض کی سب سے بڑی مہذب اور اشرف قوم عرب کے وحشی تھی را۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اپنی تفسیر و تہذیب قرآن میں اسی آیت کی تشریح اس طرح رقم فرماتے ہیں۔

فرمایا کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہو اس نے کہ اس سے تمہیں حقیقی اور جاواں زندگی حاصل ہو گی۔ سیدنا مسیح نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا کہ انسان رومی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔

امن عالم کیلئے خطرات و تہدیدات

آج امن عالم کو عموماً اور عالم اسلام کو خصوصاً جن خطرات و تہدیدات کا سامنا ہے وہ درج ذیلہ

ہیں :

- ۱۔ مذہبی منافرت
- ۲۔ وطنیت اور نسلی عصبیت
- ۳۔ سرداری اور اشتراکیت
- ۴۔ تیسری عالمی جنگ کا خوف

مذہبی منافرت: مذہب کے نام پر بھی جو دنیا میں امن و آشتی کا پیغام تو ہوتا ہے کہ مذہب نہیں سکھانا آپس میں سیر رکھنا۔

۵۹ : ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۵۹

۶۲ : تہذیب قرآن صفحہ ۲۵۸۔

جنگ و جدل کے معرکے گرم ہوتے رہتے ہیں۔ داعی امن و اخوت کی بعثت کے وقت بھی فضا میں ان نعروں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ بتوں علامہ سیدہ سلیمان ندوی۔

ہندوستان کے ریشیوں اور مینوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کیلئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی ان کے نزدیک پر مشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا۔ خدا کی رہنمائی وہ آریہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کیلئے مخصوص تھا۔ زردشت خاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سنتا تھا۔ بنی اسرائیل اپنے خاندانوں سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے (ان کا دعویٰ تھا وفن ابناء اللہ و اعیان) یہ پیغام محمدی ہی ہے جس نے یورپ، پچھم انا و مکن ہر طرف خدا کی آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کیلئے ملک، قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہیں ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری گونجی اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا۔ ع

آج جو معاشرے میں فساد برپا ہے وہ اس ندہی مسافرت کی بدولت ہر عالم دین نے دوچار علماء نام نہاد اور شاگردوں کو ساتھ ملا کر اپنی ایک جماعت بنالی ہے اور وہ ہر معاملے میں اپنی رائے پر چلتا ہے اور دوسروں کو اس پر چلنا پڑتا ہے۔ دوسروں کی راستے کا احترام میں وہ اپنی نشان خیال کرتا ہے۔ محض یہ کہہ کر سہارا طریق عمل / طریقہ کار ان سے جدا ہے وہ دوسروں کے پیچھے چلنے سے اپنی جان چھڑالتا ہے۔ حالانکہ اسلام اسے تفرقے سے تعبیر کرتا ہے۔

یہی حال ہمارے سیاسی زعماء کا ہے کہ ہر سیاسی رہنما نے دوچار سیاسی ورکرز کو ساتھ ملا کر اپنی ایک سیاسی جماعت بنالی ہے حالانکہ انتخابات میں سے ایک بھی نشست نہ ملے۔ اسی جماعت سازی نے پاکستان کے عوام کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ان میں الفت و محبت کے جذبات پھرا بھرنے کی بجائے باہمی عداوت اور نفرت کے بیج بوئے ہیں۔

وطنیت اور عصیت

دوسرا خطرہ جو ملک و ملت کو درپیش ہے وہ وطنیت اور عصیت پرستی کا عفریت ہے، علامہ اقبال کا شعر ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیر بن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

عصیت کی تعریف:

علامہ ابن منظور لسان العرب میں تعصب اور عصیت کی تعریف یوں کرتے ہیں۔
التعصب أن يدعوا الرجل إلى نصر عصبه وأكثال
معهم على من يناديهم ظالمين كانوا أو مظلومين ۱
ترجمہ: تعصب کا لفظ عصیت سے ماخوذ ہے۔ عصیت اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے
عصبات (عصبہ کی جمع ہے عصۃ کا لفظ بیٹے، بھائی، چچا وغیرہ کیلئے مستعمل ہے اور
یہاں دور نزدیک کے رشتہ دار اور ہم قوم لوگ مراد ہیں) کی حمایت کی تائین کرے اور ان کے
دشمنوں کے خلاف نثر انگیزی اور فساد پر لوگوں کو اکٹھا کرے بغیر یہ دیکھے کہ اس کی قوم حق
بجانب ہے یعنی مظلوم ہے یا ظالم۔

احادیث شریفہ میں عصیت اور تعصب کی تعریف ملاحظہ ہو۔ حضرت واثلہ بن اسلم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

یا رسول اللہ! ما العصبیہ! قال! تعین قومک علی الظلم ۲
ترجمہ: یا رسول اللہ! عصیت کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا عصیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی
ظلم میں مدد (حمایت کرو)۔

ایک اور حدیث شریفہ میں سرور دو عالم نے عصیت کو اندھا پن اور گمراہی سے تعبیر کیا فرمایا!
من نصر قومه علی غیر الحق فهو کالسبعیر الذی ردی
فهو یبترع بذنبہ ۳

ترجمہ: جو شخص اپنی قوم کی ظلم میں معاونت کرے وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو گہرے گڑھے
میں جا گرے اور دم پکڑ کے باہر نکالا جائے۔

- ۱۔ لسان العرب، جلد ۱ صفحہ ۶۰۶
- ۲۔ سنن البیہی داؤد، کتاب الادب باب فی عصبیہ
- ۳۔ ایضاً

ایک حدیث میں عصیت کو جاہلیت سے تعبیر فرمایا اور اس کی خاطر جان دے دینے کو جاہلیت کی موت قرار دیا ہے۔ فرمایا !

من قتل تحت رایہ عصبه یدعوا عصبیة او ینصر عصبیة
فقتله جاہلیہ ۱

ترجمہ ! جو شخص جاہلیت کے جذبے تلے قتال کرے اور تعصب کی دعوت دیتے ہوئے یا عصیت کی حمایت کرتے ہوئے مارا جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ یہاں تک کہ عصیت پرستی کو ہوا دینے والوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے۔

لیس منا من دعا الی العصبیة ولیس منا من قاتل عصبیة ولیس منا من
مات علی عصبیة ۲

ترجمہ ! جو شخص عصیت (جاہلیت) کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص تعصب کی خاطر قتل کرے وہ بھی ہم میں سے نہیں اور جو شخص کی موت مرے وہ بھی ہم میں نہیں۔

ترندی کی ایک حدیث میں تو یہاں تک فرمایا !

من دعا دعوی الجاہلیہ فانہ من حبشی جہنم فقال رجل
یا رسول اللہ وان صام وان صلی قال وان صام وان صلی ۳
ترجمہ ! جو شخص جاہلیت کی دعوت دے وہ جہنم کا ایندھن ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا
یا رسول اللہ چاہے وہ روزہ رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہو ! آپ نے فرمایا ! ہاں چاہے
وہ روزہ دار ہو نمازی ہی کیوں نہ ہو۔

ان روایات کے ہوتے ہوئے اگر کوئی اسلام کا دعویٰ کرنے والا مسلمانوں میں نفرتیں پیدا کرے
انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے اور انہیں ایک دوسرے کے مقابل صف آراء
کرے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس بڑا مجرم کون ہو سکتا
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعصب اور عصیت پرستی کو اسلام نے انتہائی مبغوض فعل قرار دیا ہے
یہ دین محمدی کے خلاف ایک سازش ہے اور اسلامی معاشرے کیلئے انتہائی تباہ کن عمل
ہے۔ اسی لئے داعی امن و اخوت نے اس کے بارے میں بڑے واضح اور دو ٹوک الفاظ

فمنوه ولا تکنوه ۶

ترجمہ! جو کوئی بھی عصیت کی دعوت دے اس کی کھلی مخالفت کرو اور کنایہ سے کام نہ لو۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت

سرمایہ داری | سرمایہ داری بھی امنِ عالم کیلئے ایک بہت بڑا خطرہ بنی ہوئی ہے بلکہ تمام فتنہ و فساد کی جڑ، بنیاد یہی ہے۔ ساہوکاروں کی مجلسِ نشاط کا سا غرا حمریں ہمیشہ غریبوں اور مزدوروں کے خون سے تیار ہوتا رہا ہے، لیکن آج کے ساہوکاروں نے ایسے شہکنٹے ایجاد کئے ہیں سرمایہ سمیٹنے کے کہ وہ مزدوروں کے خون کا آخری قطرہ تک بچوڑ لینا چاہتے ہیں، بقول اقبالؒ

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں دراصل قومیت پرستی کے ہی مہلک نتائج ہیں۔

سرمایہ داری کی ابتداء | محمد قطب شہید اپنی کتاب ”شہیدیات حول الاسلام“

میں لکھتے ہیں، -

”سرمایہ داری نظامِ یورپ کی پیداوار ہے، یہ مشین کی ایجاد کا نتیجہ تھا جو اتفاق سے یورپ میں ایجاد ہوئی اور وہیں سے دنیا کے باقی حصوں میں پھیلی۔۔۔ ماہرینِ معاشیات کے درمیان اسی بات پر اتفاق رائے ہے یہاں تک کہ کارل مارکس جیسے سرمایہ داری کے شدید دشمن بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی دور میں سرمایہ دارانہ نظام سے انسانیت کو بڑا فائدہ پہنچا اور دنیا اس کی بدولت ترقی کی نئی منزلوں سے آشنا ہوئی، مادی پیداوار میں اضافہ ہوا، وسائلِ نقل و حمل بہتر ہوئے اور وسیع پیمانے پر قومی وسائل کا استعمال عام ہوا اور مزدوروں کا معیارِ زندگی پہلے سے جبکہ ان کا تمام تر در و مدارِ زراعت پر تھا کہیں

زیادہ بلند ہو گیا۔

خرابی کا آغاز

مگر سرمایہ داری کا یہ دور جلد ہی ختم ہو گیا۔ اس کے نظری ارتقا کے نتیجے میں دولت بتدریج سمٹ کر چٹ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آگئی اور غریب اور مزدور اپنی جائیداد اور دولت غرض سب کچھ سے محروم ہو گئے اس سے سرمایہ داروں کو سستے مزدور حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہو گئی۔ جنگی محنت و مشقت کے طفیل ان کی دولت اور تجارت میں بے تحاشا اضافہ ہوا، اس کے باوجود انہوں نے مزدور (جو اشتراکیوں کے نزدیک مادی پیداوار میں اضافہ کے اصل ذمہ دار ہوتے ہیں) کی اجرتوں میں کوئی اضافہ نہ کیا۔ ان کی اجرتیں اب بھی اتنی کم تھیں کہ اس میں ان کیلئے معقول زندگی گزارنا ناممکن ہی نہ تھا، ان کی بچت کا حاصل سرمایہ دار تنہا لیتے۔ اور اپنی عیالیتوں اور خرمستیوں میں اڑا دیتے۔

مہلک نتائج

مزدوروں کے ان قلیل معاوضوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار ممالک کے باشندوں کی قوت خرید گھٹ گئی اور ان کا تیار کردہ سامان یوں ہی پڑا رہنے لگا۔ چنانچہ سرمایہ داروں کو اپنا مال فروخت کرنے کیلئے نئی منڈیوں کی تلاش ہوئی، اس تلاش نے نوآبادیاتی نظام نیز منڈیوں اور خام مال کے بارے میں بین الاقوامی رکابتوں کو جنم دیا اور بالآخر معاملہ اپنے ناگزیر منطقی نتیجے میں تباہ کن جنگوں تک پہنچا۔

سرمایہ داری کی دو بنیادیں

سودی بینک اور سودی قرضے، ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام جب سے اپنے ابتدائی ”دورِ خیر“ سے نکل کر موجودہ ”دورِ شر“ میں داخل ہوا ہے قومی قرضوں پر اس کا انحصار بہت بڑھ گیا ہے چنانچہ بینک قائم ہو سکے اور انہوں نے مالی کاروبار اس طرح استوار کیا کہ وہ سبھاری سود پر حکومتوں کو قرضے دینے لگے، یہ قرضے اور بینکوں کا زیادہ تر کاروبار سود کی اساس پر چل رہا ہے۔ جس کی اسلام نے واضح اور بین الفاظ میں ممانعت کی ہے، ارشادِ ربانی ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

ترجمہ! اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو سود و در سود (سود مرکب) نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو

تاکہ تم فلاح پاؤ، ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے ۔
 يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُغْفِرُ الصَّدَقَاتِ
 ترجمہ : اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے (جو اسلام کا میگنا کارتا ہے) میں فرمایا، پیارے
 نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے!

الاكل شيء من الجاهلية موضوع تحت قدمي جزان كل
 رباً موضوع ولعكروا من اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون
 قضی اللہ الہ لارباعہ -

ترجمہ : خبردار تمام امور جاہلیت میرے ان قدموں کے نتیجے پا مال ہیں اور ہر سودی معاملہ
 کالعدم ہے اور تمہیں اصل زر لینے کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم
 کیا جائے، اللہ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

دوسری بنیاد، اجارہ داری | سرمایہ دارانہ نظام کی دوسری بنیاد شدید کاروباری مباحث

و منافست ہے جس کے نتیجے میں چھوٹے چھوٹے کاروباری ادارے ختم ہو جاتے ہیں یا پھر
 سب مل کر بڑے بڑے کاروباری ادارے قائم کر لیتے ہیں تاکہ دوسرے اداروں سے مقابلہ
 کر سکیں، اس سے اجارہ داری (MONOPOLY) جنم لیتی ہے۔ اسلام اس کا بھی
 شدید مخالف ہے۔ اس بارے میں سرور کوثرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات
 ہیں فرمایا!

من احتكر فهو خاطئ " اجارہ داری کرنے والا گناہگار ہے۔

المجالب مزروق والمستكر ملعون -

ترجمہ : وہ شخص جو اشتیاء ضرورت کو روکتا نہیں بلکہ وقت پر بازار لاتا ہے، اللہ سے رزق
 دے گا اور احتکار کرنے والا لعنت کا مستحق ہے۔

اسلام سرمایہ داری کی ان دونوں بنیادوں کا شدید مخالف ہے پھر بھی اشتراکیت کے
 دعویدار اسلام کو سرمایہ داری کا حامی ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں حالانکہ
 سرمایہ داری اسلام کے زیر سایہ آجائے تو اس کے موجودہ "دورِ شر" کی خرابیاں ہم معنی
 بن کر رہ جائے۔ یہ سارے مفاسد اس سے دور ہو جائیں اور یہ محبم خیر بن جائے۔

اسلام کا اصول | سرمایہ دار کے منافع میں مزدور کی حصہ داری کا اصول (جس کے

متعلق اشتراکیت کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کا پیش کردہ ہے۔ اسلام نے وضع کیا۔ امام مالکؒ تو مزدور کو سرمایہ دار مالک کے ساتھ منافع میں برابر کے حصہ کا حق دار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ منافع کمانے میں جتنا حصہ سرمایہ دار کے سرمایہ کا ہے اتنا ہی مزدور کی محنت شافہ کو بھی دخل ہے لہذا ان کے خیال میں دونوں کا منافع میں مساوی حصہ ہونا چاہیئے۔

اسلامی فقہ کے اسی اصول سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے معاشرتی انصاف (بالفاظ دیگر معاشرتی امن) کے قیام کی ضرورت پر کس قدر زور دیا ہے، لیکن اسلام میں معاشرتی انصاف کے قیام کا یہ داعیہ کسی مادی ضرورت، مجبوری یا طبقاتی کشمکش کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوا تھا جس کے بغیر بعض لوگوں کے نزدیک بہتر معاشی روابط و تعلقات ممکن ہی نہیں بلکہ اسلام نے تو پر امن بقایا باہمی کی دعوت دی ہے، وہ تو طبقاتی کشمکش کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا۔

مزدور کی محنت شافہ کو چونکہ سرمایہ دار کے منافع میں دخل ہوتا ہے اس کیلئے اس کا منافع میں حصہ تو فطری بات ہے اسلام نے تو ان لوگوں کو بھی اس کی کمائی میں حصہ دار ٹھہرایا ہے جو کسی وجہ سے کسب معاش کی بے رحم دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔
انما صدقات للفقراء والمساکین کی رو سے

اشتراکیت |

اشتراکیت، جدلی مادیت (Dialectical Materialism) میں اعتقاد رکھتی ہے اس کے نزدیک تضاد کی کشمکش یعنی مزدوروں اور سرمایہ داروں کی طبقاتی کشمکش ہی وہ پراسرار اور موثر عامل ہے جو انسان کی تمام اقتصادی اور مادی ترقی کا اصل باعث ہے، یہ ایک خالص مادہ پرستانہ نظریہ ہے Engels کہتا ہے۔ ”مادی ہی زندگی کی واحد حقیقت ہے“ کارل مارکس لکھتا ہے۔ انسان کی سماجی سیاسی اور ذہنی زندگی ایسی ہی بنتی ہے جیسی کہ مادی حالات و واقعات

اس کو بناتے ہیں، انسانی شعور اپنے معاشرتی حالات و واقعات کو پیدا نہیں کرتا بلکہ معاشرتی حالات و واقعات انسانی شعور کو وجود میں لائے ہیں۔

اسلام کا نکتہ نظر | اسلام کا نظریہ اس باب میں یہ ہے کہ انسان ایک آزاد ارادے

اور اختیار کا مالک ہے اور سوائے خدا کے بزرگ و برتر کی مشیت کے اور کسی تابع فرمان نہیں ہے، کائنات کی سب چیزیں تو انسان کی خدمت کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔
 وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً منه ط
 (الباقیہ : ۱۳)

ترجمہ : اور جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ان سب کو اس (خدا) نے تمہارے لئے مسخ کر دیا، اس بات کو علامہ اقبالؒ نے کس حسین پیرائے میں بیان کیا ہے۔

تقدیر کی پابند نباتات و جمادات

مؤمن فقط احکام الہی کا ہے پابند

یوں اسلام اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اختیار اور قوت کے لحاظ سے دنیا میں انسان کا مقام بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور یہاں کی باقی ساری چیزیں اس کی خادم ہیں۔ اس کی ترقی جلی ماریت کے کسی قانون اور اصول کی کبھی پابند نہیں رہی ہے باوجودیکہ اس کا جسم مادی ہے اور وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اس کی روح اور فکر کی پرواز لامحدود ہے چنانچہ اس کی بنیادی انسانی ضروریات بھی بقول کارل مارکس صرف خوراک، مکان اور جسمی آسودگی ہی تک محدود نہیں ہیں یہ انسانیت کا پست ترین تصور ہے۔ ۱

۱۔ قارئین نامعلومات کے ایک مقالہ نگار (E. H. F. Tourlitz) نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء (Evolution Theory) کی تردید میں مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ معالجہ دماغی کے ماہر کارل اسپیرن کے بیان کے مطابق نوع انسانی کو جن تین سب سے بڑی دھکیلوں یا تبدیلیات کا سامنا ہے ان میں سے ایک نظریہ ارتقاء ہے اور یقینہ دو ہیں۔ مارکسزم اور فریڈلڈزم۔

(Encyclopaedia of Ignorance P-228 Oxford - 1978)

معاشی نظاموں کے اساسی اصول | کسی معاشی نظام کو ان سماجی نظریات

سے الگ نہیں کیا جاسکتا جن پر اس

کی عمارت اٹھتی ہے۔ موجودہ دور میں رائج تین اہم معاشی نظاموں میں سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان تینوں میں معاشی نظام اور ذاتی ملکیت کے بارے میں ان کے نظریے کا ان کے مخصوص سماجی پس منظر سے گہرا تعلق ہے۔

سرمایہ داری | سرمایہ دارانہ نظام کے نزدیک فرد کی ذات مقدس ہے اور اس کا تقدس

کسی صورت میں بھی پامال نہیں ہونا چاہیئے اور نہ اس پر کسی قسم کی سماجی پابندیاں ہونی چاہئیں یعنی وہ بے قید ذاتی ملکیت کا حامی ہے جس پر وہ کسی قسم کا کوئی قدغن برداشت نہیں کرتا۔

اشتراکیت | اس کے برعکس اشتراکیت کسی قسم کی ذاتی اور نجی ملکیت کے حق

کو تسلیم نہیں کرتی بلکہ تمام ذرائع پیداوار کا مالک حکومت کو قرار دے کر ہر قسم کا مال، املاک بحق سرکار ضبط کر لیتی ہے، اس کے نزدیک "اجتماع" سے الگ آزاد فرد کا کوئی وجود نہیں اس لئے افراد کو ذاتی ملکیت کا کوئی حق نہیں۔

اشتراکی تجربے کی ناکامی | اشتراکیت کا دعویٰ ہے کہ لوگوں میں مساوات قائم کرنے کیلئے

ذاتی ملکیت کا خاتمہ ناگزیر ہے کیونکہ صرف اسی طرح انسان کو اپنے جیسے انسانوں کی محکومیت اور غلامی سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔ روس میں پہلے تو ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار میں کمی ہوئی تو روسی حکومت کو محدود ملکیت کی اجازت دینا پڑی۔ اس ٹائٹل کے عہد میں حکومت کو زائد کام کرنے کیلئے مزدوروں کو زائد اجرتوں کا لالچ دینا پڑا تھا اور اس طرح اس نے مزدوروں کی ہجرتوں میں یکسانیت اور ذاتی ملکیت کے جذبے کے بغیر فطرتی ہونے کی عملاً خود ہی نفی کر دی۔ نیز اشتراکیت کے سراسر غیر فطرتی نظریے کو لوگوں پر جبراً ٹھونسنے کا روسی تجربہ بھی عملاً ناکام ہو چکا ہے۔ افغانستان سے اس کے اپنی فوجیں واپس بلانا پڑی ہیں اور شنگھائی سے بھی روسی فوجوں کی واپسی شروع ہو گئی ہے۔ یہ پسپائی اس نظریے کی ناکامی

کی بین دلیل ہے اور ایک دن آئے گا، انشاء اللہ کہ یہ نظریہ اپنی موت آپ مر جائے گا، اور صفحہ سہستی سے بالکل معدوم ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔
 اھم یقسمون رحمت ربک انھن قسمنابینھم معیشتھم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض ورجت لیلتخذ بعضھم بعضا سمخو یا ط

ترجمہ ، کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں ؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے خدمت میں رہے ۔

معاشی درجہ بندی اللہ جل شانہ نے اس لئے مخلوق میں رکھی کہ انسان ایک دوسرے سے بے نیاز ہو جائیں ۔ بلکہ ایک دوسرے کے کام آئیں مگر سب مرد و عورتیں شہزادے اور شہزادیوں بن جائیں تو پھر پانی کون بھر کر لائے گا ۔

اسلام | اسلام کا نظریہ اجتماع اس معاملے میں مختلف ہے جس کی وجہ سے اس کا معاشی نظام بھی ان دونوں نظاموں سے مختلف ہے ۔ جہاں تک فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق کا سوال ہے ۔ اسلام کے نزدیک فرد کس بیک وقت، دو حیثیتیں ہیں ۔ انفرادی حیثیت اور معاشرتی حیثیت فرد بیک وقت آزاد بھی ہے اور ایک معاشرے کا رکن بھی ، اسلام ایک طرف تو فرد اور اجتماعی رجحانات اور دوسری طرف فرد اور دوسرے افراد معاشرہ کے مفادات کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتا ہے مگر اس ہم آہنگی کی خاطر وہ نہ فرد کے مفاد کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ اجتماعی بہبود کو صرف نظر کرتا ہے ۔

اسلام ایک خوش گوار نقطہ اعتدال ، اسلام کا معاشی نظام توافقی اہم آہنگی کے اس تصور پر قائم ہے جو

نبرا ، تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۳۶۰ سے لیا ۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کی دو انتہاؤں کے درمیان ایک خوش گوار نقطہ اعتدال ہے۔ اس میں دونوں نظاموں کی خوبیوں کو موجود ہیں مگر ان کی خامیوں سے اس کا دامن پاک ہے۔ یہ اصولی طور پر ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے مگر اس کو ایسی پابندیوں یعنی اتفاق کی ترغیب اور حقوق العباد کی ادائیگی سے محدود کرتا ہے جو اس کو بے ضرر بنا دیتی ہیں۔ دوسری طرف اسلام حکمران اور معاشرے کو اجتماع کا نمائندے ہونے کی حیثیت میں ذاتی ملکیت کی تنظیم کی خاطر ضروری قوانین بنانے اور معاشرتی بہبود کیلئے ان میں حسب ضرورت تغیر و تبدل کرنے کا بھی پورا اختیار دیتا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ اپنے مضمون سیرت نبویؐ کا پیغام مصر حاضر کے نام میں رقمطراز ہیں۔ اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ صرف بین پروری اور جو اس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں (Absolutes) کا انکار کر دیا گیا ہے۔ لہذا اخلاقی اقدار ختم ہو گئی ہیں۔ لہذا جہننوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا۔ اس سے وہ معاشرتی اور انفرادی ^{ANARCHY} اناورگی نمودار ہوئی ہے۔ جو مغرب میں عرمانی جنس پرستی اور "انگری بوائے اور باربرک ڈرل" جیسی کج روی کو جنم دے رہی ہے اب زندگی چونکہ تعیش کا دوسرا نام ہے اس لئے دولت پرستی اور زراعت و زری (سرمایہ داری یا تکاثر)، واحد مقصد حیات بن گیا ہے چنانچہ اس کے نتیجے میں استعمار و استحصال عام ہو کر اب دنیا رقابتوں کا مرکز ہے اور دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

قرآن مجید نے تکاثر، اسراف و طرف کی سختی۔ مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہو گئی تو اسے تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے توسط کی زندگی کو اپنانا ہوگا اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانہ روی ہی اقوام کا ضروری معاشرتی معاشرہ بنانا پڑے گا۔

عالمگیر جنگ کا خوف

مصر حاضر کے امن کو چوتھا اور سب سے بڑا خطرہ

جو درپیش ہے وہ تیسری خوفناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف ہے۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگوں سے جو ہولناکیاں اور تباہیاں کر رہی ہیں اس کا جیتا جاگتا ثبوت

ہے۔ جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی میں جہاں اب بھی جوئل انسان پر ایسے ہی ہتھیاروں کے اثرات آج بھی محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

جنگ کا مقصد | جدید اصول قانون میں حکومت کے تمام ترین فراسف و وقار دیئے گئے ہیں، جنگ اور عدل گتتری، ماہرین عمرانیات قیام امن کیلئے جنگ کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے یکن دنیا میں جنگ کا مقصد محض جوع الارض کی تسکین اور شیرپور بننے کا جنون ہے۔ روس اور امریکہ کے اسی جنوں نے دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اور گاہے گاہے یہ کسی چھوٹے ملک پر اس ملک کی حفاظت کے بہانے لشکر کشی کر کے دنیا میں اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں لیکن امریکہ کو ویٹ نام میں اور روس کو اف نستان میں منہ کی کھانا پڑی ہے۔ ہمارا ہمایہ بھارت بھی انہی کے نقش قدم پر گامزن ہے۔ بنگلہ دیش اور سری لنکا میں بھارت کی فوجی مداخلت اس بات کی غماز ہے کہ وہ جنوبی ایشیا میں بڑی طاقت بننے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ روس اور امریکہ دونوں اس سلسلے میں بھارت کو ہر قسم کے جدید ترین اسلحہ سے لیس کر کے جنوبی ایشیا میں طاقت کے توازن کو بہتر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مزید برآں جنگ کے کوئی تو امر و ضوابط اور کوئی قوانین نہیں ہیں حتیٰ کہ پروفیسر نیولڈ نے صاف اقرار کر لیا ہے کہ جنگ اور قانون باہم بعض ہیں اور میدان جنگ عدم قانونی پابندیوں کی رعایت کی صورت میں ممکن نہیں۔

اسی لئے دورِ حاضر کی منہ ب انوام میں دو تین صدیوں سے قانون بین الممالک کی ترتیب کا کام ہو رہا ہے اور اس مقصد کیلئے پہلے ایک آن نیشنل اور بعد ازاں اقوام متحدہ میں ۱۹۷۵ء کے تحت متعدد بین المملکتی کانفرنس منعقد ہوئی رہی ہیں تاکہ جنگ کی ہولناکیوں کو ممکن حد تک کم کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے جنگ تیس سالہ کے بعد ہلینڈ کے قانون دان گروٹیوس کی ان اصلاحی سفارشات کو قبول کر لیا گیا کہ جنگ میں بچوں عورتوں، بوڑھوں، مذہبی رہنماؤں کا شکاروں، تاجروں اور اسیران جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔

نظر یہ جنگ و امن

اس کے برعکس دائمی امن و اخوت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ صدی پیشتر انسانیت کو امن و آشتی کا درس دیا، جنگ کے قوانین سکھائے اور جنگ کے مقاصد متعین کئے۔

پیغمبر امن، داعی الی اللہ کا مقصد اولین یہ تھا کہ پرامن طریقہ سے خدا کی زمین کو ظلم و مہیبت، جبر و استبداد اور استحصال سے پاک کر کے مثالی فلاحی معاشرہ قائم کرے جہاں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا نظام قائم ہو یعنی اِن الْحُكْمِ اِلَّا لِلّٰہِ پر عمل ہو اور امن و امان کا دور دورہ ہو اور اس وقت تک قوت کے استعمال سے گریز کیا جائے جب تک شر پسند اور مخالف قوتیں خود مقابلہ پر نہ آئیں۔

کارِ جن گاہ بہ شمشیر و سنان نیز کنند

فرمان الہی ہے !

اذن للذین یقاتلون بالنہم ظلموا و ان اللہ عدو نصرہم لقیبیر !

ترجمہ ! ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے جن سے جنگ کی جاتی ہے یہ اجازت اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ لیکن یہ جنگ کس لئے ہو، تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، نینر

وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ

ترجمہ ! اور (مسلمانو) ان سے رشتے رہو، یہاں تک کہ ظلم، فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کیلئے ہو جائے۔

لیکن ان نثر الخط کے ساتھ کہ اس میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے، حکم ربی ہے

فاقتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

ترجمہ : تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے بڑا جہد سے لڑتے ہو اور حد سے تجاوز نہ کرو بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اگر وہ جنگ سے دستبردار ہو کر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو ان سے جنگ نہ

کی جائے ، وان جنحواللسلوفاجنح لھا اگر اہل کفر صلح کیلئے تھکائیں تو ان سے صلح کر لیں ۔

اسلامی قوانین صلح و جنگ | سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشتر غزوات میں اسلامی افواج کی ذریعہ نفس نفیس، فتوحات فرمائی اور اسلامی قوانین صلح و جنگ کی تعلیم دی ، فتح مکہ کے موقع پر لہری عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ترجمہ : زخمی پر حملہ نہ کیا جائے ، بھاگنے والے کو پیچھا نہ کیا جائے ، قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو دروازہ بند کر دے اس کو امان دی جائے ۔

سپہ سالار اعظم جب کسی جہاد کیلئے مدینہ سے لشکر روانہ فرماتے تو وقتِ سخت اہل لشکر اور قباۃ حبیش کو ہدایت فرماتے ۔

اعز و باسم اللہ فی سبیل اللہ تقاتلون من کفر باللہ لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمشلوا ولا تقتلوا اولیاء ولا امراة ۔

ترجمہ : تم اللہ کی راہ میں اللہ کے نام سے جہاد کرو ، اللہ کا انکار کرنے والوں سے لڑو مالِ غنیمت میں چوری نہ کرو ، بد عہدی نہ کرو ، معاہدہ کا پاس کرو ، قتل نہ کرو اور بچے اور عورت کو قتل نہ کرو ۔

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ درختوں کو نہ کاٹا جائے ، کھڑی فصلوں کو نہ اجاڑا جائے اور بستیوں کو دیران نہ کیا جائے ، کیونکہ آپ کا مقصد جنگ و قتال تو نہیں تھا آپ تو امن و امان ہی کے پیغام بھجوتے تھے اور صلح و اخوت کے نقیب ، علامہ طبری کی روایت ہے ۔

قد کان رسول اللہ بعث فیما حول مکة السراۃ تدعوا الی اللہ غریبا ولم یامرہم بقتال ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے اطراف میں کچھ ٹکڑیاں بھی بھیجیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہ دیا تھا ، قرآن مجید میں اہل مکہ پر سب سے بڑا احسان وہی بتایا گیا ہے ، ارشادِ ربی ہے ۔

فلیعبدوا رب هذا البیت الذی اطعمهم من جوع وامنهم من خوف ط ۔

ترجمہ : ان کو چاہیے کہ اس گھر کے اس مالک کو پچھیں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور
بدامنی کو دور کر کے ان کو امن بخشا۔

بقول اقبالؒ

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہ اں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بدہ نوازی میں

داعی امن و اخوت

حضور علیہ السلام کے اس قول کہ میں امن کا شاہزادہ ہوں پر
علامہ شبلی نعمانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف سیرت النبیؐ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں لیکن
شاہزادہ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں ہے۔
جبکہ شاہزادہ امن و اخوت کی حکومت کے بے شمار کارناموں سے لاتعداد کتب و میرت
بھری پڑی ہیں۔ مشیتِ نمونے از خروارے چند مثالیں ملاحظہ ہوں، مولانا امین احسن صاحب،
اسلامی لکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست اور تدبیر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے
کہ آپ نے عرب ایسے ملک کے گوشے گوشے میں امن و عدل کی حکومت قائم کی کفار و مشرکین کا
زور آپ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الواقع انہوں نے گھسٹے ٹیک دیے یہود
کی سب سے سازشوں کا بھی آپ نے خاتمہ کر دیا۔ رویوں کی سرکوبی کیلئے بھی آپ نے انتظامات
فرمائے۔ یہ سارے کام آپ نے کر ڈالے لیکن پھر بھی انسانی خون بہت کم بہا۔ بنی صلی اللہ
علیہ وسلم سے پہلے کی تاریخ شہادت دیتی ہے اور آج کے واقعات بھی شہادت دے ہیں کہ دنیا
کے چھوٹے چھوٹے انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہو جاتی ہیں اور مال و اسباب
کی بربادی کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے
جو انقلاب برپا ہوا اس کی عظمت نور و سمیت کے باوجود ان نقوش کی تعداد چند سو سے
زیادہ نہیں ہو اس ساری جدوجہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماییتوں میں سے شہید
ہوئے یا مخالف گروہ میں مارے گئے۔

پھر یہ بات بھی غایت و جہدِ اہمیت رکھتی ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انقلاب میں
بھی ہزاروں لاکھوں ابروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں، لیکن محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جو انقلاب رونما ہوا، اس کی خصوصیت یہ بھی تھی

کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ کسی نے کسی کے ناموس پر دستِ
ورازی کی ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بچشتِ داعی امن و اخوت

پروفیسر محمد طہر اقبال، ڈیرہ اسماعیل خان

”امن و اخوت“ کی اہمیت و ضرورت ہر دور اور ہر قوم میں تسلیم کی گئی ہے مختلف نظریات اور مذاہب میں ”امن و اخوت“ کے تحفظ و بقا کے سلسلے میں جو احکامات آئے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں ہی، وہ لوگ جو کسی نظریے اور مذہب پر یقین نہیں رکھتے انہیں بھی کم از کم یہ یقین ہے کہ جب تک معاشرے میں ”امن و امان“ عدل و مساوات اور مواخات قائم نہیں رہے ہو عوام و خواص کی زندگی بے کیف اور دو بھر سو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انسانی معاشرہ میں امن و اخوت ”کو قائم کرنے کیلئے نہ صرف انفرادی کوششیں ہوتی رہی ہیں بلکہ عالمی پیمانہ پر ایسے ادارے قائم کئے جاتے رہے ہیں جن کا مقصد جنگ کے شعلوں کو روک کر انسانوں کے درمیان ”امن و امان“ اور بھائی چارے کی فضا کو قائم کرنا مقصود سمجھا۔ عالمی تحریک امن، سلامتی کونسل، یو این او، انٹرنیشنل آرمی پلان، ورلڈ پیس کونسل، عالمی امن کانگریس، روس کی امن مہم اور ”امریکہ امن بریگیڈ“ اس قسم کے اداروں کی چند مثالیں ہیں مگر ”باایں ہم“ امن و اخوت دنیا سے ناپید اور انسانی جان و مال اور عزت و آبرو اپنی صحیح قدر و قیمت سے محروم ہیں، عالمی تناؤ اور تنازعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ علاقائی اور نسلی منافرت کا اثر و جانناہایت کو انکسار مل رہا ہے۔ سپر طاقتیں کمزور اور غیر ترقی یافتہ اقوام اور ملکوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی دپے ہیں جن کے یقیے میں جنت کا موزہ پیش کر کے نوا لے شہر کھنڈرات میں بدل رہے ہیں اور وہاں کے باہمی اپنی جان بچانے کی خاطر کسی گوشہ امن و اخوت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

دنیا بار بار امن و سلامتی اور اخوت و محبت کا راگ الاپنے کے باوجود ظلم و بربریت میں جس طرح پھنسی ہوئی ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں قتل و خونریزی سے انسانیت و آدمیت جس طرح مجروح ہو رہی ہے اس سے کوئی بانہر انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بد حالی اور افراتفری کے اس دور میں اگر کوئی روشنی کی کرن نظر آتی ہے تو اس نظام امن و اخوت میں جو داعی برحق پیغمبر آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکامات کی روشنی میں نہ صرف پیش کیا کہ بلکہ اس پر عمل کر کے ایک ایسے وقت امن و سلامتی اور محبت و اخوت سے بھرپور معاشرے کی تشکیل کی جب دنیا براہوی کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھی۔ انسان اپنی انہایت کھوچکا تھا اور پوری دنیا سے امن و اخوت کا نام حرف غلط کی طرح مٹ چکا تھا۔

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت دنیا کے سامنے پیغام حق پیش کیا۔ اس سے پہلے دنیا جہنم کے کنارے کھڑی تھی۔ اور ظلمت کے سمندر میں غرقاب ہو چکی تھی۔ انسانوں کی بستی روئے زمین پر بستی ضرور تھی لیکن انسانی شرافت سے یہی دامن ہو چکی تھی۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا۔ نہ انسانی جان کی کوئی قیمت تھی اور نہ اس کی عزت و ابر و محفوظ تھی۔ بات بات پر جھگڑا ہوتا تھا۔ مویشیوں کو پانی پلانے سے لے کر حجر اسود جیسی مقدس چیز کو اپنی جگہ پر رکھنے پر تلوا رہے تھے۔ انسان اپنی خود ساختہ غلط بنیادوں پر بے شمار ٹولہوں اور قبیلوں میں بٹا ہوا تھا۔ رطانی عموماً قبیلہ کے نام پر ہوا کرتی تھی اور پھر اس کا سلسلہ برس برس اور نسل در نسل چلتا تھا۔ چالیس پچاس برسوں تک مسلسل جنگ رہنا کوئی حیرانی اور اچھنبے کی بات نہ تھی۔ مختصر یہ کہ پوری دنیا خونریزی، غارت گری، سفاکی اور نہ ختم ہونے والے سلسلہ جنگ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ بیرون عرب آریوں نے طاقت پاکر غیر آریوں کو پامال کیا ہوا تھا۔ برصغیر اور چھترہوں نے شوروں کو غلام بنایا۔ رومیوں نے افریقیوں پر غلبہ حاصل کر کے ان کو تہ تیغ کیا۔ یونانیوں نے ایران والوں کو کمزور پا کر خونریزی کی۔ گاتھا اور گال نے بھی یہی کیا۔ فرعون مصر نے خدائی کا دعویٰ کر کے کونسا ظلم ہے جو نہیں ڈھایا۔ پوری دنیا کی صورت حال یہ تھی کہ قوی اور طاقت ور کمزور پر حکمران تھے۔ اور رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیل کر داو عیش حاصل کرتے تھے۔ یہ انہیں آخرت کے عذاب کا خوف تھا اور نہ عوام کی طرف سے بوجھ کچھ کا کوئی خطرہ۔ عوام بچاۓ انسان تھے۔ مگر انسان شمار نہیں کئے جاتے تھے غلامی اور ظلم و ستم کی زنجیروں میں ایسے جکڑے

ہوئے تھے کہ جانوروں کی طرح بے بس اور مجبور محض تھے۔ یہ دوسروں کی راحت کیلئے تھے ان کی راحت و خوشنودی کیلئے تھے جو ان کے آقا اور مالک بنے ہوئے تھے۔

ایسے خنزیر، اونٹ، بک، دور میں اسلام کا سورج بوقیاس کی پہاڑی سے طلوع ہوا۔ اور اس کی نورانی کرنوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب کو بقعہ نور بنا دیا۔ ظلم و ستم کا گھٹا ٹپ بادل چھٹ گیا اور کچلی ہوئی انسانیت نے دوبارہ کروٹ لی اور انسانی معاشرے کو ایک ایسا ضابطہ حیات نصیب ہو گیا جس نے جنگ و جدال کو امن و سلامتی اور نفرت و خنزیری کو اخوت و محبت میں تبدیل کر دیا۔ ایک جاہل، گنوار، اجڑ، فسادی اور جھگڑا معاشرے کو ایک شخص نے صرف چند سالوں میں پوری دنیا کیلئے امن و سلامتی اور محبت و اخوت کا گہوارہ بنا دیا۔ وہ شخص نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ امن و سلامتی (اسلام) اس کا مذہب تھا اور وہ خود دنیا والوں کیلئے رحمت اور سلامتی کا موجب تھا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے اور رسول مقبول کی ہی وہ پہلی شخصیت ہے۔ جن کی تعلیمات نے رنگ نسل اور ذات پات کی تیز ختم کر کے انسانوں کے درمیان محبت، اخوت اور بھائی چارے کی بنیاد ڈالی۔ یہ پیغمبر امن و اخوت کی اس تعلیم کا ہی اثر تھا کہ حلیفہ وقت اور غلام سفر میں باری باری اونٹ کی سواری کرتے اور پیدل چلتے تھے۔ آقا و غلام ایک ہی صف میں خدا کے حضور کھڑے ہوتے تھے۔ یہ اس دائمی امن و اخوت کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ اس ملک میں جہاں اسلحہ اور تلوار کے بغیر کوئی گلیوں میں چل نہیں سکتا تھا

وہاں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بغیر کسی خوف کے سفر ہو سکتا تھا۔

اس کائنات میں امن و اخوت کا نظام صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب ان لوگوں اور ان عوامل کا قلع قمع کر دیا جائے۔ جو فساد پیدا کرنے والے ہیں۔ اگرچہ اسلام

اپنے پیروکاروں کو ایسے عناصر و عوامل کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے۔ جو زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسے معاملات میں بھی

جہاں جہاد کرنا، ناگزیر ہو جاتی تھی تلوار نکالنے والے آخری آدمی ہوتے تھے۔ پہلے ان

کی کوشش ہی ہوتی تھی کہ تبلیغ و دعوت سے ہی ایسے عناصر و عوامل پر قابو پایا جائے۔ جہاں

کہیں بھی امن، اخوت اور معاہدے کی گنجائش یا پیش کش ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ

والہ وسلم فوراً ایسا کرنے پر راضی ہو جاتے تھے اور یہ ان قرآنی احکامات کی پیروی میں ہوتا تھا جس میں اللہ جل شانہ نے واضح طور پر ان الفاظ میں حکم صادر فرمایا ہے ۔

وَانْجِنُجُو لِّلسَّلَامِ فَاَجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ اٰلِهِنَّ ط اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ السَّلَامُ ۝ (الانفال : ۶۱)

ترجمہ : اور اے نبیؐ ! اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اسی کیلئے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو ، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے ! بعض اوقات تو امن قائم کرنے کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے معاہدے کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جن میں چند ایسی غیر لفظ بھی قبول کرنی پڑی تھیں جو شاید عام حالات میں ایک عام آدمی بھی قبول کرنا مناسب نہ سمجھے ۔ صلح حدیبیہ اس کی واضح مثال ہے جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ والوں کا کوئی آدمی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو بھاگ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے گا تو وہ اسے مکہ والوں کو واپس کر دیں گے لیکن قریش کے ہاتھ اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی آئے گا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل اور ابو لبیعہ کو واپس کر کے اس صلح نامے پر باقاعدہ عمل بھی کیا ۔ اور امن کے فروغ کی خاطر ہی اسلام نے ایسے معاہدوں پر عمل درآمد کرنے کی تلقین کی ہے اور ان کی روگردانی سے روکا ہے ۔ بڑا

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَوْ يَأْجُرُوْا اٰمَالَكُمْ مِنْ وَلَا يَتَّخِذُ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُبَاجِرُوْا ۚ وَاِنْ اَسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّثَاقٌ ط (الانفال : ۷۲)

ترجمہ : وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام میں) آئے ہیں گئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں ۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو ۔

یعنی اسلام نے اپنی دینی بھائیوں کی مدد بین الاقوامی ذمہ داریوں اور اخلاقی حدود کا پاس رکھ کر کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اگر مسلمانوں پر کہیں ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی برادری کے تعلق کی بنا پر دارالاسلام کی حکومت اور اس کے باشندوں سے مدد

مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کریں لیکن اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام سے معاہدہ تعلقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی مدد نہیں کی جاسکے گی جو ان معاہدوں کی اخلاقی ذمہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو۔ اسلامی تشریعت اس بات کو قطعاً جائز نہیں سمجھتی کہ مسلم حکومت جو معاملات کسی ملک یا قوم سے طے کرے ان کی اخلاقی ذمہ داریوں سے مسلمان قوم یا اس کے افراد سبکدوش رہیں البتہ حکومت دارالاسلام کے معاہدات کی پابندیاں صرف ان مسلمانوں پر ہی عائد ہوں گی۔ جو اس حکومت کے دائرہ عمل میں رہتے ہوں۔ اس دائرے سے باہر دنیا کے باقی مسلمان کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں میں شریک نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں جو صلح بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے کی تھی اس کی بنا پر کوئی پابندی حضرت ابولجیر اور ان دوسرے مسلمانوں پر عائد نہیں ہوئی خاص کر جب وہ مدینہ کی ریاست سے دور عیض مین میں آباد ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث مبارکہ اور عملی اقدامات بھی اس چیز کے شاہد ہیں کہ حضور اکرمؐ نے معاہدے کئے ان پر عمل درآمد کیا اور مسلمانوں کو معاہدے نبھانے کی تلقین بھی کی۔

دین اسلام اور امن و سلامتی کا چولی امن کا ساتھ ہے کیونکہ اسلام کا مطلب ہی جنت اور سلامتی ہے۔ اسلامی سلطنت کو دارالسلام کا نام دیا گیا ہے۔ جس سے مراد ہے جنت اور اس کے معنی ہیں سلامتی کا گھر۔ امن کا گہوارہ۔ یعنی وہ جگہ جہاں کوئی آفت۔ کوئی نقصان، کوئی رنج، کوئی لڑائی، کوئی جھگڑا اور کوئی تکلیف نہ ہو۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُكَ مِنْ اِلْشَآءٍ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ (یونس: ۲۵)

حتیٰ کہ خود جنت کی فضاء کو قرآن نے کسی جگہ پر امن یا سلامی سے تعبیر کیا ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ ۝ لَّهُمْ دَارُ السَّلٰمِ ۝

عند ربهم وهو وليهم بما كانوا يعملون ۝ (الانعام: ۱۲۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اسی حوالے سے قرآن

۱۔ اسی طرح ملاحظہ ہو سورۃ یونس: آیت ۱۰ اور سورۃ الواقعة: آیات ۲۵، ۲۶

میلن ایک جامع اور مکمل حیات ہے جو اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تمام امور میں مکمل رہنمائی مہیا کرتی ہے۔ دشمنوں کے ساتھ جنگ، معاہدات اور امن و سلامتی کے اصول تو مسلمانوں کیلئے اس کتاب میں پوری طرح تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں اس کے ساتھ مسلمانوں کی آپس کی لڑائی کی صورت میں بھی دوسرے مسلمانوں کو جو اس لڑائی میں شریک نہ ہوں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے کہ:

وَأَنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفْشَىٰ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَازَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (الحجرات: ۹)

اور ان کے باہمی معاملات کی اصلاح کیلئے جس کے بس میں جو کوشش بھی وہ اسے صرف کر ڈالنی چاہیئے۔ فریقین کو لڑائی سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ انہیں خدا سے ڈرایا جائے۔ نزاع کے اسباب معلوم کئے جائیں اور ان کے درمیان صلح کرادی جائے اور اگر کسی وجہ سے صلح کرانے کی تمام کوشش ناکام ہو جائیں تو پھر یہ دیکھیں کہ حق پر کون ہے اور زیادتی کرنا کون۔ جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیں اور جو زیادتی کرنے والا ہو اس سے لڑیں اس لڑائی کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس لئے یہ واجب ہے اور جہاد کے حکم میں ہے۔ اور پھر محض صلح کرانے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ صلح کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے جو حق اور باطل کے فرق کو نظر انداز کر کے محض لڑائی کو روکنے کیلئے کرائی جائے اور جس میں برسر حق گروہ کو دبا کر زیادتی کرنے والے گروہ کے ساتھ بے جا رعایت برتی جائے۔ صلح وہی صحیح ہے جو انصاف پر مبنی ہو۔ معاشرے میں امن و سلامتی کی خاطر بھی اسلام نے بد امنی اور فساد پھیلانے سے بار بار منع کیا ہے۔ اور بعض جگہ تو بد امنی اور فساد کو قتل سے بھی زیادہ پاپ سمجھ کر یہ فعل قرار دیا ہے:

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۝ (البقرة - ۱۹۱)

دراصل ایک ہی معاشرے میں بسنے والے انسانوں کے درمیان لڑائی، جھگڑا، فساد بد امنی

نما: اسی طرح مزید ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف، آیت ۵۶

اور خویشی اس وقت ہوتی ہے۔ جب اس معاشرے کا کوئی باقاعدہ ڈھانچہ، مقصدِ حیات طرزِ زندگی اور قانون نہ ہو۔ جہاں ہر شخص کے حقوق متعین نہ ہوں۔ فرائض واضح نہ ہوں لیکن رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی اس میں معاشرے کے تمام افراد اور اداروں کے حقوق کے ساتھ فرائض بھی متعین کر دیئے گئے ہیں۔ ایسا پائیدار مقصدِ حیات، طرزِ زندگی اور قوانین معاشرہ طے کر دیئے گئے ہیں جو معاشرے کے بڑے بڑے شخص حتیٰ کہ حاکم وقت اور چھوٹے سے چھوٹے شخص یعنی رعایا کیلئے یکساں طور پر لاگو ہوتے ہیں۔ یہ قوانین ایسے ہیں جن کی روشنی میں اور جن کا سہارا لیکر ایک عام شخص بھی بھرے دربار میں خلیفہ وقت سے سوال کر سکتا ہے کہ آپ نے دو چادریں کیسے لے لیں جبکہ باقی سب کے حصے میں ایک ایک چادر آئی ہے اور خلیفہ وقت بھی اس سوال کو گستاخیِ حاکم قرار دینے کی بجائے دو چادریں رکھنے کی وضاحت، محبت، دلیل اور معقولیت پیش کرتا ہے اسلام میں اور شریعتِ محمدیؐ میں ماں، باپ، بہن، بھائی، خاوند، بیوی، ہمسایہ، دوست، غریب، امیر، یتیم، مسکین، متحول، حاکم، محکوم، تاجر، طالب علم، استاد، کسان، غرضیکہ ہر ایک کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اوریوں اسلامی معاشرے میں امن و سلامتی کی بنیادیں مضبوط کر دی گئیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے وہ پہلے رہبر و رہنما ہیں جنہوں نے دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی امن اور بھائی چارے کا درس دیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو خدا اور اپنے علاوہ تمام انبیاء پر ایمان لانے کا درس دیا بلکہ لازمی قرار دیا۔ تاریخِ انسانی میں کوئی ایسا دوسرا رہنما نہیں نظر نہیں آتا جس نے اپنے پیروکاروں کو اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب اور امن کے رہنماؤں پر بھی اسی طرح ایمان لانے کا درس دیا ہو جس طرح اپنے مذہب اور نبی پر ایمان لانے کا دیا گیا۔ یہاں تک کہ اسلام میں کسی کے چھوٹے خداؤں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدُوًّا لِلْغَيْرِ عِلْمٌ ط
(الانعام - ۱۰۸)

حضورِ مہرِ نور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امن و سلامتی کا خیال اس حد تک رکھا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا مذاق اڑانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس داعیِ امن و اخوت کو

تعلیمات اور عمل کو نہ نظر رکھ کر ہم بلا توقف یہ کہہ سکتے ہیں کہ

PEACE WAS THE KEYNOTE OF HIS LIFE

جہاں تک اخوت اور بھائی چارے کا تعلق ہے اسلام اور تعلیمات نبویؐ سے بڑھ کر کسی مذہب، کسی ازم، کسی فلسفے، کسی دھرم اور کسی نظریہ حیات نے اس کا تصور اور عملی نمونہ پیش نہیں کیا۔ قرآن مجید کی کسی آیات اور احادیث نبویؐ تمام مسلمانوں کو بھائیوں کی طرح زندگی گزارنے اور معاملات طے کرنے کی تلقین کرتی ہیں، مثلاً

انما المؤمنون اخوة فاصالحوا بین اخویکم (المحجرات : ۱۰)
یہ آیت دنیا کے تمام مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتی ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ کسی دوسرے دین یا مسلک کے پیروکاروں میں وہ اخوت اور بھائی چارہ نہیں پایا گیا جو مسلمانوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اس حکم کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں بہت اہمیت دی ہے۔ جن سے اس حکم کی پوری روح سمجھ میں آجاتی ہے۔

حضرت جرید بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی تھی۔ ایک یہ کہ نماز قائم کروں گا۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا۔ تیسرے یہ کہ ہر مسلمان کا بغیر خواہ رسوں گا۔ (بخاری کتاب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے نہ تو وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ظلم کے حوالے کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو شخص مسلمان سے کسی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مصلوب دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا۔ (بخاری کتاب المظالم)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں بغض و حسد نہ رکھو، نہ کسی کی بغیبت کرو۔ خدا کے سب بندوں کو بھائی چارے سے رہنا چاہیے۔ کسی مسلمان کو اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراضگی نہ رکھنا چاہیے۔

(بخاری کتاب الادب)

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوسریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا۔ ایک آدمی کیلئے یہی شر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ (مسند احمد)

حضرت سہیل بن سعد ساعدیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ گروہ اہل ایمان کے ساتھ ایک مومن کا تعلق ویسا ہی ہے جیسے سر کے ساتھ جسم کا ہوتا ہے وہ اہل ایمان کی ہر تکلیف کو اسی طرح محسوس کرتا ہے۔ جس طرح سر جسم کے ہر حصے کا درد محسوس کرتا ہے۔ (مسند احمد)

اسی سے ملتا جلتا مضمون ایک اور حدیث میں ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: مومنوں کی مثال آپس کی محبت، وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم و شفقت کے معاملہ میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہو تو، سارا جسم اس پر بخارا دے جوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے (بخاری و مسلم)۔

ایک اور حدیث میں آپؐ کا یہ ارشاد منقول ہوا ہے کہ مومن ایک دوسرے کے لئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے۔ (بخاری کتاب الادب - ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی سلطنت اور اسلامی معاشرے کی بنیاد ہی بھائی چارے اور اس عقدِ مواخات پر رکھی تھی جس کے تحت سن اول ہجری میں ہی پینتالیس پینتالیس اور ایک قول کے بموجب پچاس پچاس انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات باندھا گیا تھا۔ یہ عقد مواخات باہمی یگانگت میں ایک دوسرے کو مربوط کرتا تھا۔ لیکن یہ سب آیتہ کریمہ!

الوا الارحام بعضهم اولى ببعض فی کتاب اللہ (الانفال: ۷۵)

”یعنی اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔“

کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ اس آیتہ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد عقدِ مواخات منسوخ ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مواخات کی وجہ سے بعض لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ ان دینی بھائیوں کو حق تو اورت بھی مل گیا ہے۔ جس کی قرآن حکیم نے وضاحت کر دی۔ کہ وراثت کے معاملے میں دینی بھائی حق دار نہیں ہوں گے۔

مسلمانوں کے درمیان یہ بھائی چارہ ، اخوت و محبت خدا کا ایک گرانقدر عطیہ ہے جس کی بدولت مسلمان اپنے سے کسی گناہ بڑے دشمن پر بھاری تھے اور جس کی گواہی خود قرآن نے دی ہے ۔

هو الذي ابدلك بنصره وبالمؤمنين ؕ والف بينهم
قلوبهم ۝ لو انفقنا ما في الارض جميعاً ما آلفنا بينهم
قلوبهم ولكن الله الف بينهم انه عزيز حكيم

(الأنفال ۶۲ ، ۶۳)

یعنی وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے ۔ تم روئے زمین کی ساری دولت خرچ کر ڈالتے ہو تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے ، مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے ، یقیناً یہ

اشارہ ہے اس بھائی چارے اور الفت و محبت کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ایمان والے اہل عرب کے درمیان پیدا کر کے ان کو ایک مضبوط جتھا بنادیا تھا ۔ لیکن اس جتھے کے افراد ان مختلف قبیلوں سے نکلے ہوئے تھے جن کے درمیان صدیوں سے دشمنیاں چلی آرہی تھیں ۔ خصوصیت کے ساتھ اللہ کا یہ فضل اوس خزرج کے معاملہ میں تو زیادہ نمایاں تھا ۔ یہ دونوں قبیلے دوسری سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ۔ اور مشہور جنگ ” بعاث “ کو زیادہ دن نہیں گزے تھے جن میں اوس نے خزرج کو اور خزرج نے اوس کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا تہیہ کر لیا تھا ۔ ایسی شدید عداوتوں کو دو تین سال کے اندر گہری دوستی و برادری میں تبدیل کر دینا اور مختلف اجزاء کو جوڑ کر ایسی بنیان مرموس بنادینا یقیناً عام انسان کی طاقت سے بالاتر تھا ۔ یہ ایک بد شخص ہی اللہ تعالیٰ کی مائید و نصرت کے ساتھ سرانجام دے سکتا ہے ، اور یہ بد شخص اس بڑی برحق کی ذات بابرکات تھی جس نے یہ صرف ریگستان عرب میں بلکہ پوری دنیا میں امن و سلامتی ، اخوت اور تہذیب کا ایک انقلاب برپا کیا ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اب جبکہ اس وقت تقریباً پوری دنیا جنگ و جدل میں مصروف ہے ، بے گناہوں کا خون بہایا جا رہا ہے ، شہر اور بستیاں توپوں سے نکلتی ہوئی آگ

سے جل کر کھنڈرات میں تبدیل ہو رہی ہیں ۔ سپر طاقتیں کمزور قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی درپے ہیں ۔ طاقت ور ملک، چھوٹے ملکوں کو دنیا کے نقشے سے ہی مٹانے کی کوشش میں ہیں ۔ مسلمان آپس میں دست و گریباں ہیں ۔ نام نہاد امن کی تحریکیں اور امن ریگیٹر دنیا میں امن و سلامتی قائم کرنے میں مکمل طور پر ناکام سوچکے ہیں ایسے حالات میں اسلام کی تعلیمات کو بالعموم اور اسلام کے فلسفہ امن و اخوت کو بالخصوص اجاگر کیا جائے اور اس داعی امن و اخوت کی تعلیمات، فرمودات اور سنن کو برصغیر کا رلاتے ہوئے اس سے سکتی ہوئی انسانیت کو دم توڑنے سے بچایا جائے ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

رسول صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت

پروفیسر ڈاکٹر عبد الرحمن، کوئٹہ

قومی سیرت کانفرنس ۱۹۸۹ء میں پیش کیے جانے والے مقالات کیلئے سورہ انفال کی آیت مقدمہ نمبر ۱۲ کو موضوع چنا گیا ہے، پوری آیت یہ ہے :
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ط -

چونکہ یہ موضوع اس قدر وسیع ہے کہ اس پر ستر صفحات کی کتاب تصنیف کی جاسکتی ہے لہذا نتیجتاً کوئی مقالہ نگار اسلامی معاشرے کے کسی جز کو اپنے مقالے کا موضوع بنائے گا۔ دوسرا کسی اور جز کو منتخب کرے گا۔ جس کی وجہ سے موصول شدہ مقالات کو صحیح تناظر میں جانچنا مشکل ہوگا۔ لہذا اس مقالے کیلئے موضوع واضح کر دیا گیا ہے۔ جس کا عنوان اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت ہے۔ تیسرا سالہ مکی اور دس سالہ مدنی زندگی میں حضور رسالت اب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کے تمام گوشے واضح ہو گئے۔ حدیث کی تدوین اس کی چھان بین اور اس کے راویوں کی جرح و تعدیل کی وجہ سے ہمارے پاس ایک ایسا مواد موجود ہے۔ جو کہ نقد و جرح کی بھٹی سے گزر کر کنڈن بن چکا ہے، اور تنقید و تنقیح نے گندم کو بھوسے سے الگ کر دیا ہے۔ اور حقائق بالکل واضح ہو چکے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ انسانیت کیلئے مشعل راہ ہے، جس کی روشنی میں زندگی کی تاریک راہوں کو عبور کر کے آخرت کی ابدی حیات کی طرف بڑھا جاسکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اسوۂ حسنہ کی روشنی

میں غنا شرہ کیلئے ایک ایسا لائحہ عمل واضح ہو چکا ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر دنیاوی زندگی خوشگوار بنائی جا سکتی ہے۔ اور دائمی امن و سلامتی باہمی اخوت و بھائی چارے کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

موضوع دو حصوں پر مشتمل ہے، ایک حصہ ہے: پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیت داعی امن اور دوسرا حصہ ہے: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی اخوت۔

پہلے ہیں داعی امن کے موضوع کو بتایا ہوں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام جو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، نامقدس دنیا میں امن قائم کرنا، انسانیت کو فلاح و نجات کا راستہ دکھانا اور اضطراب و بے چینی کو امن و سکون سے بدلنا ہے۔ وہ فتنہ و فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا، قرآن مجید کی متعدد آیات میں ان کی مذمت اور برائی کا بیان موجود ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ وَلَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا طَرِيقَ مَت
اللَّهُ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ

اور ملک میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور خدا سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر نیکی مانگتے رہنا، کچھ شک نہیں کہ خدا کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔

(العنکبوت: ۲۹)

۲۔ اِنَّ اِلٰهًا يُّصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمِيْنَ (یونہ: ۸۱)

خدا فساد پھیلانے والوں کے کام نہیں سنوارا کرتا۔

۳۔ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُوْنَ

اور جو لوگ توڑتے ہیں اللہ کا عہدائے مضبوط کرنے کے بعد اور جن کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو قطع کر دیتے اور ملک میں فساد کرتے ہیں، ایسوں پر لعنت ہے اور ان کے لئے گھر بھی بُرا ہے۔

مَا اَمْرًا لّٰهُ بِهِ اَنْ يُّوْصَلَ

وَلِيُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ

اَوَّلَمَلِكًا لّٰهُمُ الْعِنَةُ

وَلَهُمْ سُوْرُ الدّٰرِطِ

(الرعد: ۲۵)

۴۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

خشکی اور تیزی میں لوگوں کے اعمال کے سبب

بماکبت ایدی الناس لیذ یقعد م فساد پھیل گیا ہے۔ تاکہ خدا ان کو ان کے بعض
لعضو الذی عملوا لعد۔ لھو اعمال کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ بازارِ جہنم

پر جہنم ٹ (الروم - ۴۱)

قتلہ و فساد کی شفاعت و قیامت اور بدترین فعل ہونے کے بارے میں موجود تمام قرآنی آیات کا
یہاں احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اسلئے صرف چند آیات پر اکتفا کیا گیا۔ ان آیات کے پسے صاف
عیاں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو فساد مبغوض و ناپسند ہے، وہ اپنے بندوں کیلئے امن و
سکون اور راحت چاہتا ہے۔ امن کے حصول کے ذرائع کی نشاندہی فرماتا ہے۔ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث ہے :-

عن عبد اللہ بن عمرو، ان رجلاً سئل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسی
الاسلام خیر؟ قال: تعطّم
الطعام وتقرّ السلام علی من
عرفت ومن لم تعرف (بخاری)

عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ: ایک
شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
پوچھا، اسلام کی کونسی خصلت اچھی ہے
آپؐ نے فرمایا: کھانا کھلانا اور ہر ایک کو سلام
کرنا (خواہ) اس سے تیری واقفیت ہو یا نہ
ہو۔

دین اسلام نے فطرتِ انسانی کے وہ تمام اصول و قواعد سکھائے ہیں جن کی پابندی سے اجتماعی اور
معاشرتی ماحول میں خوش گزاری کا فضا ہو اور انسان کو مہذب اور سائستہ بنانے کیلئے ان قواعد
کو زندگی کا لازمی جز قرار دیا ہے۔ ان تہذیب اور شائستگی کی باتوں میں میل جول کے آداب
بھی ہیں۔ اور ان آداب میں سب سے اہم اوقات ملاقات میں امن و امان کا پیغام ہے۔ ایک
انسان دوسرے انسان کو بہتر سے بہتر جو دعائے سکنا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں
کے اعتبار سے اس کی سلامتی کا خواہاں ہو۔ اسلام نے دارین کی امن و سلامتی کے اس
پیام کو اسلام علیکم کے دو مختصر لفظوں میں ترتیب دیا ہے۔ ملاقات کے پہلے جب ان لفظوں
کو ادا کرتے ہیں تو خوش و یگانگگی کی بجائے اطمینان و یگانگت کی ایک لہر اور انس و محبت
کا ایک جذبہ پاتے ہیں۔ اس کیلئے چھوٹے بڑے اور شہنشاہ اور انجان کی تمیز نہیں۔ البتہ
تعلیم دی ہے کہ سلام کے ذریعے سے تواضع کا اظہار ہونا چاہیئے۔ اسلئے ضروری ہے کہ
پیدل چلنے والے کو سوار، چھوٹا، بڑے کو گزرنے والا بیٹھنے والے کو اور چھوٹی جماعت،

ہم جماعت کو سلام کرے، اور یہ بھی تعلیم دی ہے کہ جس شخص کو سلام کیا جائے، اس کا فرض ہے کہ اس سے بہتر طریقہ سے جواب دے، ورنہ کم از کم وہی الفاظ (وعلیکم السلام) دہرائے۔ یہ تو تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ امن کی ضد فساد ہے اور فساد کے بارے میں یہ بات زبان زد ہر خاص و عام ہے، کہ تمام فساد کہ جڑ تین چیزیں ہیں جو یہ ہیں۔ زر، زمین اور زن، اگر غور سے دیکھا جائے، تو یہ چیزیں اپنی ذات میں وجہ فساد نہیں ہیں، بلکہ ان کا غلط استعمال وجہ نزاع بن کر امن و امان کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ لہذا اگر ان ہی تینوں کا صحیح استعمال کیا جائے، تو یہ وجہ فساد ہرگز نہیں بن سکتے، لہذا امن و امان کیلئے ایسے اقدامات اور ایسے اصولوں کی ضرورت ہے۔ جو کہ اس فساد کی جڑ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں۔ اسلام نے کس طرح ایسے فتنوں کا سد باب کیا ہے۔ اس کیلئے آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک طائرہ نظر ڈال جائیے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلب مال کی نہ صرف نفی فرمائی ہے بلکہ اپنی زندگی میں اس سلسلے میں عملی نمونہ پیش فرمایا ہے۔ آپ کی زندگی بڑی عسرت میں گزری، فقر کو آپ نے اپنے لئے پسند فرمایا، یہاں یہ یاد ہے، کہ فقر کے دو مفہوم ہیں۔ اول تنگی رزق جو کاہلی اور سستی کا نتیجہ ہو۔ بے عملی اور کاہلی سے آپ نے منع فرمایا۔ دوم، ماسوی اللہ سے بے نیازی، مال و متاع سے استغناء، جو بڑے اس پر فرائض و شکر، یہی وہ فقر ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نازل تھے، اور فرماتے تھے: الفقیر فخری یعنی مجھے فقر پر نیاز ہے۔ اگر کسی وقت آپ کی خدمت میں کچھ مال آجاتا، تو آپ اسے تقسیم فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعجلت مسجد سے گھر تشریف لائے اور وجہ بیان کی، کہ مجھے یاد آیا کہ گھر میں سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے اور مجھے ڈر ہوا، کہ کہیں یہ بات اس طرح گزر نہ جائے کہ یہ سونے کا ٹکڑا گھر میں پڑا ہے۔ اس کے بعد ائمہ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں، کہ تین تین چاند گزر جاتے تھے اور ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا تھا تصور کیجئے کہ ایہ اس سستی کے گھر کی حالت ہے، جو باعث تخلیق کائنات تھی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تھے۔ مسلمان ان دنوں عسرت تنگی اور ترستی کا شکار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق مسجد میں حاضر ہوئے، چونکہ نماز کا وقت تھا، آپ نے دریافت فرمایا کہ، ابوبکر! کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا، کہ مجھے بھوک

نے بے چین کیا، اور مسجد میں اس خیال سے آگیا ہوں کہ شاید کھانے کو کوئی چیز مل جائے۔
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میرا بھی یہی حال ہے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ شریف لائے، ان سے بھی یہی سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی
قسم بھوک کے سوا کسی چیز نے مجھے گھر سے نہیں نکالا۔ یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ غزوہ
اخواب میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! بھوک اب ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے لہذا
اب مجبور ہو کر ہم نے پیٹ پر پتھر باندھ لیا ہے، آپؐ نے اپنا کرتہ مبارک اٹھایا، تو صحابہ کرامؓ
نے عجیب طرفہ تماشا دیکھا کہ آپؐ نے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے کسی کا مال ناجائز طور پر غصب کیا، اس کے تین پیسوں کے
بدلے میں سات سو مقبول نمازیں مظلوم کو دیں جائیں گی۔

فساد مال کی ایک وجہ چند ملحقوں میں دولت کا ارتکاز بھی ہے۔ اسلام کا نظام وراثت اس
رجحان کا قلع قمع کرتا ہے۔ اولاً تو دولت کا ارتکاز جائیداد و تقسیم و ترقیم ہو کر ممکن ہی نہیں
رہتا۔ اور پھر حبلہ و رتاء کو اپنا اپنا حصہ ملنے کے بعد ارتکازِ دولت کا اسلام میں امکان نہیں رہتا
اس کے علاوہ اسلام کا نظام زکوٰۃ و عشر اور خمس بھی دولت کے چند ملحقوں میں جمع ہونے سے روکتا
ہے۔ اور اس کو غرباء و مساکین کا حق قرار دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ
غرباء و مساکین کو جب بھی معاش کی تنگی ہوتی ہے، وہ اغنیاء کے زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہوتی
ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے کی وعیدیں اس قدر ہیں کہ ایک مسلمان زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے تصور ہی سے
کانپ اٹھتا ہے۔ نبی بی اسما بنت زیدہ اور ان کی خالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئیں۔ انہوں نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان سے دریافت
فرمایا، کہ کیا تم نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا
کہ کیا تم کو اس سے ڈر نہیں لگتا کہ تم کو اللہ تعالیٰ آگ کے کنگن پہنا دے۔ اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔
نیز آپؐ کا ارشاد ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، پھر اس کی وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے،
قیامت کے روز وہ مال ایک گنجنے ساپ کی شکل بنا دیا جائے گا۔ جس کی دونوں آنکھوں
پر دو سیاہ نقطے ہوں گے، اور اس کے گلے میں بطور طوق ڈال دیا جائے گا، پھر وہ ساپ
اس کی دو باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر اس کی
تصدیق میں آپؐ نے یہ آیت پڑھی:۔

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَمْخُلُونَ بِمَا أَنَا لَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا يَخْلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْآيَةُ -

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، کوئی شخص سوئے چاندی کا رکھنے والا ایسا نہیں جو اس کا حق (زکوٰۃ) نہ دیتا ہو، مگر اس کا یہ حال ہوگا، جب قیامت کا دن ہوگا، اس شخص کے (غدا کے) لئے اس سوئے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ پھر ان تختیوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان سے اس کی کروٹ، پشیمانی اور پشت کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہونے لگیں گی، پھر دوبارہ ان کو تپایا جائے گا، یہ اس دن میں ہوگا، جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ یہ تھے وہ آفاقی اصول جو کہ داعی امن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رسکے فسادات کا قطع قمع کرنے کیلئے وضع فرمائے، مگر جس طرح آخرت کیلئے جرم و سزا کا تصور ضروری ہے اسی طرح یہی اصول دنیوی امور میں بھی کارفرما ہیں۔ اصول مرتب ہونے کے بعد جب تک کہ جرم کے سرزد ہونے کی صورت میں مناسب و مؤثر اور عبرتناک سزا مجرم کو نہ دی جائے اس وقت تک اہل معاشرہ عبرت نہیں پکڑیں گے۔ اور اس طرح جرم ختم نہ ہوگا اور فتنے کا سد باب نہ ہوگا۔ جو کہ پائیدار امن کی ضمانت ہے۔ چوری اور سرقتہ بالجبر کی صورت میں اسلام نے قطعید اور جرم کے بار بار اعادہ کی حالت میں پہلے بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور اگر مجرم پھر اپنے جرم کا ارتکاب کرے، تو یہ اس امر کی واضح علامت ہے کہ وہ اپنے وہ اعضاء جن سے معاشرہ کی خدمت کر کے ایک مفید فرد بن سکتا ہے، ان ہی اعضاء کو فساد پھیلانے کا باعث بنا رہا ہے، لہذا اب اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تاکہ مخلوق اس کے شر سے محفوظ رہے۔ اسلام دشمن اور مغرب زدہ اشخاص قطعید کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ کسی پھوٹے کے علاج کیلئے نشتر چلانا ضروری ہو جاتا ہے اور یہی عمل درختوں کی اصلاح اور نشوونما کیلئے ان کی شاخ تراشی کر کے کیا جاتا ہے۔ بصورت دیگر درخت اپنی افادیت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہی افراد ایک اعتراض یہ کر بیٹھتے ہیں کہ اگر قطعید کی سزا نافذ کی جائے، تو چونکہ مجرموں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ پاکستان کے ہر کوچہ و بازار اور گلی میں لہجے لہجے نظر آئیں گے، یہ اعتراض بدیہی پر مبنی ہے اور اس کی وجہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں مؤثر سزا کا نہ ہونا ہے۔ اولاً قطعید کیلئے شرائط

اس قدر سخت ہیں کہ بڑی شکل سے اس کی نوبت آتی ہے۔ نہایت مشاہدہ ہے کہ سعودی عرب جہاں یہ قانون نافذ ہے، 'شادی کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے کہ جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ اس کی گواہی ہر وہ شخص جو حج بیت اللہ سے سرفراز ہو چکا ہو یقیناً دے گا، البتہ یہ امر بین ہے کہ وہاں چوری اور دہشت کے واقعات خال خال ہی پیش آتے ہیں۔

دوسرا فتنہ زمین ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد اور نزاع کے واقعات ہو رہے ہیں۔ اسلام نے اپنے قانون وراثت میں وارثوں کے حصے مقرر کر کے فساد کا سرچشمہ بند کر دیا، اس کے علاوہ عشری اور خراجی زمین کے احکام تبدیل کر ملکیت زمین کا تعین کر دیا۔ کسی کی اراضی کو غصب کرنے کی صورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، کہ جس نے کسی کی بالشت بھر زمین غصب کی قیامت کے روز ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائیگا۔

ایک اور عنصر جو باعث فتنہ اور پائیدار امن کے قیام میں مانع ہے وہ زنا ہے، مستورات کی بے حرمتی کے واقعات تسلسل سے ہو رہے ہیں، زنا، باجبر اور اغوا کی وارداتوں کی خبروں سے اخبارات کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ ایک عورت کے اغوا یا زنا کی صورت میں تمام خاندان دولت و رسوائی کا شکار ہو جاتا ہے اور افراد خاندان کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔ لہذا وہ اپنی عزت کی بحالی کے لئے قتل جیسے گناؤں نے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہذا امن کیلئے زنا کے واقعات کا سد باب سخت سزائوں سے ہی ہو سکتا ہے، اسلام نے زنا کے مرتکب مرد و زن کیلئے اگر وہ شادی شدہ ہوں تو سنگساری کی سزا کو رائج کیا، ظاہر ہے کہ وہ افراد جو کہ شادی شدہ ہیں اپنی حبشی خواہشات اپنی شکوہ سے باسانی پوری کر سکتے ہیں جو لوگ اس کے باوجود حلال سے ہٹ کر حرام فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ معاشرے کیلئے ماسخ ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ جم کے مستحق ہوتے ہیں اور اگر زانی غیر شادی شدہ ہوں، تو اس صورت میں ان کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے، جس وقت زنا کی حد مجرم پر جاری کی جائے، تو معاشرے کا ایک طبقہ موجود ہونا چاہیے، تاکہ وہ زنا کے مرتکب افراد کی ذلت و رسوائی اور اذیت کا مشاہدہ کرے اور پورا معاشرہ عبرت پکڑے اور آئندہ کیلئے امن کی نصفا قائم ہو۔

پرسکون معاشرے میں ظلامت برپا کرنے کیلئے قتل کرنا اور دوسرے کا خون ناحق بہانا بھی ایک سنگین جرم ہے یہ ایک ایسا گناہ و نافرمانی ہے، جس سے پورے شہر بلکہ بعض

اوقات پورے ملک میں سنسی دوڑ جاتی ہے۔ اور پھر انتقاماً قتل و قتل کا ایک لانتنا ہی سلسلہ جاری ہو جاتا ہے، کیتبیاں اجڑ جاتی ہیں، کاروبار برباد ہو جاتے ہیں، سکون نہہ و بالا ہو جاتا ہے، ارشادِ ربانی ہے۔

انہ من قتل نفساً بغير نفس او
فساد فی الارض فکانما قتل الناس
جميعاً ط ومن احياها فکانما احيا
الناس جميعاً ط (مائہ - ۳۲)

جو شخص کسی کو (ماحق) قتل کرے گا (یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے) اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس زندگی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور ایک انسان کی حیات پوری انسانیت کی حیات ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ اگر دو مسلمان اس طرح لڑیں کہ ہر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لیے ہو تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں کیونکہ نیت و دنیوں کی قتل ہی کی تھی۔ اسلام نے قتلِ ناحق کی سزا قصاص مقرر کیا ہے، الا یہ کہ وراثتاً مقتول قاتل سے دیت (خون بہا) لینے پر آمادہ ہوں، تو اس صورت میں منقرضہ اصول کے مطابق بجائے قصاص لینے کے دیت ادا کی جاتی ہے۔

ایک اور بڑا فتنہ جو اس کو تہ و بالا کر دیتا ہے، شراب نوشی ہے، شراب نوشی کی فتنہ سمانیاں اور خستہ دامانیاں اظہر من الشمس ہیں۔ پاسبانِ امن کیلئے ضروری ہے، کہ اس عادت بد کا قلع قمع کیا جائے۔ شراب نوشی کے اثرات صرف شرابی کی ذات تک محدود نہیں رہتے، بلکہ اہل خانہ کا سکون بھی غارت ہو جاتا ہے، معاشرہ اس سے متاثر ہوتا ہے، شرابی شراب نوشی کے علاوہ دوسری برائیوں مثلاً زنا، قمار بازی اور چوری وغیرہ کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس وقت اس کو شراب کی طلب ہوتی ہے تو وہ اپنی عزت نفس کو بالائے طاق رکھ کر شراب کے حصول کیلئے تمام حربے استعمال کرتا رہے۔ خاندانِ معاشی بد حالی کا شکار ہو جاتا ہے، شرابی نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتا، اس کی عزت و آبرو برباد ہو جاتی ہے۔ کہیں وہ شراب کے نشے میں لڑکھڑا رہتا ہوگا ہے۔ کہیں وہ اصلی و فرضی دشمنوں کو لڑکھارہ رہتا ہوگا ہے اور کبھی گندی مالی میں گرا ہوا ہوتا ہے اور گتا اس کا منہ چاٹ رہا ہوتا ہے یا اس پر پیٹ بک رہا ہوتا ہے۔ شراب کی برائیوں کے سلسلے میں مائنامہ ہمدرد صحت بابت اپریل ۱۹۸۹ء سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

”شراب نوشی کے نتیجے میں معاشرے کو ناقابل برداشت نقصانات کا سامنا ہے۔ ہر سال نشے کی حالت میں (DRIVING) کرتے ہوئے ان گنت افراد موت کا شکار ہو جاتے ہیں یا دوسروں کو لقمہ اجل بنا دیتے ہیں۔ اس عادت بد کے طفیل بے شمار خاندانوں میں علیحدگی ہو جاتی ہے اور لائف اور افراد کے مستقبل تاریک ہو جاتے ہیں۔ چوری قتل و غارتگری اور زنا بالجبر کے جرائم ہوتے ہیں۔ ہر سال بے شمار افراد اس کے نشے میں خودکشی کا ارتکاب کرتے ہیں، ڈوب کر مر جاتے ہیں، آتش زنی کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ شراب کے استعمال سے ذہنی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور بالآخر اس کے اثرات اولاد اور بچوں کی جذباتی صحت پر بنیاداً منع چھوڑ جاتے ہیں۔ شراب کے طویل عرصے تک استعمال کے نتیجے میں خاص طور پر عورتوں میں جسمانی پیچیدگیوں کا اکثر اوقات اوراک نہیں کیا جاتا۔“

قیام امن کیلئے اسلام نے شرابی کے واسطے ۸۰ کوڑوں کی سخت سزا مقرر کی ہے۔ عرب معاشرے میں اسلام کے آنے سے پہلے شراب کا دور دورہ تھا، پھر اسلام آیا، اور جب شراب کی حرمت کے احکام نازل ہوئے، تو مدینے کی گلی کو چھ بھائی لکھی شراب سے بھر گئے۔ نماز کسی حالت میں معاف نہیں ہے۔ مگر نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہے۔ کیونکہ اس احتمال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کہ شرابی نشہ کی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے کفریہ کلمات کہ جملے، ارتداد ربانی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو، جب الصلوٰۃ وانتم سكارى حتیٰ تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے تعلموا ما تقولون (النساء-۳۳) (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔

اس کے مقابلے میں یورپ میں شراب و تمدن کا ایک جنرین کر رہ گئی ہے، بعض ممالک میں تو کھانے کے ساتھ پانی کا نہیں بلکہ شراب کے استعمال کا رواج ہے، جو کہ ام الحباثت ہے، اسلام شراب نوشی سے پید ہونے والے فتنوں کا کڑی سزا سے سد باب کرتا ہے۔ جبکہ دوسرے معاشروں میں عام تقریبات تو بجلے خود مدہبی رسوم میں بھی ام الحباثت کا استعمال لازم ہے امن کی برابری کا باعث قمار بازی بھی ہے، قمار باز ہمیشہ معاشی ناہمواریوں کا شکار رہتا ہے اور حقیقت میں یہ جلب زر کے حرص و آز میں اس لعنت کا شکار ہو کر اپنا محدود و

و محبوب سرمایہ بھی برباد کر دیتا ہے، قمار بازی یورپ کی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اس بڑائی کی چند مضمرات اظہر من الشمس ہیں۔ یہاں یہ دیکھنا ہے جانہ ہوگا، کہ اللہ قمار بازی کا قانون برسوں سے پاکستان میں نافذ ہے، مگر اس کے باوجود قمار بازی گھڑ سواری کی شکل بلکہ دوسرے الفاظ میں گھڑ سواری کی آرٹ میں جاری و ساری ہے۔ ہر ہفتے لاہور اور کراچی میں کھلم کھلا نہروں افراد گھوڑوں پر شطرنج بدلتے ہیں اور چند گھنٹوں میں لاکھوں نہیں کروڑوں روپے کا ہیر پھیر سوجاتا ہے۔ ہم آٹے دن اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ فلاں جگہ سے پانچ قمار باز پکڑے گئے یا دس قمار بازوں کو عین موقع پر پولیس نے گرفتار کر لیا اور ان سے چند سو روپے برآمد ہوئے۔ مگر سمجھ نہیں آتی، کہ ان نہروں قمار بازوں کو جو کروڑوں روپے داؤ پر لگاتے ہیں، کس مصلحت یا کس جذبے کے تحت گرفتار نہیں کیا جاتا، اسلام میں ہر قسم کی قمار بازی کی ممانعت ہے۔ چاہے وہ پانسوں سے ہو یا دیگر آلات قمار بازی سے ہو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شراب نوشی اور قمار بازی سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان افعال سے آپس میں عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز سے لاپرواہی۔ ایسے واقعات بھی مشاہدے میں آئے ہیں کہ قمار باز جوئے میں اس حد تک منہمک تھا کہ وہ اپنے قریبی عزیز باپ یا بیٹے کے جانے میں شریک نہ ہو سکا، اسلام قمار بازی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

من کو برباد کرنے والی ایک اور چیز "فتنہ" ہے میری مراد فتنے سے افواہ سازی، تہمت تراشی اور مکاری اور چالاک سے مختلف طبقات میں منافرت اور انتشار پیدا کرنا ہے، جس کی وجہ سے معاشرے کا ہر فرد بد اعتمادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً معاشرے کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ کہیں یہ فتنہ لسانیت کا روپ اختیار کرتا ہے۔ کہیں قبائلی اور قومی عصیت فتنوں کو جنم دیتی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ایک پٹا اور سچا مسلمان کبھی فتنوں کو ہونہ دے گا اور نہ معاشرے کے سکون کو غارت کریگا، خدا تعالیٰ کو فتنہ سخت نا پسند ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرة - ۱۹۱) فتنہ قتل سے سخت تر (اور بدتر) ہے۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ (البقرة - ۲۰۵) اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

داعی امن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل ہی امن سے کس قدر دلچسپی تھی اس واقعہ سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے اپنے

آغازِ شباب میں قریش کے ایمن جنگ کے طویل سلسلے کو بند کرنے سے متعلق ایک معاہدے میں شرکت فرمائی تھی۔ یہ معاہدہ تاریخ دبیر کی کتب میں "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدے میں کہا گیا تھا۔

- ۱۔ ہم میں سے ہر شخص ستم رسیدہ شخص کی حمایت و نصرت کرے گا۔
- ۲۔ کوئی ظالم مکہ مکرمہ میں نہ رہ سکے گا۔

یہ معاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر عزیز تھا، کہ آپ عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے: لقد شهدت فی دار عبد اللہ بن جددان حلفاً ما احب ان لی بہ حمی النعم، ولو ادعی فی الاسلام لاجبت۔

(ابن خثام ۱۶، ص: ۱۳۲)

کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔

اسلام کا فرائض عالم اسلام، انسانیت کا احترام و تحفظ ہے، انسانیت کی تحقیر و تذلیل اس کو گوارا نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصولوں اور صداقتوں پر پورا پورا عمل کیا ہے اور دنیا والوں کو بتا دیا کہ اسلام امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا دین ہے یہ رافت و رحمت، تحمل و بردباری اور عفو و درگزر کی تعلیم دیتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امن و سلامتی کی خاطر جس پیغمبرانہ صبر و تحمل اور حکمت و بصیرت کا مظاہرہ فرمایا۔ وہ آپ جیسی داعی امن اور صلح و آشتی کی علم بردار مستی ہی کا ہے کارنامہ ہو سکتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ جو آپ کے سخت دشمن چلے آئے تھے کے ساتھ جس وسیع قلبی اور عالی ظرفی کا ثبوت دیا، اس کی نظر تاریخ اقوام عالم میں نہیں ملتی۔ دشمنوں سے انتقام لینا بجائے خود ان کی اذیتوں اور مظالم کو یکسر فراموش کر دیا۔ اور فرمایا:۔

لا تریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء!

یعنی آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

مطلب یہ کہ تم سب کو معاف کر دیا گیا ہے، تم سب کیلئے امن ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بجز تین مرد جو کہ خونخوار مرتد تھے اور ایک عورت کے جو کہ فاحشہ اور لونڈی تھی اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان میں گستاخی کرتی تھی اور آپ کی ہجو میں شرمناک گیت گایا کرتی تھی باقی سب کو

معافی کا پروانہ مل گیا۔ یہ ہے تعلیم داعی امن نبی الرحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی۔ اب ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر معاشرے میں امن و امان قائم کر لیا ہے تو داعی امن نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو سنہری اصول وضع فرمائے ہیں ان پر سختی سے عمل کیا جائے تاکہ معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائے۔

در اصل امن میں رخنہ ڈالنے والی چیزیں انسانی حرص و آز، دوسرے کے حقوق کا احترام کرنے کی بجائے اس کو ان سے محروم کرنا اور لوگوں میں عدم مساوات ہیں۔ داعی امن صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر ان چیزوں کی مذمت فرمائی اور امن کے قیام کا زیری اصول مساوات وضع فرمایا۔ ان ہی اصولوں کی بدولت لوگوں کی کایا پٹ گئی۔ خلیفۃ المسلمین حضرت فاروق اعظمؓ حضرت بلال حبشیؓ کو یاسیدی کہہ کر پکارتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ جو آپ کے غلام تھے سے کر دیا۔ حالانکہ خاندان کے اعتبار سے حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ جتنے انواع کے موقع پر آپؐ نے واشکاف انداز میں اعلان فرمایا: آج کسی گویے کو کسی کا لے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت یا برتری نہیں ہے بلکہ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ قرآن کریم نے بھی یہی ارشاد فرمایا۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات: ۱۳) وہ (شخص) ہے جو زیادہ متقی ہو۔

ظاہر ہے کہ جس میں تقویٰ ہو۔ وہ کسی کا حق غصب کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا غصب تو ایک طرف رہا وہ تو ایشیا سے کام لے گا۔ جس کا مطلب ہے کہ اپنے بھائی کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینا۔ چشمِ فلک نے وہ تماشا دیکھا کہ میدانِ جنگ میں جب کہ قریب المرگ شہیدوں کو العطش العطش پکارنے پر مجبور کیا، تو پانی کا پیالہ لایا گیا، اتنے میں دوسری طرف سے العطش کی آواز آئی، شہید نے پیالہ اپنے منہ سے ہٹا لیا اور دوسری طرف بڑھایا۔ اسی طرح متعدد شہداء نے خود اپنی پیاس نہیں بجھائی بلکہ پانی کا پیالہ آگے بڑھاتے رہے۔ یہاں تک خود پیاس کی حالت میں جان بحق ہو گئے۔ امن کا وہ دورِ عادیورہ ہوا کہ زیور سے لدی پھڑی عورت دمشق سے چل کر مدینہ منورہ تک پہنچتی ہے مگر اس سے کوئی تعریف نہیں کرتا۔ یہ تھے داخلی امن کے زیری اصول اور اس کے فوائد و ثمرات اور برکات کہ ایک جھلک۔

داعی امن و سلامتی نے دنیا میں امن قائم کرنے کے اصول بھی وضع فرمائے۔ چنانچہ اسلام نے طاقتور ملک کے کمزور ملک پر قبضہ کرنے اور اس کی دولت چھیننے کیلئے حملہ کرنے کو نہایت ہی ناپسندیدہ فعل قرار دیا۔ اسلام صرف دفاع یافتہ کے اسلحہ کیلئے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :-

رسم جہاد حق کی اقامت کے واسطے
کمزور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
انصاف، امن اور عدالت کے واسطے
خیر الممات مرگ شہادت کے واسطے

یا بقول علامہ اقبالؒ :-

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی ، ، ،

دنیا میں امن کی بربادی کا ایک بڑا سبب معاہدات کی خلاف ورزی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر معاہدات کی پابندی کی تاکید کی گئی ہے، مثلاً ارشادِ باری ہے :-

۱۔ وَاَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُمْ
وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا
۲۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا
مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْ سَكَتَا
تَتَخَذُونَ اِيْمَانَكُمْ دَخْلًا
بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُونَ اُمَّةٌ هِيَ
اُولٰٓئِ مِنْ اُمَّةٍ (النحل - ۹۲)

عہد پورا کرو جب تم خدا سے عہد کر چکوا اور
قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔
اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ، جو سوت کا تنے کے
بعد اس کو خود ہی توڑ ڈالتی ہے، اپنی قسموں
(معاہدات) کو باہمی دھوکے کا ذریعہ نہ بناؤ، اس
خیال سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے
زیادہ فائدہ میں ہے۔

۳۔ وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عَاهَدُوا

اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوتے
ہیں، جب وہ عہد باندھتے ہیں۔

(بقرہ ۱۸۴)

امنِ عالم کے لئے ارشاد ہے :-

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلا
فاصلحوا بينهما فان بغت احدهما
على الاخرى فقاتلوا التي تبغي
حتى تفيء الى امر الله ، فان
فايت فاصلحوا بينهما بالعدل
واقسطوا ان الله يحب المقسطين.
(حجرات - ۹)

اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں ، تو
ان میں صلح کرادو ، پس اگر ایک دوسرے
پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو
زیادتی پر ہے ۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم
کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ رجوع کرے
تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرادو اور انصاف
کرو ، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند
کرتا ہے ۔

امن عالم کا ایک اور سنہری اصول حق میں تعاون اور باطل میں عدم تعاون ہے ۔ ارشادِ خداوندی
ہے :-

وتعاونوا على البر والتقوى
ولا تعاونوا على الاثم والعدوان.
(المائدہ - ۲)

اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو
اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ
کرو ۔

اگر اقوام اس اصول پر عمل کریں تو دنیا میں فساد کا نام و نشان نہ رہے ، مشاہدہ ہے کہ حق کی بجائے
دوسرے مصالح کی بناء پر قومیں باطل کی طرف داری شروع کر دیتی ہیں ، جن کی وجہ سے باطل قوتیں
مضبوط ہو جاتی ہیں اور دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے ۔ دنیا میں فساد کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے
کہ حکومتیں اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر شہادت حق کو چھپاتی ہیں اور عدل و انصاف کی پاسداری
نہیں کرتیں ۔ جس کے نتیجے میں باطل قوتیں مضبوط ٹھہریں پکڑتی جا رہی ہیں اور امن کا پودا مرجھا پا چلا
جا رہا ہے ۔ عدل و انصاف کے اصولوں کی خلاف ورزی کا بدترین مظاہرہ امریکہ اسرائیل سے تعاون
کر کے فلسطینیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھانے کا باعث بن رہا ہے اور دوسری بڑی قوت افغانستان
میں بھیب حکومت کی طرف داری کر کے اب تک پندرہ لاکھ افغانیوں کی ہلاکت اور پچاس لاکھ
افغانیوں کی ہجرت کا باعث بنی ہوئی ہے اور افغانستان میں خون اور بارود کے کھیل کی ہولناک
ہولی کھیل رہی ہے ۔

دنیا میں امن کی تباہی و بربادی کا سبب نسلی عصبیت بھی ہے ۔ دوسری عالمی جنگ صرف
نہایت کی برتری کیلئے لڑی گئی ، جس میں کروڑوں افراد لقمہ اجل بن گئے اور لاکھوں کروڑوں

عورتیں اور بچے یوگی اور یتیمی کا داغ دھونے کیلئے رہ گئے۔ مگر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصول امن و یکھٹے، فرطے ہیں۔

”اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرنج کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرنج پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب۔ انما المؤمنون اخوة

یعنی، اسلام کا مزاج باہمی بھائی بھائی اور ملنساری کا ہے۔

اجنبیت پسندی اور بیگانہ روئی کا نہیں تمام کلمہ پڑھنے والے دینی رشتے میں نسلک ہیں۔ اس لئے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ان الناس کلهم اخوة۔ اسلام کا مزاج عالمی بھائی چاے کا ہے کہ تمام انسان بھائیوں کی طرح رہیں۔ خواہ کوئی بھی قوم ہو، اور کسی بھی مذہب کی ماننے والی ہو، استحصال یا گروہ سذیوں کے ذریعے بھائی کو بھائی سے جدا کر دینے کا نہیں۔

یہ ہے وہ محترم سا خاکہ جو داعی امن علیہ السلام نے عالمگیر راہوری کے تصور اور دنیا میں امن قائم کرنے کے باعث قرار دیا ہے، ان اصولوں پر عمل کر کے یہ دنیا حقیقی امن سے ہمکنار ہو سکتی ہے اور عالم انسانیت کو مساوات، اخوت اور سکون نصیب ہو سکے گا۔

یہاں اس کا ذکر خالی از و لہی نہ ہو گا۔ کہ آج سے ٹھیک دو سو سال پہلے ۱۷۸۹ء میں فرانس میں ایک انقلاب آیا تھا جس میں انقلابیوں نے بڑے خوش نمائندے لگائے جو یہ تھے۔ LIBERTY, FRATERNITY AND EQUALITY

یعنی حریت، اخوت اور مساوات، اس انقلاب کے نتیجے میں یہ مقاصد تو حاصل نہ ہو سکے۔ البتہ کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ پہلے انقلابیوں کی طرف سے اور بعد میں خود انقلابیوں کو گلوٹن سے قتل کر دیا گیا۔ مگر اسلام نے اخوت و مساوات کے جو سنہری اصول قائم کئے وہ آج بھی دنیا بھر میں موثر اور قابل عمل ہیں۔ یہ اصول آفاقی ہیں، زمان و مکان کی قید سے بہ ماوریا ہیں۔

مقلے کا ایک جز یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بحیثیت داعی امن ہو چکا۔ اب میں دوسرے جز یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت بیان کرتا ہوں۔ اخوت کا مادہ اخ ہے۔ جس کے معنی ہیں بھائی۔ تو اخوت کے معنی ہوئے، بھائی چارہ، وسیع

مفہوم یہ ہے۔ بھائی چارہ قائم کرنا اور پھر اس کو نبانا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد مہاجرین و انصار میں اخوت قائم کی۔ جس کو عقد موافقہ کہا جاتا ہے ایک مہاجر کو ایک انصار کا بھائی بنایا گیا۔ انصار نے اخوت کا بے مثال مظاہرہ کیا، اپنے مہاجر بھائی کو اپنے اثاثے میں حصہ دار بنایا۔ یہاں تک کہ بعض انصار نے جن کی دو بیویاں تھیں، ایک کو طلاق دے دی تاکہ اس کا مہاجر بھائی اس سے نکاح کر سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام مسلمانوں میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کا اصول قائم کر کے اخوت کو فروغ دیا۔ اخوت کا تقاضا ہے کہ باہم محبت و مودت اور ایثار و قربانی ہو۔ آپ نے فرمایا :-

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ
لَا خِيَةَ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ
کوئی تم میں سے اس وقت تک پورا مسلمان نہیں
ہو سکتا، جب تک اپنے مسلمان بھائی کے
لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔
(بخاری)

آپ نے اخوت کا وہ عظیم اصول فرمایا، اگر اس پر عمل کیا جائے، تو دنیا تمام نفاق و انتشار
سے پاک ہو جائے، آپ نے فرمایا :-

الْمُسْلِمُ مِنْ سَلَمِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ
لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ - (بخاری)
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور بدن
(دوسرے) مسلمان محفوظ رہیں۔

کعبہ شریف کی عظمت مسلمہ ہے اور ہر مسلمان کی زندگی بھر کی تمنا زیارت حرمین شریفین ہے۔
توجہ سے دیکھئے! ایک مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی کیا عظمت ہے۔ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم نے ایک بار طواف کے دوران خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کتنا پاکیزہ ہے تو!
اور کتنی خوش گوار فضائیں، کتنا عظیم ہے تو اور کتنا محترم ہے تیرا مقام! مگر اس خدا کی قسم، جس کے
قبضے میں محمد کی جان ہے، ایک مسلمان کی جان اور اس کے مال کا احترام اللہ کے نزدیک تیری حرمت
سے زیادہ ہے، (ابن ماجہ)۔

اخوت کیلئے حقوق کی ادائیگی نہایت ضروری ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: ”جیسے موت ہمارے لئے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے ہے اور گویا حقوق کی ادائیگی ہم
پر نہیں، بلکہ محض دوسرے لوگوں پر واجب ہے اور جن مردوں کے ساتھ ہم قبرستان تک آتے ہیں
گویا وہ چند دن کے مسافر ہیں۔ جو واپس اگر ہم سے ملیں گے، ہم ان کو دفن کر دیتے ہیں۔
اور ان کا مال ایسے امینان سے کھاتے ہیں، جیسے ہم کو ان کے بعد دنیا میں ہمیشہ رہتا ہے۔“

مبارکباد ہے اس کیلئے جو اپنے عیوب پر نظر کر کے دوسروں کی عیب جوئی سے بچا رہے۔ اور جس نے لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ۔۔۔ اعجاز القرآن)

- ۱۔ جب اس سے ملنا ہو تو سلام کرو
- ۲۔ جب وہ تجھ کو بلائے تو قبول کرو
- ۳۔ جب خیر خواہی چاہے تو خیر خواہی کرو
- ۴۔ جب چھینکے اور الحمد للہ کہے، تو یرحمک اللہ کہو
- ۵۔ جب بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو اور جب مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جائے (صحیح مسلم)
- طبرانی میں کچھ مزید حقوق کا ذکر ہے جو یہ ہیں۔
- ۷۔ اگر ادھار مانگے تو اس کو قرض دے
- ۸۔ شکا ہے تو اس کو کپڑے پہنائے
- ۹۔ خوشی میں مبارکباد دے، مصیبت میں تسلی دے۔

۱۰۔ اپنے مکان کو اس کے مکان سے اونچا نہ کرے۔ ۱۱۔ اور اپنے چولہے کے دھوئیں سے اس کو ایذا نہ پہنچائے (طبرانی)

آپؐ نے فرمایا: کہ مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق ہے اور اس سے بڑا کفر ہے (بخاری مسلم) وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ فریب کرے (ترمذی)۔ منافق کی آپؐ نے تین نشانیاں بتائی ہیں:

- ۱۔ جب وعدہ کرنے کا نہ کوئے
 - ۲۔ جب جھگڑے تو گالی بکے
 - ۳۔ جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے
- آپؐ نے فرمایا: کہ جو شخص بیوہ اور غریبوں کے کام میں سعی کرے، وہ اس شخص کے برابر ہے جو جہاد میں سعی کرے (بخاری مسلم)۔

آپؐ کا ارشاد ہے:

واللہ فی عون العبد ما دام العبد
فی عون أخیه
اللہ تعالیٰ بندے کی مدد اس وقت تک کرتا
رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا
رہتا ہے۔

ایک اور حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:۔ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت میں ایسا دیکھو گے۔ جیسے بدن ہوتا ہے۔ جب ایک کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی

اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے (بخاری و مسلم) ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا،
 المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلّمه
 ومن كان في حاجة أخيه كان الله
 في حاجته ومن فرّح عن مسلم
 فرّح الله عنه كربة من كربة
 يوم القيامة ومن ستر مسلماً
 ستره الله يوم القيامة (بخاری و مسلم)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ
 اس پر نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو کسی
 (ظالم) کے حوالہ کرتا ہے اور جو شخص اپنے
 بھائی کی ضرورت و حاجت پوری کرنے میں لگا
 رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کر رہتا
 ہے اور جس نے کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور
 کی، تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی کوئی تکلیف
 دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی عیب
 پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی
 عیب پوشی کرے گا۔

ہم غیبت کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں اور کوئی مجلس غیبت سے خالی نہیں ہوتی۔ رسول خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ غیبت یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا پیٹھ پیچھے ایسا ذکر کرنا کہ
 اگر اسے معلوم ہوتا تو اسے ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا، کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہتا
 ہوں، آپؐ نے فرمایا، کہ اگر وہ بات اس میں موجود ہو جو تو کہتا ہے تب تو تو نے اس کی
 غیبت کی، اور اگر نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا (مسلم) آپؐ نے فرمایا: کہ
 غیبت زنا سے زیادہ سنگین ہے۔ کیونکہ زانی اگر توبہ کرے تو اس کی معافی اور مغفرت ہو
 سکتی ہے۔ مگر غیبت کرنے والے کو جب تک وہ شخص جس کی غیبت کی گئی ہے معاف
 نہ کرے اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوگی (بہیقی شعب الایمان)

حجۃ الوداع کے خطبے میں آپؐ نے فرمایا: کہ مسلمان کی جان و مال کی اس طرح حرمت ہے
 جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے۔ اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔
 ۱۔ آپؐ نے فرمایا: کہ آدمی کیلئے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے
 مسلمان کی ساری چیزیں، اس کی جان، اس کا مال اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان
 پر حرام ہے۔ (مسلم)

۲۔ آپؐ نے فرمایا ! جو کسی پریشان حال کی مدد کرے ، اللہ تعالیٰ اس کیلئے بہتر مغفرتیں قیامت کے دن لکھے گا ۔ جن میں سے ایک مغفرت تو اس کے دنیا کے کاموں کی اصلاح کیلئے ہے ۔ باقی بہتر مغفرتیں قیامت کے دن اس کیلئے درجات ہو جائیں گی ۔۔۔۔ (بہیقی ۔۔ مشکوٰۃ)

آپؐ نے فرمایا !
کہ مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے جب کوئی اس میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دیتا ہے (بخاری ۔ ادب المفرد) آئینے کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دیکھنے والے پر اس کا عیب ظاہر کر دیتا ہے ، مگر دوسرے سے اس کا ذکر نہیں کرتا ۔

آپؐ نے فرمایا !
تھا دو ائتخالوا (مشکوٰۃ)
(ایک دوسرے کو) بدینہ دیا کرو ، اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے ۔۔

آپؐ نے فرمایا !
کہ وہ سات آدمی ہیں جن کو بروز قیامت جبکہ سایہ خداوندی کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سایہ تلے جگہ دیں گے ، ان میں سے وہ دو آدمی بھی ہیں کہ جنہوں نے (صرف اللہ کی رضا کیلئے) باہم محبت کی ، اسی پر مٹے رہے ، اور اسی پر جدا ہوئے ۔ (بخاری ۔۔ مسلم)

جس طرح میں پہلے عرض کر چکا ہوں ، کہ اخوت کا تقاضا ہے ، کہ ایشار و قربانی کا جذبہ اپنے اندر پیدا کیا جائے ۔ مسلمانوں نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا ہے ۔ بدینہ منورہ میں ابتدا میں تنگی ترشی کا دور مسلمانوں پر گزرا ہے ۔ ایک دفعہ ایک مہمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپؐ کے پاس اس کو کھلانے کیلئے کچھ نہ تھا ، آپؐ نے فرمایا ! کون ہے جو اس کو اپنا مہمان بنائے ، ایک صحابی نے اس کو مہمان بنانے کی پیشکش کی ، چنانچہ مہمان کو ساتھ لے کر وہ صحابی گھر پہنچا ، مگر گھر میں کھانا صرف اس قدر تھا ، کہ صرف مہمان کیلئے کافی ہو سکتا تھا ، لہذا انہوں نے بچوں کو بہلا کر مہمان کو سلا دیا ، ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کو گل کر دیا ، خود منہ چلا رہے تھے ۔ تاکہ مہمان کو معلوم نہ ہو کہ میزبان کھانا نہیں کھا رہا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قربانی و ایشار کی قدر فرمائی ، اور قرآن پاک میں

مستقل طور پر آیت نازل فرمائی جو یہ ہے :۔

وَلْيُؤْتِرُونَ عَلَى الْفَسْمِ
وَلَوْ كَانَ بِمِوْخَصَا صَةِ
(یہ لوگ) مقدم رکھتے ہیں، اُن (دوسروں)
کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہوا اپنے اوپر
(حشر - ۹) فاقہ -

یہ تھا ایک اجمالی خاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داعی امن و اخوت ہونے کا یہ
موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر سیکڑوں صفحات لکھے جاسکتے ہیں، مگر مقالہ مختصر
لکھنے کو کہا گیا ہے یعنی دس پندرہ صفحات کے اندر اندر مقالہ محدود ہونا چاہیئے۔ اس
لئے قلم روک رہا ہوں۔

وَأَخِرُ دَعْوَانَا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیغمبر اسلام بحیثیت داعی امن و اخوت

شبیر احمد بلوچ، کوئٹہ

آج سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے اسلام کا ظہور ہوا، اس سے پہلے کے حالات و واقعات جہالت کی تاریکیوں پر مبنی تھے۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا۔ انسانیت و تشریفِ محبت و یگانگت اور امن و اخوت کے نام کسی کوئی چیز کرہ ارض پر دکھائی نہیں دیتی تھی۔ جس کی لاسٹھی اس کی عینیں کا قانون ہر جگہ رائج تھا۔

پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جبرائیم پیشہ قبائل آباد تھے۔ تمام ملک قتل و غارت گری سفاکی خون ریزی کے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ تمام قبائل نہ ختم ہونے والی جنگ کی رنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں ہزاروں لوگوں کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی۔ ابتدا میں خود اسلام کا یہ عالم تھا کہ پیغمبر اسلام تین برس تک تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ انہیں امن میں لے کر اتنا موقع دلا دیں کہ خدا کی آواز لوگوں تک پہنچائی جائے۔

انسانی جان کا احترام جب اکٹھا جائے انسانی حقوق پامال ہوں تو انفرادی اور اجتماعی فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ فتنہ و فساد بہت سی صورتوں میں نمایاں ہوتا ہے جو افراد بھی برپا کرتے ہیں اور گروہ بھی، اس کے ذمہ دار بن جاتے ہیں۔ افراد کے حقوق پامال ہوتے ہیں، نسلیں اور کھنیاں برباد ہوتی ہیں۔ مذہبی آزادیاں مجروح ہوتی ہیں اور ہر جگہ امن و اخوت قائم کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یہ لوگ جب کبھی جنگ اور خون ریزی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔“ یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو

اللہ مفندون کو پسند نہیں کرتا۔“

چنانچہ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کے ایسے پیغمبر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جو ان تمام برائیوں کے خلاف آواز بلند کرے ہر کس و ناکس کو دعوت دے کہ وہ امن و اخوت کی زندگی بسر کریں لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرے اور برائیوں سے روکے۔ قرآن حکیم اس حقیقت سے باخبر کرتا ہے کہ انسان کی تمام تنگ و دو سکون و عافیت کے حصول کیلئے ہوتی ہے اور اسی کا درس پیغمبر اسلامؐ نے اپنی امت کو دیا۔

مسلمان ہونے کی حقیقت سے سہارے لئے پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی حیات طیبہ کا ایک ایک گوشہ اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل ہے گویا اسی نور اول و آخر کے کسب فیض سے ہم اپنے ایمان و عمل کو منور کر کے ہی دنیا کے لئے مہینع رشد و ہدایت بن سکتے ہیں اور اسی ہادی عالم کا انتظام حیات ہی ہمیں دنیا کیلئے امن و امان اور آخرت و فلاح و کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے اگر ہم امن عالم کے حوالے سے آپؐ کی سیرت و کردار پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آپؐ کی تمام زندگی امن و اخوت اور اتفاق و اتحاد کیلئے پیہم کوششوں اور جہد مسلسل سے عبارت ہے حقیقت بھی یہی ہے آپؐ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت العالمین بنا کر بھیجا گیا۔ آپؐ کسی ایک قوم ملک قبیلے یا کسی خاص طبقے کیلئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کیلئے پیغمبر بن کر تشریف لائے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے جو دین حق دیا اور جس پر آپؐ نے خود عمل کر کے اسے ایک کامل اور مکمل نظام حیات ثابت کر دکھایا کہ یہی دین اسلام ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں بالفاظ دیگر آج بھی اسلام کی ان لازوال تعلیمات پر عمل کیا جائے تو یہ دنیا امن و آشتی اور محبت و اخوت سے بریز ہو کر جنت نظیر بن جائے۔ آپؐ کی تعلیمات و ارشادات اور سیرت و کردار میں صحرائے عرب میں وہ انقلاب برپا کیا کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے آپؐ نے اپنی رحمت و شفقت، محبت، خلوص اور امن و اخوت سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو ہر برائی سے پاک و صاف معاشرہ کہلاتا تھا اور جو رستہ دنیا کے لئے نمونہ کامل اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پیغام امن

اسلام وہ دین ہے جو انسان کو امن و عافیت اور سلامتی سے بہرور کرتا ہے اور اس کے دل و دماغ کو ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز کرتا ہے۔ اس کی صحیح اتباع انسان کو

عظمت و رفعت سے ہمکنار کرتی ہے اس کا سب سے پہلا اور آخری حکم بھی یہی ہے کہ بندہ خدا کی بارگاہ میں خود سپردگی اطاعت اور تسلیم و رضا کا پیکر اتم بن جائے، اسلام میں امن و سلامتی کا مفہوم دو لحاظ سے کامل ہے۔

۱۔ لازم ۲۔ متعدی

لازمی کے اعتبار سے اسلام امن و عافیت کو پالنے اور ہر قسم کے خوف اور خطرے سے محفوظ ہو جانے سے عبارت ہے۔ لہذا مسلمان وہ شخص ہے جو اسلام کے باعث دنیا اور آخرت میں امن و عافیت پائے اور خوف و غم سے محفوظ ہے اسلام اپنے پیروکاروں کے مصائب اور مشکلات سے حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اس لئے امن و عافیت کا یہ مفہوم دین اسلام کے تمام پہلوؤں اور عملی گوشوں میں پوری طرح جاری و ساری ہے۔ اسلام ہی حقیقت میں راہِ نجات و فلاح ہے۔

متعدی معنی کے اعتبار سے اسلام دوسروں کو امن و سلامتی اور حفاظت و عافیت مہیا کرنے سے عبارت ہے اس لحاظ سے مسلم وہ شخص ہے جو دوسروں کیلئے باعثِ امن و عافیت ہو جس کے ذریعے دوسرے لوگوں کو سلامتی اور حفاظت کا احساس بیدار آئے۔

رسول اکرمؐ کی شخصیت نبی نوع انسان کیلئے امن و سلامتی کی پیامبر ہے آپؐ کے ارشادات و فرمودات سراپا امن و سکون اور محبت و جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب آپس میں ملو تو ایک دوسرے کو سلام کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ اسلام علیکم اور جواب میں وعلیکم السلام یہ وہ کلمات ہیں جو آپؐ نے تعلیم فرمائے حقیقت میں یہی جذبات اور احساسات ہیں جو وعابنِ کر اللہ کے ہاں قبولیت کا شرف حاصل کرتے ہیں اور باہمی تعلقات کو اپنے آغاز سے ہی امن و سلامتی کی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں، فرمایا! لوگو اپنے بیگانوں کو سلام کیا کرو۔ صحیح بخاری میں ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ دوسرے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوں۔ ترمذی شریف میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرنا ہے اور نہ اسے بے مددگار چھوڑنا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولنا ہے اور نہ اس سے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا ہے۔ آپؐ نے اپنے میلنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ انسان کو شر سے یہ بات کافی ہے کہ اپنے بھائی کو حقیر جانے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے ”دین و فاداری اور خیر خواہی کا نام ہے۔“
 صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ خیر خواہی اور فاداری کس کیلئے ہے۔ آپؐ نے فرمایا! ”اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب مسلمانوں کے ان حکام اور عوام کے لئے۔“ قرآن حکیم میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ جب تک دنیاۓ انسانیت کفر و باطل کے غلبے اور ظالمانہ اور مجرمانہ تسلط کے خاتمے کے ذریعے امن و عافیت کی دولت سے بہکنا نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت دین کی تکمیل کا اعلان نہیں کیا گیا تھا کیونکہ تکمیل اسلام کا اعلان دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دینے بغیر ممکن نہ تھا۔ گویا بندہ کے دل سے جب خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا اندیشہ و خوف نکل جائے وہ دنیا کے ہر نچ و خم سے آزاد ہو جائے تو اسی کیفیت کا نام اسلام کی حقیقت کا اس کے باطن پر ظاہر ہوتا ہے ایک موقع پر زبان نبوت سے وحی الہی کا اعلان ہوتا ہے ”اے ایمان والو! دین اسلام میں (جو امن پر مبنی ہے) مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

دین اسلام دراصل سلامتی کا دین ہے جس میں شریکی تمام قوتوں سے نجات کا راستہ بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جھگڑے اور فساد کو ہرگز پسند نہیں فرماتا۔ اور تلقین کرتا ہے کہ اس کے بندے امن و صلاح کی زندگی بسر کریں ارشاد باری تعالیٰ ہے ”لوگوں کے درمیان صلح کرو اور باکرو اور آپس کے جھگڑوں اور تنازعات کی اصلاح کر لیا کرو۔“

ہادی برحق، سرور کونین، احمد مجتبیٰ، حضرت محمدؐ کو دو جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس لئے آپؐ کا منشور نیکی کی دعوت دینا اور برے کاموں سے منع فرمانا ہے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے دوستی اور امن و بھائی چارے کا پیغام لیکر آئے، آپؐ نے ہر اس کام سے سختی سے روکا جو امن و سلامتی کیلئے نقصان دہ ثابت ہو سکے۔ آپؐ نے ہر قسم کے شر و فساد ظلم و تشدد اور جبر سے منع فرمایا آپؐ نے قرآنی آیات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی کیونکہ قرآن کی تعلیمات میں بنی نوع انسان کیلئے امن و آشتی اور صلہ اور سکون کا پیغام دیا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد برپا کرتے ہیں، ان کیلئے قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہوتا ہے کسی سزائے پر اصلاح (امن قائم) ہونے کے بعد فساد نہ کرو بلکہ حکم دے دیا اور ایک اور موقع پر ارشاد ہوتا ہے ”تم لوگ اے امت محمدؐ باقی لوگوں کیلئے ایک بہترین قوم ہو اس لئے تم معروف کا حکم دیتے ہو اور شکر سے روکتے ہو اور خدا پاک کی ذات پر کامل یقین رکھتے ہو قرآن پاک کی انہی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو معاشرے

کو امن و سلامتی اور اخوت و محبت سے ہمکنار کیا جاسکتا ہے ۔

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے تو (اہل قریش) میں اس (دعوتِ نبوت) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر رہا اب کیا تم نہیں سمجھتے ۔ اس آیت مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید میں یہ اعلان کیا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی ہمارے سامنے ہے قبل از نبوت بھی آپ پاکیزہ صفات کے حامل تھے اور جب کے تم اس بات کے گواہ ہو بلکہ الصادق الامین کے لقب سے پکارتے رہے ہو تو اب اعلانِ نبوت پر یہ تصور سنگامہ کیوں ؟ درحقیقت وحی الہی نے پیغمبر اسلام کی سیرت و کردار کو ان کی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے ۔

اعلانِ نبوت سے قبل آنحضرتؐ نے ہمیشہ ایک انسانِ کامل عرب کے اس معاشرے میں جہاں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور جہاں آپؐ نے اپنا بچپن گزارا پھر جوان ہوئے اور چالیس سالہ عمر عزیز کا طویل عرصہ گزارا امن و اخوت اور محبت و یگانگت کیلئے کیا کردار ادا کیا ؟ کیا مسماعی جلیلہ سر انجام دیں ! جس معاشرے کی پہچان ہی ظلم و بربریت قتل و غارت و دیگر ستمی صفات سے تھی جن کو قرآن نے جاہلیتِ اولیٰ کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ جن کے اعمال بد سے تاریخ کے اوراق بھی سیاہ ہیں ۔

یوں تو تاریخ کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں جنہوں نے آنے والوں کیلئے اپنی تعلیمات و کردار کو نمونے کے طور پر پیش کیا ! ایک طرف شاہانِ عالم کے عالی شان و پر شکوہ دربار ہیں ، سپہ سالاروں کے جنگی پہرے ہیں ، علماء و فلاسفوں کا گروہ ہے دولت مندوں کے خزانے اور تجوریاں ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک آدم کے بیٹوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے ۔ مقدونیہ کا سکندر ، روم کا یزید ، ایران کا دارا ، یورپ کا نیپولین اور ہر ایک کی زندگی کشش رکھتی ہے سقراط ، افلاطون ، ارسطو ، ویوجانس اور یونان کے دیگر فلسفیوں سے لیکر سپینزک تمام حکما اور فلاسفہ کی زندگی میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے فرود و فرعون اور ابو جہل اور ابولہب کی دوسری زندگی ہے اور دوسرا کردار فارون کا الگ رنگ ہے ۔ لیکن تبائیے ان میں سے کتنوں کی زندگی امن ، عالم کیلئے نمونہ بنی ؟ کس کی زندگی انسانیت کی فلاح و سعادت ، امن و عافیت محبت و اخوت کا قابلِ تقلید نمونہ بن سکی ۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے سپہ سالار جنہوں نے تلوار کی نوک سے تختے الٹ دیئے کیا ان کی تلوار کی کاٹ میدانِ جنگ سے آگے بڑھ سکی ؟ ظلم و تشدد ، نفرت و عداوت کی بیڑیوں

کوٹاٹ سکی، انسانوں کی باہمی تعلقات کی گھنٹی بھی سلجھا سکی، پرامن و پرسکون معاشرے کا کوئی خاکہ پیش کر سکی۔ ہماری روحانی یا دینیوں، ناامیدوں کا کوئی علاج بتا سکتی۔ ہمارے دلوں کی ناپاکیوں اور رنگ کو مٹا سکی، ہمارے اخلاق و اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی۔

دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے لیکن خیالی دنیا کے شہنشاہی دنیا میں بالکل بے کار ثابت ہوئے۔ افلاطون دہرے سے لیکر آج تک کوئی بھی اپنی پیشین گوئیوں کے باوجود کوئی مثالی معاشرہ نہ تشکیل دے سکے۔ اپنے حسنِ عمل کا کوئی خوش نما نمونہ اپنے پیچھے نہ چھوڑ سکے، اس لئے قرآن پاک نے کہا ہے۔ اور شاعران کی پیروی بہکے ہوئے لوگ کہتے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا وہ بڑی میں بٹکتے رہتے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں اس کو کرتے ہیں لیکن جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو خیالی دنیا میں رہتے ہیں جو صرف زبانی اور نظریاتی فلسفہ تک محدود ہیں قرآن نے ان لوگوں کا حال بھی بیان کیا ہے جنہوں نے دنیا کے سیٹھ پر بادشاہت اور حکمرانی کا تاج پہن کر چار دانگ عالم حکومت کی ہے۔ قوموں کی جان و مال پر قابض ہوئے ایک ملک کو کو اجاڑا دوسرے کو لسیا ایک سے چھینا دوسرے کو دیا لیکن ان کا نقشہ وہی رہا جیسے قرآن نے ملکہ سبا کی زبانی ارشاد فرمایا! بے شک بادشاہ کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو بگاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور جمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا لیکن تنہائیوں اور غارت خانوں کے روپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکے۔ انہوں نے بازاروں اور راستوں میں امن و امان قائم کیا لیکن دلوں کی بستی کو امن اور اخوت کی شمع سے روشن نہ کر سکی انہوں نے مملکت کا نظم و نسق درست کیا، لیکن روح کی مملکت، دل و دماغ کی دنیا ان سے آسودہ نہ ہو سکی۔ بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی ان ہی کے درباروں، قلعوں، محلات کی غلام گردشوں سے نکل کر ہر جگہ پھیلی رہی کیا سکندر اور سینرز جیسے بادشاہوں اور ماضی قریب کے شہنشاہ ایران بھی ہمارے لئے کچھ چھوڑ گئے یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں بلکہ عملی تاریخ کا سوال ہے اور جواب نفی۔ آج دنیا میں اگر کوئی بہتر ہے تو پیغمبر اسلامؐ کی سیرت، اور کوئی کردار ہے تو پیغمبر اسلامؐ کا کردار ہے، اگر کوئی مذہب ہے تو پیغمبر اسلامؐ کا مذہب ہے، اگر کوئی نظریہ ہے تو پیغمبر اسلامؐ کا نظریہ ہے جو آج بھی دنیا، عالم تین امن و اخوت کا سبق دیتا ہے عمل کی صورت میں اس کا ضامن

بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی اور لمبی زندگی سے متعلق بھی آپ کی سیرت و کردار کے حوالے سے ہمیں بہت سے امور کا پتہ چلتا ہے جیسے ایامِ رخصت، والدہ مکرمہ کا انتقال سفر تجارت بحیرہ راسب کی ملاقات، سیدہ خدیجہ سے نکاح وغیرہ لیکن ہم صرف ان واقعات اور تاریخی شواہد سے استفادہ کریں گے۔ جو موضوع زیر بحث سے متعلق ہے ان میں سے ایک اہم ترین واقعہ جو تمام مورخین نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نو عمری میں ہی اپنی کوششوں سے ایک ایسے ادارے کی داغ بیل ڈالی تھی جس کا نصب العین ہی قیام امن تھا۔

مشہور سیرت نگار علامہ سلیمان سلمان منصور پوری اپنی کتاب رحمتہ للعالمین میں فرماتے ہیں۔ انہی دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر قبیلوں کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو ملک کی بے امنی، راستوں کا خطرناک ہونا اور مسافروں کا لٹنا، غریبوں پر زبردست ظلم بیان کر کے ان سب باتوں کی اصلاح پر توجہ دلائی آخر ایک انجمن قائم ہوئی جس میں نبوہاشم اور بنو عبدالمطلب، بنو اسعد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے اس انجمن کے ممبر مندرجہ ذیل عہدہ و امور کیا کرتے تھے۔ (یعنی علف اٹھایا کرتے تھے)

۱۔ ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے۔

۲۔ ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

۴۔ ہم زبردست کو زبردست پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔

آپ کی کاوش عمل سے قائم ہونیوالی اس انجمن نے موثر کام کیا اور بنی آدم کی جان و مال کی بہت کچھ حفاظت ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ نبوت کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے۔ اگر آج بھی کوئی اس انجمن کے نام سے مدد کو بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کو تیار ہو جاؤں گا۔

علامہ منصور پوری تشریح کرتے ہیں کہ انگلستان میں ٹاٹ بڑا آرڈر جو اس انجمن کے کئی صدیوں بعد ہوا تھا اس کے ممبران اسی انجمن کا حلف اٹھایا کرتے تھے۔ ملک و قوم کی طرف سے صادق و امین کا لقب ملنا۔ یہ اور ایسے دیگر نیک اور صالح کاموں کی وجہ سے تھے۔ آپ اپنے

ملک اور قوم میں اتنے ہر دل عزیز تھے کہ لوگ آپ کو نام بیکہ نہیں بلاتے تھے۔ بلکہ الصادق یا الامین کہہ کر پکارتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۵ سال کی تھی جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو جس کی دیواریں سیلاب کے صدمے سے پھٹ گئی تھیں از سر نو تیار کیا عمارت کے بنانے میں گو سب شامل تھے مگر جب حجرِ اسود رکھنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف ہوا۔ کیونکہ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ کام اس کے ہاتھ سے انجام پائے چار دن تک برابر یہی جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر ایک معمر شخص جس کا نام مورخین نے ابوامیہ بن مغیرہ لکھا ہے نے یہ تجویز دی کہ کسی کو حکم مقرر کیا جائے اور اس سے اس قصہ کا فیصلہ کر لیا جائے۔ اس کی رائے کو منظور کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ کل صبح جو کوئی سب سے پہلے حرم میں آئے گا وہی سب کا حکم سمجھا جائے گا۔ اتفاقاً آنحضرت تشریف لے آئے آپ کو دیکھنا تھا کہ نہ الامین کے نعرے لگ گئے۔ امین آگیا، ہم سب اس کے فیصلے پر رضامند ہیں۔ داعی امن و اخوت نے اپنی معاملہ فہمی اور زیر کاری سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہو گئے اور سب نے اختلاف و انتشار کی جگہ امن و اخوت کی شمع روشن کر دی، آپ نے ایک چادر بچاٹی اور پتھر اس پر رکھ دیا اور پھر ہر قبیلے کے سردار کو کہا کہ چادر کو اٹھاؤ اور وہاں تک لائیں جہاں اسے قائم کرنا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسے اٹھا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو نیچے پر نصب کر دیا جہاں سے طواف کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ پیغمبر اسلام داعی امن و اخوت جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا یہ حصہ جو اعلانِ نبوت سے شروع ہو کر حیاتِ طیبہ کے آخری سال تک جاری رہا جس میں مکی اور مدنی زندگی کے ماہ و سال شامل ہیں یہی وہ عہدِ نبوی ہے جو تاریخ کا دھارا موڑتا ہے اور یہی وہ عہدِ مبارک ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار و عمل سے تاریخِ عالم پر وہ نقوش ثبت کئے ہیں جو قیامت تک آئینہ الی نسلِ انسانیت کیلئے مینارِ نور کا کام دیتے رہیں گے۔ اس عہدِ نبوی زندگی کے وہ ماہ و سال بھی شامل ہیں جو آپ نے ظلم و تشدد سے گزرا، شعب ابی طالب میں سختیاں اٹھائیں۔ طائف میں دعوت امن و اخوت کی خاطر پتھر بھی کھائے گالیاں بھی سنی لیکن آپ کے پلے استقامت میں لغزش نہ آئی اور آپ پوری شانِ نبوت سے سلامتی بھائی چارے امن و اخوت و اے دینِ حق کی خاطر مصائب و الم برداشت کرتے رہے اور دعوت الی الحق کی سعی و عمل کرتے رہے اور اس میں عہدِ نبوی کا وہ مدنی دور بھی شامل ہے جس میں آپ نے امن و اخوت

پر مبنی اسلامی معاشرے کی تشکیل فرمائی اور مدینہ منورہ میں پہلی مثالی اور عملی سیاست کی بنیاد رکھی اگرچہ کفار اور مشرکین مکہ نے آپ کے قائم کئے ہوئے ریاستی نظام کو تہہ بالا کرنے کیلئے کئی بار جنگ مسلط کی مدینہ منورہ پر بھی حملہ آور ہوئے جنگ بدر واحد میں اور دیگر کئی مقامات میں کئی مسلمان شہید بھی ہوئے لیکن آپ نے اپنے کردار و عمل سے امن و اخوت کے اس پودے کی حفاظت فرمائی اور بلاآخر حتمی فلک نے فتح مکہ کا وہ منظر بھی دیکھا جب فوج و رفوج اور جمیعت و رجمیعت لوگ دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔

غلبہ کامل، قوت و شوکت، طاقت و عظمت، قدر و اختیار کا یہ مقام حاصل کرنے کے باوجود آپ نے سیرت و کردار کا وہ عملی مظاہر فرمایا کہ تاریخ آدم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح مکہ کے روز خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اندر جا کر اللہ اکبر کی صد بلند کی پھر ایک گوشے میں غار شکرانہ پڑھتے ہوئے نہایت عجز و نیازی سے رب العزت کے حضور سرسجود ہو گئے۔ سجدہ شکر کے بعد باہر نکلے، اس عرصہ میں مکہ کے سب سردار، بڑے بڑے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جنہوں نے بیسویں مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ سینکڑوں مسلمانوں کو اذیت دے دے کر گھر سے نکالا تھا۔ جن کے ہاتھوں آپ کو کئی بار اذیت اور تکلیف مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ دین اسلام کو اور مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ جنہوں نے حبشہ، شام، نجد اور یمن تک سفر کرنے اور اپنے وطن سے بے وطن کیا تھا۔

جنہوں نے مسلمانوں کو فنا کرنے اسلام کو مٹانے کیلئے مال و زر سے، زور و تدبیر سے طاقت و تشدد سے، ظلم و جبر سے، سارا زور لگا کر اپنی کوششوں میں اکیس سال تک منہمک رہے تھے، سب حاضر تھے اور خدا کے رسول کا فیصلہ شننے کیلئے منتظر تھے، پیغمبر اسلام جن کو خدا نے ساری مخلوق کیلئے رحمت بنایا۔ خانہ خدا کی چوکھٹ کو پکڑ کر کھڑے ہوئے تھے اور اعلان فرماتے ہیں اے جماعت قریش خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا۔ (پس تو یہ ہے) کہ سب لوگ آدم کے فرزند ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ خدا فرماتا ہے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، قبیلے اور جماعتیں سب پہچان کے لئے بنادیئے ہیں اور خدا کے ہاں اس کی زیادہ عزت ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے پھر فرمایا۔ جاؤ تم آزاد ہو اور تم پر آج کے دن کوئی مواخذہ نہیں۔

- اس سے پہلے آپ شکر اسلام کو ہدایت دے چکے تھے کہ :
- ۱۔ جو کوئی شہید یا پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے ۔
 - ۲۔ جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھا ہے ، اسے قتل نہ کیا جائے ۔
 - ۳۔ جو شخص خانہ کعبہ کے اندر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے ۔
 - ۴۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے ۔
 - ۵۔ جو شخص حکیم بن خزام کے گھر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے ۔
 - ۶۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے ۔
 - ۷۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے ۔
 - ۸۔ اسیر کو قتل نہ کیا جائے ۔

رسول پاکؐ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جس امن و اخوت پر مبنی اسلامی معاشرے کو تشکیل دیا تھا اس میں آپؐ نے ایک ایک شخص کو اخوت و محبت کے رشتے میں اس طرح منسلک کر دیا تھا جس طرح آپؐ نے مکی زندگی میں اہل مکہ کے درمیان قائم کرنے کا آغاز کیا تھا ۔ لیکن جو مواعیات مہاجرین و انصار کے درمیان قائم کی گئی تھی وہ زیادہ مشہور ہے ۔

اس مواعیات کا یہ اثر ہوا کہ سارے کا سارا معاشرہ امن و اخوت کے رشتے میں بندھ گیا اور اگر کوئی ایک مسلمان بھی اگر کسی دوسری قوم سے معاہدہ کر لیا تھا تو پوری قوم اس معاہدے کی پابندی کرتی تھی ۔ یہ اس مواعیات کا ہی اثر تھا کہ اہل مدینہ (انصار) نے اپنے منقولہ وغیرہ منقولہ سوال و جواب اور انصاف اپنے مہاجر بھائیوں کیلئے تقسیم کر دیا تھا ۔

پیغام اخوت :

ہادی برحق سرکار دو جہاں احمد مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں امن کا پیغام دیا وہیں اخوت کیلئے بھی بھرپور تلقین فرمائی ۔ آپؐ کی دعوت امن و سلامتی اور پیار و محبت قائم کرنے کی دعوت تھی امت مسلمہ کو انہی رشتوں سے مضبوط کر کے آج بھی نیکی و فلاح کا راستہ دکھایا جاسکتا ہے ۔

بنیادی طور پر مومن اخوت اور بھائی چارے کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے ۔ کیونکہ

قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ ”مومن بھائی بھائی ہیں“ چنانچہ مومن کے دل دریاغ میں دوسروں کے لئے بھلائی امن و خیر خواہی کے جذبات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! دین خیر خواہی کا نام ہے، اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کامل وہ ہے جس کا وجود انسانیت کے لئے سراسر نفع اور آسودگی کا باعث بن جاتا ہے۔ جس کا جینا بھی دوسروں کی خاطر ہوتا ہے اور مرنا بھی دوسروں کی فلاح و بہبود کیلئے، جس کا ایک لمحہ دوسروں کی بھلائی کیلئے بسر ہوتا ہے جو اپنے دل میں پوری انسانیت کا درد و غم رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ کا ہے!

”مومن (ہر دوسرے) مومن کیلئے ایک دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ مل کر قوت پکڑتا ہے۔“

یعنی جس طرح دیوار میں ہر اینٹ دوسری سے سہارا لیتی ہے اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی ربط کی وجہ سے ایک مضبوط و مستحکم دیوار وجود میں آجاتی ہے کس طرح مومن ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔ اور یوں نفع بخشی اور فیض رسانی سے ایک مضبوط و مستحکم معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔

انوت و بھائی چائے کے ان جذبات کے باعث مسلم معاشرہ اتحاد کی علامت بن جاتا ہے اس کے ہر فرد میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے بجائے دوسروں کے نفع و نقصان کو پیش نظر رکھے اگر کوئی اس کے کسی بھائی پر ظلم کرنا چاہے تو وہ اس کا صہارا بنتا ہے کوئی کسی کو ستانا چاہے تو وہ اس کی مدد کو دوڑتا ہے۔ اس طرح معاشرہ اتحاد و اتفاق اور باہمی تسامح و تعاون میں جبر و احد کی طرح مستحکم حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ارشاد نبویؐ کا ہے!

”مومن کی مثال آپس میں محبت رحمت اور ملاحظت کے حوالے سے ایک جسم کی طرح ہے کہ جب کوئی حصہ تکلیف کرتا ہے تو تمام جسم شب بھر جاگنے، درد سہنے اور بخار میں مبتلا رہنے میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔“

درد خواہ جسم کے کسی حصے میں ہو بے چینی پورے جسم میں ہوتی ہے۔ یہی مثال مومن کی ہے۔ وہ اپنے بھائی کیلئے درد مندی اور بھی خواہی کی علامت بن جاتا ہے۔ ارشاد نبویؐ کا ہے۔

” لہذا تم اس وقت تک مومن ہو نہیں سکتے جب تک تم اپنے بھائی کیلئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرنے لگو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ یہ حدیث ایمان کے ادنیٰ و اعلیٰ دونوں درجوں کو بڑی عمدگی سے بیان کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“

ایمان کا ادنیٰ درجہ تو یہ ہو گا جو سکھ چین تم اپنے لئے پسند کرتے ہو جو نفع اور آسائش تمہیں اپنے لئے محبوب ہیں وہی تمہیں دوسروں کیلئے بھی محبوب ہونی چاہیے لیکن اگر ایمان کا اعلیٰ درجہ جانا ہو تو پھر ارشادِ رسول کریمؐ کو یوں پڑھا جائے ”جہاں تک کہ جو کچھ تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی بجائے خود دوسروں کیلئے پسند کرنے لگو۔“

اس صورت میں فرمانِ نبوی کے مطابق کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنی سہولت، اپنی آسائش، اپنے مال، اپنی جملہ محبوب و مرغوب اشیاء کو دوسروں کے نفع اور آسائش کیلئے قربان کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

ایمان کے ادنیٰ درجے میں انسان نے خود کو مقدم رکھا تھا مگر اپنی پسندیدہ شے میں دوسروں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ مگر ایمان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے جو شے آپ کو پسند ہے اسے اپنے استعمال کرنے کی بجائے۔ دوسروں کے استعمال میں لے آئے اور خود مؤخر کر دے، جہاں ذات کے سارے مفادات دوسروں کی خاطر قربان ہو جائیں وہاں ایمان اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ ایمان کا اعلیٰ درجہ ایثار و قربانی کے اعلیٰ درجے کی طرف انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ایثار و قربانی کا وہی جذبہ ہے جو انسان کو خود سب کا پیاسا رکھے۔ اور دوسروں کے کام و دھن کی تواضع کرنے کے لافانی جذبات کا سبق دیتا ہے۔ جس کی سورۃ حشر میں یوں پذیرائی کی گئی ہے۔

” اور دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو حاجت مند کیوں نہ ہو۔ اس جذبے کی بنا پر میدانِ یرموک میں شامل مجاہدین نے عین جان بہ لب لمحوں میں بھی ایثار اور قربانی کے اس جذبے کا مظاہرہ کر کے عظیم مومنانہ طرزِ عمل کی مثال قائم کر دی تھی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ زندگی کے آخری لمحات میں وہ کون سا جذبہ تھا۔ وہ ان جوان صحابہ کو اپنے منہ کی طرف پانی لے جانے کی بجائے دوسروں کے منہ کی طرف بڑھانے کا سبق دے رہا تھا۔ تین ہاتھوں گھومنے کے باوجود وہ پیالہ کوئی بھی نہ پی سکا۔ مگر جذبہ

اِبتارنے ان صحابہ کو وہ ابدی تسکین بہم پہنچائی جو ہزار پائے پینے کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ زندگی اور اس کے مل و متاع سبباً فی جانی چیزیں ہیں مگر مومن کا یہ جذبہ اور اس کے اثرات دنیا اور آخرت میں لافانی ہیں۔

اگر انسان میں اپنی زندگی قربان کر کے دوسروں کی زندگی بچانے کا حوصلہ پیدا ہو جائے اگر نزع کے وقت بھی خود کو ملے ہوئے پانی کے گھونٹ سے دوسروں کی زندگی بچانے کی تڑپ پیدا ہو جائے تو اس سوچ میں ایمان کامل کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

یہی وہ انقلابی نظام تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکر اور طرز عمل سے دنیا کے سامنے پیش کیا اگر یہ جذبہ ہمارے دلوں میں راسخ اور معاشرے میں عام ہو جائے تو ہماری تقدیر سنور سکتی ہے قرآن مجید کی روشنی میں دیکھیں تو اس تصویر کی ایک جامع جھلک یوں دکھائی دیتی ہے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اسیلئے اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو (نزاع کو ختم کر دو)۔ اور خدا سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو نہ مرد مردوں کی سنسی اڑائیں (کیونکہ) تعجب نہیں کہ وہ سنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورت عورتوں سے مذاق کریں ممکن ہے کہ وہ ان سنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طغنه نہ فی نہ کرو اور ایک دوسرے کے بڑے نام نہ رکھو ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو کثرت بدگمانی سے بچو بے شک بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں اور عیب جوئی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں سے کوئی بندہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرد بھائی کا گوشت کھائے تمہیں گوارا نہ ہوگا۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن کی پہچان اور مومن کے اوصاف سے اخوت کی فضا قائم کرتے ہیں اور وہ درس تعلیم فرماتے ہیں جس سے ایک شخص کی محبت دوسرے کے ساتھ بڑھتی ہی نہیں کمالِ عرفیہ پر بھی پہنچتی ہے جس سے تمام فساد و انتشار خود بخود ختم ہو جاتے ہیں اور امن و عافیت کا نظارہ چشمِ زدن سے دکھائی دیتا ہے۔ ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

● مومن وہ ہے جس سے دوسرے اہل ایمان کی جانیں اور اموال محفوظ و مامون ہوں۔

● مومن مومن کا بھائی ہے اس کیلئے جائز نہیں کہ دوسرے بھائی کی خریدی ہوئی چیز کو خریدیں اور کسی دوسرے مومن کے سود پر نہ خود سودے کی گفتگو کرے اور وہ چھوڑ دے تو الگ بات ہے۔

● مومنوں میں سے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کا خلق سب سے اچھا بہتر ہو۔

● اللہ کی طرف سے مومن پر مومن کے سات حقوق واجب ہیں۔

۱۔ اس کے لئے نگاہوں میں عزت و تکریم ہو۔

۲۔ دل میں محبت و مروت ہو۔

۳۔ اسے اپنے مال سے حصہ دے۔

۴۔ غیبت نہ کرے۔

۵۔ بیمار پر سہی کرے۔

۶۔ جنازے میں شریک ہو۔

۷۔ اس کی موت کے بعد اسے بہتر کلمات سے یاد کرے۔

● سچا مومن وہ ہے جو فقیر پر اپنا مال خرچ کرے اور لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آئے۔

● مومن مومن کا آئینہ ہے اسے اس میں عیب نظر آئے تو اصلاح کر دے۔

● قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مومن کا قتل اللہ کے نزدیک دنیا کے زوال سے بھی بڑا ہے۔

● اکیلا مومن جماعت کی طرح ہے۔

الغرض قرآن و حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے دوست و بازو ہیں۔ انہیں آپس میں مل جل کر رہنا چاہیے باہم عزت و تکریم سے پیش آئیں، دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ اور ان کی خوشی کو اپنی مسرت اور انبساط کا باعث جانیں غیبت جوئی اور دوسرے معاشرتی عیوب کے مرتکب نہ ہوں۔

مومن کا ہر لمحہ دوسرے مومن بھائی کے لئے محبت اور مسرت کا پیغام لائے اس لئے کس طرح تکلیف کا باعث نہ ہو۔

اگر ہماری شخصیت ان اوصاف سے متصف ہے، تو ہم سچے مومن ہیں۔ خدا اور رسولؐ

خدا کے احکام و ارشادات پر عمل پیرا ہیں اور اتحاد و اتفاق پر مبنی ایک صالح معاشرے کو تشکیل دے رہے ہیں ورنہ ہمارے ایمان کے دعادی محض گفتار کی تنہائیوں میں گونجنی ہوئی آوازیں ہیں کھوکھلی اور بے وزن ۔

حرفِ آخر :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو کہ آپؐ نے امنِ عالم کیلئے ان تھک محنت اور جہد مسلسل سے نہ صرف فطری بلکہ بے مثال عملی نمونہ پیش کیا اور یہ امتیاز صرف آپؐ کو ہی حاصل ہے کہ آپؐ نے نظریہ اسلام کے ساتھ اپنی ذات کو عملاً نمونہ کے طور پر پیش کیا ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل و کردار ہمیں دعوتِ عمل دیتا ہے کہ اگر آج بھی ہم جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں اور آپؐ کی حیاتِ طیبہ سے روشنی حاصل کریں تو ہمارے موجودہ تمام مسائل حل ہو جائیں اور ہمارا معاشرہ امن و اخوت کے برکات و ثمرات سے مہمور ہو جائے ۔

- واعلیٰ الالبلاغ -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت داعی امن

علامہ کفایت حسین نقوی، منظر آباد

آفتاب نبوت کے طلوع کے وقت پوری دنیا پر کفر و ظلمت کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ انسان کی اخلاقی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ ہر طرف جہالت و ضلالت اور گمراہی و بد اخلاقی کا دور دورہ تھا۔ شدید نسلی و قومی تعصب، بے قید سیاست اور ظالمانہ معاشرتی اور مجلسی رسم و رواج، معاشی و معاشرتی بحران اس دور کے اہم اجتماعی مفاسد میں سے تھے۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل دنیا کی حالت امیر المؤمنین مولیٰ المسلمین، مقتدا جمہلہ اولیاء سیدنا علی ابن ابی طالب نے یوں بیان فرمائی ہے:

”اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانے میں مبعوث فرمایا، جب اللہ سے رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا۔ امتیں طویل غفلت میں تھیں۔ فتنے اور جنگاں سر اٹھائے ہوئے تھے۔ ہر امر کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ جنگ کی آگ (ہر طرف) بھڑکی ہوئی تھی۔ نور اور روشنی کا کہیں تپ نہ تھا۔ نادر سنیاں (ہر طرف) ہویدا اور آشکار تھیں۔ پتے زرد ہو گئے تھے اور (لوگ) اس کے پھل سے ناامید ہو چکے تھے۔ پانی زمین میں جذب ہو چکا تھا۔ (کھیتیاں، خشک ہو چکی تھیں۔ ہدایت کے نشان مٹ چکے تھے۔ ہلاکت اور بد بختی کے پرچم (ہر سو) لہرا رہے تھے اور وہ (دنیا) اپنے سننے والوں کیلئے غضب کا اور طلبکاروں کیلئے ترش روئی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس کا اثر فتنہ و فساد تھا۔ اس کا

کھانا مردار تھا ۔ اس کا اندر کا لباس خوف اور باہر کا پیرا بن تلوار تھی ۔

(نہج البلاغۃ خطبہ : ۸۹)

جب زمین پر فتنہ و فساد کی آگ بڑھتی چلی جانے لگی ۔ باہمی عداوتیں بڑھتی ہی چلی جانے لگیں ، تو خالق کائنات جو خود رحمن بھی ہے اور رحیم بھی ۔ اس نے دنیا کی حالت سنوائے کیلئے اپنے پیارے محبوب آقائے دو جہاں ، رحمت مجسم ، مینارہ ہدایت ، فخر رسل مولائے کل ، احمد مجتبیٰ ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کی یہ صفت بیان کی ۔

لقد جاءکم رسولٌ من أنفسکم عزیزٌ علیہ ما عنتم حریمٌ

علیکم بالمومنین رؤفٌ رحیمٌ (التوبہ : ۱۲۸)

(اے لوگو) بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسے رسول تشریف لائے

جن کو تمہارا تکلیف میں پریشان کن لگاوار ہے ۔ وہ تمہاری بھلائی بہت زیادہ چاہنے

والے ہیں اور خصوصاً ایمان والوں کے ساتھ نہایت ہی شفیق و مہربان ہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت بن کر آئے تمام زمانوں کیلئے اور تمام مخلوقات کے لئے ۔

معمولی سے معمولی زندگان خدا کیلئے ، کمزور سے کمزور انسانوں کیلئے ، جملہ مخلوق خدا کیلئے ، ہر گوشہ

زندگی کیلئے ، شجر و حجر کیلئے ، برگ و ثمر کے لئے ، آپ جو پیغام بیکر تشریف لائے وہ کسی قوم علاقہ

یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا ۔ وہ ایک عالمگیر پیغام تھا ۔ اس لئے فطری طور پر اس میں وہ

ساری خوبیاں ناگزیر تھیں جو برستی دنیا تک انسانوں کیلئے باعث ہدایت بن گئیں ۔ آپ کے لئے

ہوئے احکام میں اعتدال تھا ۔ آپ نے دنیا کے سامنے جو ضابطہ حیات پیش کیا ۔ اس کی اساس

فطرت پر تھی ۔

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عالم

انسانیت ظلم و جور ، قتل و غارت اور وحشت و بربریت کا شکار تھا ۔ عرب معاشرہ میں وہ ساری

برائیاں موجود تھیں جو ایک بگڑے ہوئے معاشرہ میں پائی جاتی ہیں ۔ _____ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوش سنبھالا تو چاروں جانب فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی دیکھی ۔

ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا پایا ۔ آپ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ خود مظلوموں

اور کمزوروں کی مدد کرنا شروع کر دی ۔ خود نیکیوں کے پیکر بنے اور جہاں کہیں ظلم و ستم کا واقعہ

پیش آیا ۔ وہاں تشریف لے گئے ۔ انہیں نصیحت کی ۔ معاملے کو سلجھایا ۔ کمزوروں

کی مدد کی، مختصر سے ہی عرصہ میں آپ کی غم خواری اور مظلوموں سے سمدردی کا سکہ بیٹھ گیا۔ آپ
 ”صادق“ اور ”امین“ کے لقب سے مشہور و معروف ہو گئے۔ آپ کی صداقت شکاری اور امن
 دوستی کے سبھی معترف ہو گئے۔

حضور تقریباً بیس برس کے تھے۔۔۔۔۔ اُس وقت عرب معاشرہ بڑی بد امنی و انتشار
 کا شکار ہو چکا تھا۔ قافلے لوٹ لئے جاتے تھے۔ غریبوں، کمزوروں اور زیر دستوں پر
 ظلم انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ مکہ مکرمہ کی فضا روز بروز خراب سے خراب تر ہوتی چلی جاتی تھی۔ ان حالات میں
 حضورؐ کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے سردارانِ مکہ کو جمع کیا متعدد قبیلے شریک ہوئے سب نے امن
 و عہد کے مسئلے کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا اور زیر دستوں کے ظلم سے زیر دستوں کو بچانے کیلئے
 ایک معاہدہ کیا جسے ”حلف الفضول“ کہا جاتا ہے۔ اس کی چند شرائط یہ تھیں۔

- ۱۔ ہم ملک سے بد امنی دور کریں گے۔
- ۲۔ مسافروں اور تجارتی قافلوں کی حفاظت کریں گے۔
- ۳۔ زیر دستوں پر زیر دستوں کے مظالم کو روکیں گے۔
- ۴۔ غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

وہ ملک جہاں فتنہ و فساد عام تھا۔ لوگ غیر مہذب تھے۔ وہاں مظلوموں کی حمایت میں ایسی
 انجمن کا قیام ایک نیا واقعہ تھا۔ اس معاہدے کی وجہ سے مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف میں
 مکمل امن قائم ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اس معاہدہ کی روح رواں تھے ہمیشہ اس پر فخر
 کیا کرتے تھے، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا!

”اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ زنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں
 نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدے کیلئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں“

(میرت النبی جلد اول صفحہ ۱۸۵۔ شعبلی)

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ آپؐ کی فہم و فراست
 سے عرب معاشرہ ایک برسی خون ریزی سے بچ گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ جو حضرت ابراہیمؑ
 اور حضرت اسماعیلؑ کی تعمیر کردہ عمارت تھی۔ انہی کی اولاد پر سے عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے
 تمام عرب صدیوں سے اس کا احترام کرتے تھے اور اسے مقدس زیارت گاہ سمجھتے چلے آئے ہیں
 تھے۔ اور ہر سال اس کی زیارت کیلئے دور دراز علاقوں سے لوگ جوق درجوق آتے۔ ابراہیمؑ کی

خوفناک یورش اور ناکامی سے کعبہ کی شہرت عام ہوئی۔ یہ عمارت چونکہ نشیب میں واقع تھی۔ اس لئے سیلاب نے اس کی بنیادوں کو کمزور کر دیا۔ چنانچہ مکہ کے قبائل نے عمارت کو ڈھا کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس کی از سر نو تعمیر شروع کر دی۔ جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ کی یہ خواہش ہوئی کہ اس کے نصب کرنے کا شرف اُس کے حصہ میں آئے۔ بظاہر یہ ممکن نہ تھا۔ اختلاف بڑھا اور اتنا بڑھا کہ تلواریں میان میں سے نکل آئیں۔ قریب تھا کہ خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھیں۔ کہ ایک عمر شخص ابویہ بن مغیرہ نے رٹے دی۔

کل صبح جو شخص صبح سے پہلے حرم میں داخل ہوا اسے ثالث تسلیم کر لیا جائے۔ اس تجویز پر سب متفق ہو گئے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ دوسرے روز سپید سحر نمودار ہوا لوگوں نے دیکھا۔۔۔۔۔ صحنِ کعبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔ یہ دیکھ کر سب وفود مسرت سے چلا آئے، 'وہ حَمَلًا آگئے' وہ امین آگئے۔ ان کا فیصلہ بے لاگ ہو گا۔ یہ ثالثی کوئی معمولی نہیں تھی۔ اس زمانے میں ایک بڑی غرت تھی۔ پھر یہی نہیں آئی نے جو فیصلہ کیا اور جس احسن طریقہ اور تدبیر کے ساتھ کیا۔ اُس سے عام قبیلے راضی بھی ہو گئے اور حقیقی شرف بھی اس کو حاصل ہوا۔ جو اس کے اہل تھا۔ آپ نے ایک چادر پر حجرِ اسود رکھا اور سرداروں کو چادر پکڑنے کو کہا۔ جب حجرِ اسود اپنی جگہ پہنچا۔۔۔ تو آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ اس طرح آپ کے تدبیر سے ایک بڑی رٹائی ہوتے ہوئے رک گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو کفار مکہ نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ کے چچا ابوطالب پر دباؤ ڈالا۔ دولت اور بادشاہت کا لالچ دیا لیکن داعیِ امن و سلامتی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

”اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تو پھر بھی 'حق' کہنے سے باز نہیں آؤں گا۔“

جب حضورؐ نے مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں میں پھر کر، علی الاعلان تبلیغ شروع کی کبھی دو چار صحابہؓ آپ کے ہمراہ ہوتے تو کبھی اکیلے ہی آپؐ راہ چلتے لوگوں، مسافروں، دوکانداروں، تاجروں غرضیکہ ہر شخص کو تبلیغ کرتے۔ رفتہ رفتہ اسلام پھیلنے لگا تو کفار مکہ کو فکر ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بتوں (معبودوں) کو جھٹلاتے ہیں۔ وہ آبائی مذہب سے

مخرف ہو کر لوگوں کو ایک نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ایک خدا کو ماننے اور اپنے رسولؐ ہونے کا کلمہ پڑھاتے ہیں ایک خدا کے علاوہ سارے معبودوں کی خدائی کا انکار کرتے ہیں چنانچہ ان کی مخالفت ٹھہ گئی۔ آپؐ اور آپ کے ساتھیوں کو ستانا شروع کر دیا۔ آوارہ لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا گیا۔ آپؐ پر آوازیں کسی جانے لگیں۔ کوڑا کرکٹ پھینکا جانے لگا۔ ان سب حالات میں آپؐ اپنے ساتھیوں کو صبر کی تلقین فرماتے۔ کفار و مشرکین کیلئے دعائیں فرماتے کہ الہی! ان کو سچے عطا فرما اور یہ دین اسلام میں داخل ہو جائیں۔

کفار مکہ آپؐ کے ساتھیوں کو تپتی دھت پر لٹا دیتے۔ سینوں پر زنی پتھر رکھ دیتے۔ کوڑے ملتے دختوں پر الٹا لٹکا دیتے۔ رسیاں باندھ کر گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹتے۔ مسلمانوں کو ابتدائی احوال میں بہت زیادہ تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ خود پیغمبر اول و آخر صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی برس شعب ابی طالب میں گزارے، سفر طائف میں اہولہان ہوئے۔ ہر تکلیف اور مشکل سے گزرے لیکن صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ امن اور بھائی چارہ کا پرچار ہی کرتے رہے اور حق و صداقت کا پرچم سر بلند ہی رکھا۔

جب کفار کی ایذا و ساتیاں حد سے تجاوز کر گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہجرت کا حکم دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے جس چیز کی طرف خصوصی توجہ اور گوشہ نشی فرمائی۔ وہ شہر کا امن و امان اور وہاں کے باشندوں کے باہمی تعلقات کا خوشگوار بنانا تھا۔ اس کا ایک پہلو تو مہاجرین اور انصار میں موافقات قائم کرنا تھا اور دوسرا یہود مدینہ سے معاہدہ کرنا۔ اس وقت مدینہ میں یہودیوں کی ایک نمایاں حیثیت قائم ہو چکی تھی وہ صاحب ثروت اور صاحب اقتدار تھے وہاں کے باشندے ان کے مقروض تھے۔ جبکہ مسلمان بے سرو سامان تھے اسی لئے حضورؐ نے سب سے پہلے بھائی چارے اور امن و سلامتی کی فضا پیدا کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔

داعی امن و اخوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باشندگانِ مدینہ کیلئے ایک عہد نامہ مرتب فرمایا، جس میں یہود و مشرکین سب شامل تھے۔ یہ معاہدہ یثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پہلی اسلامی ریاست کا پہلا دستورِ آئین ہے۔ اس میں ہر طبقہ کے سیاسی اور معاشرتی حقوق و فرائض متعین کر دیے گئے تھے۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا۔ عہد نامہ کی شرائط یہ تھیں۔

- ۱۔ مدینہ منورہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔
- ۲۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ اب بھی قائم رہے گا۔
- ۳۔ یہود کو نہ ہی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا جائے گا۔
- ۴۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
- ۵۔ اگر کوئی فریق کسی دشمن سے صلح کرے گا تو اس میں دوسرا بھی شریک ہوگا۔
- ۶۔ مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا حرام سمجھا جائے گا۔
- ۷۔ صلیبیوں کا آخری فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے۔
- ۸۔ مظلوم کی امداد سب پر ضروری ہوگی۔

اس معاہدے کی تکمیل کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے ارد گرد علاقوں میں رہنے والے قبائل میں بھی گئے اور بہت سے قبائل کو بھی اس معاہدہ کا پابند کرایا تاکہ بدامنی اور روزمرہ کی خونریزی کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔ یثاق مدینہ کا حرف حرف آج بھی زندہ و پائندہ ہے۔ ہر شخص پر یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ حضور دنیا میں امن و امان قائم کرنے آئے تھے۔ تلوار چلانے نہیں۔۔۔ بقول نعیم صدیقی!

”مدینہ حضور کی دس سالہ زندگی میں سنگین ورجہ کی ایمر حبشی کے زیر سایہ رہا ہے۔ ہر آن حملے کا خطرہ رہتا۔ قریش مکہ نے تین بار بڑے حملے کئے۔ چھوٹی چھوٹی طبعڑیوں اور سرحدی آویزشوں کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ مختلف قبائل مدینہ پر دھاوا بولنے کے لئے کبھی ادھر سے سراٹھاتے کبھی ادھر سے بار بار طلبہ گردی کرنے اور فتنوں کی سرکوبی کے لئے مدینہ سے فوجی دستوں کی ترسیل ہوتی۔ راتوں کو فوجی پہرہ لگایا جاتا۔ غرض ایک جنگی کیمپ کی سی زندگی تھی۔ اس پر متزاہد یہود اور منافقین کی سازشیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت کو ناکام کرنے کی سازشیں اور پھر اس زندگی بخش ہستی کو قتل کر دینے کی سازشیں ایمر حبشی کا اس سے بڑھ کر اور کیا عالم ہو سکتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی اپنے لئے کوئی مستبدانہ رویہ اختیار کیا اور نہ ہی کوئی ہنگامی آرڈی نینس جاری کیا اور نہ کوئی جابرانہ ایکٹ نافذ کیا۔ نہ کسی ایک فرد کو نظر بندی میں ڈالا۔ نہ کوئی ہنگامی عدالتیں بٹھائیں۔ نہ تازیانے برساکر لوگوں کی کھال اوچھڑی، نہ جبر مانے اور تاوان ڈالے۔ نہ کسی شہری پر کوئی بار، خدائی قانون سے تجاوز کر کے ڈالا۔ نہ اختلاف اور تنقید کا حق

سلب کیا۔ نہ کسی کی زبان بندی کی اور نہ کسی پر پابندی عائد کی۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی جیسے فتنہ پرداز تک سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ سارا دار و مدار اپنی دعوت کی صداقت اور اپنے کردار کی پاکیزگی پر رکھا۔ کبھی کسی پر دھونس نہیں جمانی۔ کبھی کسی انسان کی تحقیق نہیں کی۔ کبھی اکڑفوں سے کام نہیں لیا۔ بلکہ دوسروں کی صعوبتوں کو صبر سے برداشت کیا۔ یہی وجہ تھی کہ دشمنوں کے دل مسخر ہو گئے۔ ساتھ ایوانے دیدہ و دل فرس راہ کرتے تھے اور پھر جب حضورؐ کی صداقت و شرافت کے آگے سر جھکا دیتے تھے تو ان میں ایسی تبدیلی آتی تھی گویا کایا لپٹ ہو گئی۔ (محسن انسانیت ص ۴۶)

اسلام جو امن و سلامتی کا منظر ہے۔ اس کے ایک معنی ہی "الدخول فی السلم" یعنی امن و سلامتی اور صلح و آشتی میں داخل ہو جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے پہلے خطاب میں فرمایا، پیغام امن و سلامتی کو عام کرو۔ پناہ بخدا سلامی آداب میں سلام کی دعا، اتنی عام ہے کہ اس میں سابقہ جان پہچان اور دین و عقیدہ کا امتیاز بھی نہیں بڑھا جاتا۔ قرآن مجید میں مسلمان کیلئے اللہ کا بڑا وضع حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كَافَّةً
(البقرة : ۲۰۸)

اے ایمان والو! سب کے سب امن و سلامتی میں داخل ہو جاؤ۔
لیکن ظلم و جبر روکنے کیلئے آزادی خیال، آزادی فکر اور آزادی دین و عقیدہ کا حق حاصل کرنے کیلئے، جب حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ
(الأنفال : ۳۹)

ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کیلئے ہو جائے۔
تو رسول رحمتؐ نے دشمنوں کا مقابلہ بھی کیا، آپؐ کی جنگ کا مقصد محض فتنہ کو فرو کرنا اور آزادیِ عقیدہ منوانا تھا۔ جنگ میں آپؐ نے کامیابی کے بعد رحم و کرم اور عفو و درگزر سے کام لیا۔ آپؐ کی ہر جنگ صلح و آشتی کا پیش خیمہ تھی اور ہر جنگ کے بعد امن و سلامتی کی فضا سازگار ہو جاتی تھی۔ آپؐ نے جتنی بھی لڑائیاں لڑیں سب اصلاحی مقاصد کے انتظامی نہیں تھیں۔

صلح حدیبیہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ حضورؐ نے بڑے کٹھن اور دستوار حالات سے گزرنا گوارا کر لیا۔ اس موقع پر صحابہ کرامؓ مظاہرہ فتح و غلبہ کے متوقع تھے۔ لیکن آپؐ نے صرف امن و سلامتی کے لئے انتہائی تکلیف وہ شرائط پر صلح کرنے کیلئے اپنے ساتھیوں کو تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا۔ اس لئے کہ معاہدے میں ایک شق کے ذریعہ فریقین نے ایک دوسرے کی آزادی عقیدہ و دین کو تسلیم کر لیا تھا۔ اب عرب قبائل آزاد تھے انہیں اختیار تھا کہ وہ مسلمانوں یا کفار مکہ جن کے ساتھ چاہیں ان کے عیال بن جائیں۔ داعی امن و اخوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امن پسندی کا ایک عظیم المثال مظاہرہ تاریخ نے فتح مکہ کے موقع پر دکھایا جبکہ آپؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو جو آپؐ کے جان کے دشمن تھے یہ کہہ کر

لَا تُرِيبَ عَلَیْکُمُ الْیَسُو

”آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے معاف فرما دیا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جارحیت کرنا بڑے دشمنوں نے جب بھی امن و صلح کی درخواست پیش کی آپؐ نے ان کی درخواست کو رد نہیں فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ امن و امان اور سلامتی کی فضا ہموار کرنے میں گزری کیونکہ آپؐ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ تعمیر ملت کا کام اس کے بغیر سرانجام نہیں پاسکے گا۔ اس کیلئے آپؐ نے مسلسل جدوجہد کی اپنی پاکیزہ اور لازوال تعلیمات کے ذریعے مخالفین کے قلوب کو مسخر کیا۔ ان کے دلوں میں نور اسلام کی شمع روشن کی۔ نفرت و کدورت کو دور کیا۔ امن و آسشتی کی فضا قائم کی، امن کو انسانی معاشرہ کی ترقی کیلئے سب سے قیمتی چیز قرار دیا۔

دنیا میں آج جو بد امنی اور فتنے پھیلے ہوئے ہیں ان کا حقیقی سبب یہ ہے کہ لوگ اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر اپنے مطلب و مفاد کے لئے دوسروں کی حمایت کرتے ہیں۔

داعی امن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ نظام دنیا سے نقص امن اور جھگڑوں کے اسباب و محرکات کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ حسن اخلاق، حسن معاملگی کی تاکید کرتا ہے۔ اور اس خرابی کے قلع قمع کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ جس میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے کا اندیشہ ہو۔ اسلام نے جہاں کہیں ذرا برابر بھی نقصان کا خطرہ محسوس کیا ہے وہیں انکلی رکھ دی ہے اور سختی کے ساتھ روک دیا ہے۔۔۔۔۔ تاکہ دنیا میں امن و امان قائم رہے اور لوگ نیکو کاری

و استنبازی کو اپنا شعار بنالیں۔ اسلام تو زبان اور دل کو یکجا دیکھنا چاہتا ہے اور سب سے بڑے حقوق کا پورا احترام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

داعی امن و اخوت کے پیغام، آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی جتنی ضرورت آج ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ کیونکہ اسی پیغام ہی کے ذریعے امن قائم ہو سکتا ہے۔ صرف اس پر عمل کی ضرورت ہے؛ ہمارا ہر قول، ہمارے عمل سے تصدیق چاہتا ہے۔ اگر ہم واقعی عاشقِ رسول ہیں، حضورؐ سے محبت کے دعویدار ہیں اور اللہ کی رضا کے طلبگار ہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وجہ تخلیق کائنات، ہادی برحق، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل سربری کریں۔ انہی کی ذات گرامی کو تمام تر دینی و دنیاوی فوز و فلاح کا مرکز جانیں۔ تاکہ خدا کے بزرگ و بزرگ ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شمار کریں۔

بہ مصطفیٰ رساں خویش را کہ دیں ہمہ دوست
اگر بہ اوزر سیدی تمام بولہ جی ست

سورہ الانفال کی آیت کریمہ کی روشنی میں

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی اتوت

ابوطاہر سید سبط احمد، گڑھی پورہ
منظف آباد

اگر ہم ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ کوئی نہ کوئی فطری صلاحیت یا تو معطل تھی یا اس کا استعمال اس کے فطری تقاضوں کے خلاف ہو رہا تھا ہر جگہ خدائے بزرگ و بزرگے بجائے زمین و آسمان کی کسی نہ کسی چیز کو نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی پرستش کی جا رہی تھی۔ معروف کو چھوڑ کر منکر پر عمل ہو رہا تھا۔ دنیا نے انسانیت اخلاق و کردار کے لحاظ سے پسینوں کا شکار تھی۔ انسانی زندگی، زندگی کا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ قتل و غارت، خون ریزی، حرص و طمع، لوٹ مار، غرضیکہ ہر برائی انسانی معاشرے میں موجود تھی۔ دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی سلطنت روم اور سلطنت فارس کے حکمران اپنی رعایا کی خدمت کی بجائے جو کہ تسلیم انسانی کا فطری مقصد ہے۔ عوام کی جان و مال کو اپنی خدمت اور عیش و عشرت کیلئے استعمال کر رہے تھے اور عوام سے عبادت کی حد تک اپنی اطاعت کرا رہے تھے۔ جو شخص ان کے سامنے سجدہ پر نہ ہوتا وہ ظلم و تشدد کا نشانہ بنتا۔ اس صورت حال میں خدائے رحمن و رحیم نے محسن انسانیت، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین فطرت یعنی فطری نظام حیات، اسلام کا پیغام بر بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ تشریف لائے اور اس تیرہ و تار یک دنیا کو ہدایت کے نور سے روشن و منور کر دیا۔ آپ نے ایک طیب روحانی کے طور پر اپنی تعلیم کے ذریعے لوگوں کو معروف کو اختیار کرنے اور منکر سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھائیوں کو بھیلانے اور برائیوں کے سدباب کے لئے گلیوں اور بازاروں میں پتھر کھائے۔ سخت اندیشی برداشت کیں۔ یہاں تک کہ وطن چھوڑا مگر منزل مقصود کو پایا یعنی۔ انسانیت کو راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا جو فلاح و کامیابی، امن و اشتیٰ صلح و محبت اور اخوت و مسادات کی امین تھی۔ ایک دوسرے کے فون کے پیاسے ایک دوسرے کے جان نثار بن گئے۔۔۔ بت پرست، خدا پرست ہو گئے۔۔۔ دنیا کے انسانیت میں ایک انقلاب آیا کہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر غلام ہدایت کا ستارہ اور آئینہ نسلوں کا مقتدا اور پیشوا بن گیا۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت یا کوئی لالچ، ان غلامانِ محمد کے پیاسے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکی انہیں اپنے مقصد سے نہ ہٹا سکی۔ تاریخ عالم میں نہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت پیدا ہوئی اور نہ ہی آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم جیسے جان نثار پیدا ہوئے۔ جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

در اسل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی ذہن، سوچ اور فکر ملک ساری روح انسانیت کو بدل کر رکھ دیا۔ آپ کی تعلیمات جہاں جہاں پہنچیں اور جنہوں نے اسے قبول کیا ان کی ساری زندگی کے ہیچ اور انداز بدل گئے۔ مخلوق کا اپنے خالق سے تعلق استوار اور مضبوط ہوتا گیا۔ بھٹکی ہوئی انسانیت راہِ راست پر آگئی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری انسانیت کو ایک ہی شخص کی نسل قرار دیا اور توحید و رسالت کا تصور دے کر اخوت و مسادات کی بنیاد ڈالی جو آپ سے پہلے ناپید تھی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کی اپنی تخلیق کردہ اور اونچ نیچ کی تمام تعریفوں کا خاتمہ کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں واضح طور پر فرمایا:

”تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت صرف پرہیزگاری کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَاۤئِلَ لِتَعَارَفُوْۤا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

(سورۃ الحجرات ۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں محض تعارف و پہچان کے لئے تقسیم کیا ہے، اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا۔“

ہادی عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی انقلاب کے ذریعے جس معاشرے کی بنیاد رکھی اس میں بنیادی حقوق کے اعتبار سے بھی تمام باشندوں میں مساوات تھی۔ رنگ، نسل، خون و زبان یا خاندان کی بنا پر کوئی برتر نہ تھا۔ سب کے سب افراد مساوی حقوق انسانی سے بہرہ ور تھے۔ سب کی ذمہ داریاں، صلاحیت اور اہلیت کے تناسب سے مساوی تھیں۔ سب کو روزگار کے بنیادی حقوق میسر تھے اور سب کو ان حقوق کی ضمانت بھی حاصل تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رنگ و نسل اور سیادت و افتخار کے تصورات کی نفی کر دی۔ اسلام نے نسل کے بت پرستہ کہہ کر ضرب لگائی۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا
رُجُوعًا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا
وَنِسَاءً (سورة النساء)

خدا نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اس
سے اس کا جوڑا اور ان دونوں سے بہت
سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں بھیلایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نوع انسان کو رنگ و نسل، آقا و غلام، عربی و عجمی اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق سے نجات دلائی اور ایسے اصول وضع کیے جن پر عمل پیر ہو کر دنیا سے غلامی کا خاتمہ ممکن تھا۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا اثر ہے کہ دنیا سے رفتہ رفتہ غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت سلیمان فارسیؑ، حضرت صہب رومیؑ، حضرت بلال حبشیؑ اگرچہ غلام تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اشرافِ قریش سے کم مرتبہ نہ رکھتے تھے۔ ان غلاموں کے سامنے بڑے بڑے مسلمان سلاطین اور شہنشاہوں کی شوکت ماند نظر آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلاموں پر شفقت کرنے کا اثنا احساس تھا کہ وصال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”غلاموں کے معاملے میں خدا سے ڈتے رہنا“ (بخاری شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے بارے میں حسن سلوک کی پالیسی کو بنیاد قرار دیا اسی رحمت و شفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے۔ آپ نے غلاموں کی خرید و فروخت کو قطعاً ممنوع

”قرار دیا اور فرمایا :
 ”جو کوئی کسی آزاد شخص کو پکڑ کر بیچے گا ۔ میں خود اس کے خلاف قیامت کے دن مدعی بنوں گا ۔ (بخاری شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف سلطنتوں میں جو وفد بھیجے ان میں اکثر حبشی غلام ہوتے ۔ ممتاز مغربی مستشرق فلپ سٹی کے مطابق :

”والٹی مصر یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ شرائط صلح کیلئے جو وفد آیا ہے اس کا رئیس ایک حبشی ہے ۔“

یہ ایک ایسا انقلابی قدم تھا جس کی پیروی کیلئے آج بھی انسان محتاج ہے ۔ اس لئے کہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ۔ اس نے جہاں اور بہت سی پستیاں اپنے اندر قبول کیں ۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ تدریج ایک دوسرے کے مقابلے میں بندوبستی امتیازات اعلیٰ و ادنیٰ اور فضیلت و عدم فضیلت کا شکار ہوتا چلا گیا ۔ یہاں تک کہ بعض انسان ذرا سی اجتماعی قوت و اختیار ملتے ہی اپنے بارے میں اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ وہ عالم انسانوں سے برتر کوئی بڑی شے ہے وہ یہ محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ دوسرے انسان اس کے مقابلے میں بہت پست درجہ پر ہیں ۔ پھر دوسرے انسانوں نے بھی اسے یہی یقین دلایا ، کہ واقعی اس میں ایسی خوبیاں موجود ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں اسے اعلیٰ و ارفع قرار دیا جائے ۔

آج انسانی معاشرے میں تدریج اس شرف و رفعت کیلئے کئی پیمانے وضع ہوئے ہیں کہ خاندانی نسب کا شرف ، قبیلہ کی بلندی ، عہدہ و منصب کا امتیاز دولت کی فراوانی ان امتیازات کے زینے لگا لگا کر انسان مصنوعی طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے بلند کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ آج معاشرے میں اسی شخص کی عزت و احترام کیا جاتا ہے جس کے پاس بے پناہ دولت اور وسائل ہیں ۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں کوئی بھی شخص کسی دوسرے شخص سے دین و اخلاق کی فضیلت کے سوا کسی دوسری فضیلت کے سبب برتر و محترم نہیں :

”تساو علامہ اقبالؒ کا قول ہے ۔

”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا مقصد ہی نسل انسانی میں مساوت و اخوت

قائم کرنا اور انہیں آزادی و حریت کی نعمت سے مالا مال کرنا تھا۔ آسٹرنیڈ کا شہرہ آفاق دانش
بیان مقرر ایڈمنڈ برک (EDMOND BURKE) نے حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی تعلیمات (اخوت و مساوات) کا تذکرہ ان شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو اصول پیش کئے وہ بادشاہ سے لیکر
فقیہ تک سب کو متحد کرتے ہیں اور دانشوروں، عالموں اور قانون دانوں کے تمام سابقہ مضابطوں
پر انہیں فوقیت حاصل ہے۔ میں اسلام کی جمہوریت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ یہ وہ پہلا
نذیب ہے جس نے فطری اور عملی طور پر جمہوریت قائم کی۔ جب مسجدوں میں اذان دی جاتی
ہے اور عبادت گزار جمع ہوتے ہیں۔ تو اسلامی عمومیت کا دن میں پانچ مرتبہ عملی مظاہرہ
ہوتا ہے۔ آقا و غلام ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتے ہیں تو مجھے یہ سماں
بڑا ہی پیلا معلوم ہوتا ہے۔

سکاندھی جی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔
"اسلام اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں بھی تعصب اور رشتہ دھرمی سے پاک تھا۔"
اسلام نے تمام دنیا سے خراج تحسین وصول کیا جب مغرب پر تاریکی اور جہالت کی گھٹائیں
چھائی ہوئی تھیں۔ اس وقت مشرق سے ایک ستارہ نمودار ہوا۔ ایک روشن ستارہ جس کی
روشنی نے ظلمت کو دور ہو گئے۔ اسلام دین باطل نہیں ہے۔ ہندوؤں کو اس کا
مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ میری طرح اس کی تعظیم کرنا سیکھ جائیں، میں یقین سے
کہتا ہوں کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اس کی اشاعت کے ذمہ دار رسولِ عربی صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان، ایقان، ایثار اور اوصافِ حمیدہ تھے۔ ان صفات نے لوگوں
کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ یورپی اقوام جنوبی افریقہ میں اسلام کو سرعت کے ساتھ پھیلتا دیکھ
کر خوفزدہ ہیں۔ اسلام نے اندلس کو مہذب بنایا۔ اسلام جو مشعلِ ہدایت کو
مراکو (MOROCCO) تک لے گیا۔ اسلام جس نے اخوت کا درس دیا۔ جنوبی امریکہ
میں یورپی اقوام محض اس لئے ہر سال ہیں کہ وہ جانتی ہیں کہ اگر اصلی باشندوں نے اسلام
قبول کر لیا تب وہ سمجھنا نہ حقوق کا مطالبہ کریں گے اور لڑا کریں گے۔ اگر اخوت گناہ
ہے تب ان کا خوف راستی پر مبنی ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ زولو عیسائیت قبول
کرنے پر بھی عیسائی حقوق حاصل نہیں کر سکا لیکن جو نہی وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا تو مسلمانوں

کے ساتھ اس کا رابطہ اتھارپیدا ہو گیا۔ یورپ اس اتحاد اسلام سے خائف ہے۔
 ممتاز مشرقی سٹی اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں حضور سرورِ عالمؐ کی تعلیمات
 کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"بہ عرب کی تاریخ پر پہلی کوشش تھی کہ انہیں خون کی بجائے مذہب کے نام پر ایک مرکز پر جمع
 کیا جا رہا تھا۔ اللہ اس سلطنت کا حاکم اعلیٰ تھا نابریں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے
 روحانی فرانس کے علاوہ ایسے فرانس بھی انجام فیے تھے جیسے سلطنتوں کے احکام اس کی ملت
 میں سب کے سب قبائلی رشتوں اور پرانے تعلقات یکسر منقطع ہو کر اصولاً بھائی بھائی بن گئے۔"
 یمن کا ایک قبیلہ بنو اشعر تھا، اس قبیلہ کے جو افراد مسلمان ہو گئے تھے وہ مدینہ منورہ میں
 آباد ہو گئے۔ یہ بڑے بہادر اور جانباز لوگ تھے۔ کفار کے خلاف جنگوں میں بڑھ چڑھ کر
 حصہ لیتے۔ اگرچہ ہر ایک خاندان اپنے آمد و خرچ کا خود ذمہ دار تھا۔ لیکن ان کا یہ بھی
 دستور تھا کہ اگر کسی کی آمدنی میں کمی ہو جاتی۔ موسم کے خاتمے پر نئی فصل سے پہلے کسی
 کا غلہ ختم ہو جانا یا سفر میں کسی کے پاس خوراک ختم ہو جاتی تو یہ لوگ ایسا کرتے تھے کہ تمام
 خاندانوں سے جس کے یہاں جو کچھ غلہ یا خوراک ہوتی وہ سب جمع کر لیتے اور پھر اسے سب
 میں برابر تقسیم کر دیتے یہ آپس کی سمجھداری، اخوت اور مساوات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
 اس قدر پسند تھی کہ مجمع عام میں ان کی تعریف فرماتے اور یہاں تک فرماتے۔

لھم منی وانا منھم
 (بخاری شریف)
 یعنی وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔

غور کیجئے وہ قوم جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اور جس میں آپؐ نے
 دین اسلام کی تبلیغ فرمائی دنیا کی عجیب و غریب قوم تھی۔ جاہل تھی، ان کا معاشرہ محدود اور
 ان کی زندگیاں غیر محفوظ تھیں۔ قبائلی عصبیت نے ان کو باہم ایک دوسرے کا دشمن بنایا رکھا۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ نے اصلاح فرمائی، آپؐ نے اولاد، والدین
 عزیز و اقارب پر دسی اور ہموطنوں کے علاوہ تمام نوع انسان کے ساتھ ہمدردی، شفقت
 مہربانی، اخوت و مساوات کا حکم دیا۔ آپؐ کی تعلیمات کے مطابق اخوت و مساوات کے بغیر
 ایک اچھے معاشرے کا تصور بے معنی ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر کیمیا
 اتر کی برکت سے لوگوں کے دل ایسے سوزے کہ اس کی مثال کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی

ان کے دلوں میں ایثار، فدائیت، سخاوت، اخوت، اور مساوات کے جذبے اور جذباتوں نے
 کہ اپنا سب کچھ دوسرے مسلمان بھائی پر قربان کر دینے میں خوشی محسوس کرنے لگے۔
 پروفیسر ڈاکٹر بیو آرنلڈ نے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیلہات کو زبردست خراج تحسین
 پیش کیا ہے وہ اپنی کتاب *THE PREACHING OF ISLAM* میں
 لکھتے ہیں۔

”عرب معاشرے کا قدیم نظام خون کے رشتے پر قائم تھا۔ مگر اخوت، اسلامی سے اہل عرب
 میں سوشل اتحاد کا ایک نیا اصول جاری ہوا۔ جس نے قبائلی عصبیت کو کمزور کر دیا۔“
 مزید لکھتے ہیں!

”اس کے علاوہ مسلمانوں کے باہمی مساوات اور عام اخوت عرب اور عجم کی تفریق کو جائز نہیں
 رکھتی تھی اور اس طرح آزاد شخص اور غلام کے امتیاز کو بھی رد نہیں رکھتی تھی۔ یہ
 ایک ایسا تصور تھا جو امت مسلمہ کی مسرور عربوں کی قبائلی عصبیت کے اسل منافی تھا۔ چونکہ
 ان کے نزدیک، ان کی ذاتی عزت ان کے آباؤ اجداد کی شہرت پر موقوف تھی۔ اور اسی بنا پر
 وہ ان ٹیڑیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رکھتے تھے جن میں وہ بہت خوش ہوتے
 تھے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں سے عربوں کے عقائد و نظریات پر فی الواقع اعتراض
 وارد ہوتا تھا۔ جو ان کو بہت عزیز تھے۔ کیونکہ ایک نو مسلم کو اس بات کی تلقین کی جاتی
 تھی کہ وہ ان باتوں کو اخلاقِ حسنہ تصور کرے (مثلاً برائی کے بدلے میں نیکی کرنا)
 جن کو وہ پہلے نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا آیا تھا۔“

یہ اعلیٰ صفات چند افراد ہی میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ جہاں جہاں لہوئی عالم صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت سنی گئیں انسانی معاشرہ اصلاح پذیر ہوتا گیا۔ آج بھی جبکہ مختلف انداز
 کی ترقیاں حاصل کر رہی ہیں۔ عالمگیر اصلاح اور فلاح کیلئے رحمتِ عالم، نور مجسم شافع محشر صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی ضرورت ہے۔ بقول پروفیسر گب: ”تمام مسائل اور مشکلات
 کا حل آج بھی اسلام کے پاس ہے، اگر اسلام کو دنیا اپنا رہنما بنالے تو یہ دنیا غیر برکت سے
 بھر جائے۔“

پیغمبرِ انسانیت، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں اخوت و مساوات کی روح
 پھونک کر ان کے باہمی اتفاق کو ایک ابدی صورت عطا کی۔ قرآن پاک کے یہ ارشادات

ہمیشہ امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اُخُوۃٌ

۲) فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اُخُوۡاۡنًا

گئے (آل عمران - ۱۰۳)

سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور عمل سے بھائی چارہ کی عملی تفسیر امت مسلمہ کے سامنے پیش کی۔ آج کے فیض سے بھیڑوں کی طرح پکھڑا سوار یوٹ ایک کاروان بن گیا۔ ایسا کاروان جس کے سامنے ایک غظیم منزل تھی پھر دنیا نے دیکھا کہ یہی قوم دنیا کی رہنما بنی اور ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آیا جس پر سنیکڑوں فلاحی مملکتیں قرآن کی جاسکتی ہیں۔ پھر چند ہی سالوں میں ۳۵ لاکھ مربع میل پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ جب تک مسلمان اتحاد و اتفاق اور بھائی چارہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے۔ وہ دنیا کے رہنما رہے۔ صدیوں تک دنیا نے انہی سے علم سیکھا۔ تہذیب سیکھی، زندگی کے ہر شعبے میں صرف مسلمان ہی ان کے راہنما تھے۔

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس میں تمام انسان برابر ہیں اور جو اس دین میں داخل ہو گیا وہ اخوت کے رشتے میں منسلک ہو گیا۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمادیا۔

”ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے“ (بخاری و مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا!

”اہل ایمان کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے میں ایک دوسرے پر رطف و احسان کرنے میں اس طرح ہے۔ جس طرح ایک جسم کے مختلف اعضاء۔ اگر ان میں کوئی عضو بیمار ہو جاتا ہے۔ تو سارا جسم بے خواب رہ کر اور بخار سے اس کی ہمدردی کرتا ہے۔“ (متفق علیہ)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو دشمن کے حوالے کرے پھر فرمایا، جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی حاجت دور کرنے کیلئے کوشش کر رہا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت

روائی فرماتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں سے ایک مصیبت دور فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام امت مسلمہ کو ایک مضبوط عمارت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا!

”مسلمان ایک دوسرے کیلئے ایسے ہیں جیسے ایک ہی عمارت کے مختلف حصے کہ وہ عمارت کو مضبوط کرتے ہیں“ (متفق علیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کر دیا کہ ایک مسلمان کی کیا شان ہونی چاہیے، آپ نے فرمایا!

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ دوسرے مسلمان محفوظ ہوں“

(بخاری و مسلم)

کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے کہ دونوں میں تو یہ بھی منہ پھیرے اور وہ بھی منہ پھیرے اور ان دونوں سے بہتر ہے جو سلام سے پہل کرے۔ (بخاری و مسلم)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ کو بدگمانی اور بغض و عداوت سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا!

”اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ۔ اس لئے کہ بدگمانی کے ساتھ جو بات کی جائے گی وہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہوگی اور نہ دوسرے کے بارے میں سعادت حاصل کرتے پھر و اور نہ لوہ میں لگو اور نہ آپس میں تناجش (یعنی دلالی کرد) اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگو اور اللہ کے بندے ہو۔ آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔“

رحمتِ عالم نورِ محکم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخوت و امن کا درس دیا تو خود عملی مثالیں بھی پیش کیں۔ جن سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ سلسلہِ مواعظ کو ہی لیجئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے جانے والے مسلمان بالکل بے سرو سامان پہنچے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے مہاجرین کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق

کہتے تھے اور اچھے خاصے متمول لوگ تھے۔ لیکن ایسی حالت میں مکہ مکرمہ سے نکلے تھے کہ کوئی شے ساتھ نہ لاسکے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے معقول انتظام کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کیلئے ان میں اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ کے گھر پر انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور فرمایا۔

”انصار تم جانتے ہو کہ مہاجرین کا مدینہ میں کوئی ٹھکانہ نہیں اور وہ ساتھ بھی کچھ نہ لاسکے۔ تمہارے حسن سلوک کے تسکین گزار ہیں اب میں تم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دوں۔ آپ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آواز دیتے اور فرماتے تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔ (بخاری شریف)۔

یہ اخوت حقیقی اخوت سے جڑ کر ہو گئی اس موقع پر انصار نے جس فیاضی اختیار اور سہزائی کیا، بلاشبہ اس کا اہم ترین اثر انسانی اس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔ انہوں نے مہاجرین کی حیثیت سہانہ کی نہ رہنے دی بلکہ مال و دولت، زمین، عیال اور کھیتی باڑی میں برابر کا شریک کر لیا۔ مہاجرین کھیتی باڑی کے فن سے ناواقف تھے۔ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ انہوں نے زمین میں شریک بننے سے انکار کیا تو انصار نے کہا کہ کھیتی باڑی ہم خود کریں گے۔ لیکن پیداوار میں سے نصف اپنے مہاجر بھائیوں کو دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عوفؓ کو حضور سرور دو عالمؐ نے حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کا بھائی بنایا۔ سعدؓ ان کو اپنے گھر لے کر گئے۔ کل آٹا نہ نہیں دکھایا اور کہا بھائی نصف میرا اور نصف تمہارا۔ اس کے علاوہ میری یہ دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری ہے جسے تم پسند کر د اس کو میں طلاق دے کر تمہارے لئے فارغ کر دوں۔ اسی طرح گھر کا جو حصہ پسند ہے۔ اس پر قبضہ کر لو۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے احسان مندی کے ساتھ انکار کر دیا۔ اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار شروع کیا اور جلد ہی وہ مدینہ منورہ کے متمول تاجروں میں شمار ہونے لگے۔ بھائی چارہ کا یہ رشتہ اتنا قوی تھا کہ کسی انصار کے مرنے پر اس کی میراث اس کے مہاجر بھائی کو ملتی۔ جبکہ حقیقی وارث محروم رہتے مگر یہ ایشاء اللہ نے جنگ بدر کے بعد سنوڑ کر دیا اور قرآن پاک میں واضح فرمادیا کہ ”میراث حق ارثتوں ہی کو ملے۔

ابن اسحاق و ابن مہنام کے مطابق اس بھائی چارہ سے جماعتی رشتہ الیہ مستحکم ہوا کہ انصار

وہاں جمل کر ایک ملت اور ایک امت بن گئے۔
 حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے ہر روپ میں ایک مثالی کردار ادا کیا۔ آپ کی حیات،
 مبارکہ ایک ایسا روشن چراغ ہے جو ہمیشہ اپنی ضیاءوں سے عالم انسانیت کو منور کرتا رہے گا۔
 تاریخ کے اوراق شاید ہیں جب تک مسلمانوں نے آپ کی تعلیمات پر عمل کیا وہ دنیا کے حکمران ہے
 اور جب آپ کی تعلیمات سے منہ موڑا تو وہ محکوم بن گئے۔ رشتہ الفت کمزور ہوتا چلا گیا اور
 وہ وحدت پاش پاش ہو گئی جس کی تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ آج ہم آپس
 میں متحد نہیں، اختلافات کا شکار ہیں۔ بلکہ آپس میں برسرِ پیکار ہیں ایک دوسرے کا خون
 بہا رہے ہیں، ہر طرف لوٹ مار، قتل و غارت گری اور ہولناک بازی کا بازار گرم ہے۔ اسلام دشمن
 طاقتیں متحد ہو کر سرگرم ہیں، مختلف طبقوں میں نفرت کی دیواریں کھڑی کر رہی گئی ہیں۔
 انتشار کا زہر پھیلا جا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قلوب پر مردہ حیات،
 نوے متمتع ہوئے۔ انسان کو باطنی کرب اور اضطراب سے نجات ملی اور ردعوں کے مرجھائے
 کنول کھل اُٹھے۔ انسان کی اخلاقی و مذہبی حالت میں نکھار آ گیا تھا۔ ظلمت و تاریکی کے
 بادل چھٹ گئے تھے، ہر طرف روشنی اور اجالا بکھر گیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد
 میں شریک ہوتے تھے۔ ان میں اخوت و بھائی چارہ تھا۔
 آج ایسے وقت میں جب تعصب اور فرقہ وارانہ گھٹائیں۔ مسلمانوں میں نفرت اور لفاظی
 پیدا کر رہی ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ بادی کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو عام
 کیا جائے اور ان پر دل و جان سے عمل کیا جائے۔

ننگاہِ عشق و مستی میں وہی اول و وہی آخر
 وہی قرآن و وہی قربان و وہی حسین و وہی طہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیغمبر اسلام ﷺ بحیثیت داعی امن و اتوت

سید واکر شاہ، اسلام آباد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ، اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

اما بعد :- فقد قال الله تبارك وتعالى في القرآن المجيد ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا اسْمِعُوا لَكُمْ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ، وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهُ تَخْشَوْنَ ،

۲۴ - الانفال

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہو جب
کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہو اور جان
رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سیمٹے
جاؤ گے ۔

خالق کائنات نے سید المرسلین رحمۃ اللعالمین جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو
اس قوم کی طرف مبعوث فرمایا اور اس ملک کی اصلاح پر مامور کیا جس میں دنیا کی اشرس ترین مخلوق
بستی تھی اور اس کے افراد اپنے اعمال، رسم و رواج اور قبیح افعال کے باعث متمرد، متکبر،
امن کش اور شرارت پسند بن چکے تھے ۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس خطہ کے تمام قبائل جو قتل و
غارت گری، ستاکی اور خون ریزی کے عادی ہو چکے تھے اور غیر مختتم جنگ کی زنجیروں نے
انہیں اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ وہ ان سے نکل نہیں سکتے تھے ، اور اپنے انتقام، تار

اور خون بہا کی پیاس لاکھوں انتہا ص کے قتل کے بعد بھی نہیں بچھا سکتے تھے۔ خیرۃ العرب کے بانیوں کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد بیع و شراعت تھا۔ کتاب الامالی میں ابو علی قالی نے لکھا ہے کہ عرب لوگوں کو یہ ہرگز پسند نہیں تھا کہ وہ غارت گری کے بغیر متصل زمین مہینے گزار دیں اگر وہ اس سے دستکش ہو جاتے تو ان کی معیشت ان پر تنگ ہو جاتی۔

ملک میں اضطراب، شورشیں اور بد امنی کا یہ عالم تھا۔ بعض طاقتور، ظالم اور سفال قبیلوں کے ڈر سے شہر حرم کے سوا دیگر مہینوں میں وادی طیبہ و طحا کی طرف قدم اٹھانا محال تھا۔ یہ وہ حالات تھے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کو مضطرب اور ملتہب رکھتے تھے اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے باقہ عدہ اعلان سے پہلے بھی ایسے مساعی میں کوشاں رہتے جن سے عرب کے قبائل کی باہمی رقابتیں الفت و محبت میں بدل جاتیں۔ وہ انتقام کی بجائے امن و سلامتی کے پیکر بننے اور ظلم و تعدی کا تھک روک لیتے۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و سلامتی کے قیام کیلئے سب سے قابلِ تالش قابلِ قدر اور قابلِ تحسین اس معاہدے کی تاسیس کی جسے تاریخ میں عرف عام میں حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ ایسے حالات میں سواجب

زیر دستوں کو چہرہ دست اپنے ظلم و تعدی کا نشانہ بنائے اور ان کی فریاد کو کوئی سننے والا نہ ہو نہ کوئی استعانت کرنے والا ہوتا، اس معاہدے نے عرب کی سفاکانہ روش پر خالص مثبت اثرات مرتب کئے اور سید المرسلین علیہ نبوت سے سرفراز ہونے کے

بعد اکثر فرمایا کرتے کہ پروردگار نے مجھے سب سے پہلے ظلم و ستم کی چکی میں پسینے والوں کی مدد کیلئے معاہدہ حلف الفضول کے ذریعے مستعد فرمایا! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العزت نے تاج رسالت سے مکمل فرمایا تو فتح مکہ مکرمہ تک ملکِ ہمدانی کا تسکا رہتا۔ فتح مکہ

مکرمہ کے بعد اگرچہ امن و سکون کی ہوائیں چلیں لیکن مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ سنوڑ مسافت خطرات سے خالی نہ تھی۔ اب بھی لوگ ڈاکے ڈالتے رہتے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی خود دارِ سلام کی چراگاہوں میں چھاپے مارے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں

کو ملک کے امن و امان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب ضحائے ایک محل نشین خاتون تنہا سفر اختیار کرے گی اور اسے خدا کے سوا کسی کا خوف لاحق نہ ہوگا تو دگ حیران و مستعجب ہو جاتے تھے۔ اتنے بڑے ملک میں صرف حرم شریف کی سرزمین ہی

ایسی دھرتی تھی جہاں لوگوں کو اطمینان و امن میسر آسکتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی بتایا ہے۔

فلیعبدوا رب هذا البيت
الذی اطعمہم من جوع و
امنہم من خوف
تو انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے پروردگار
کی عبادت و بندگی کریں جس نے ان کو بھوک
میں کھانا دیا اور بد امنی کو دور کر کے ان کو
امن بخشا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عام الحزن کے بعد مسلمان خداوندِ قدوس کے پیغام کو انسانوں تک پہنچاتے وقت تعذیب کی بھیڑ میں جھونکے جاتے رہے اور حالت یہ تھی کہ وہ عرب کی فضا میں سکون کا سانس نہیں لے سکتے تھے، تلاشِ امن ہی مسلمان افریقہ و حبشہ کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے رہے جو عرب میں رہ گئے وہ ظالم لوگوں کے گونا گوں مظالم کا ہدف بنتے رہے۔

اس ملکی شورش اور بد امنی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ملک میں کوئی تحریک بھی بغیر حفاظتی پابندی اور مستحکم امن و آسشتی کیلئے ضروری نہ تھی کہ افراد معاشرہ کا تزکیہ نفس کیا جائے۔ ان کے قلوب میں انوار و لمعان کی شمعیں روشن کی جائیں، انہیں ظلمت کے چنگل سے نکالا جائے۔ ان دلوں میں ایسے اعتقادات راسخ کئے جائیں جو باطل کی نفی کریں اور حقائقِ حق اور باتِ حقانی میں مدد دیں۔

رب العزت نے امن و آسشتی کی فضا پیدا کرنے کیلئے سب سے پہلے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں یہ بات شامل فرمائی کہ وہ پہلے لوگوں کا تزکیہ نفس کریں یہ تزکیہ نفس وہ عمل ہے کہ جب کسی چیز کو ملاوٹ سے پر کر دیا جائے تو اس کی ملاوٹ کھوٹ اور میل کو نکالنے کیلئے کھالی میں ڈال دیتے ہیں اور اس قدر آگ دیتے ہیں کہ اس میں سے خالص چیز ایک طرف ہو جاتی ہے۔ اور کھوٹی ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تعلیم دی اور ان کے دلوں میں ذکر اللہ سے ایسی گرمی ایسی شدت اور ایسی حدت پیدا کی جس سے دلوں کے زنگ دور ہو گئے اور وہ مصفا و مجلّد آئینوں کی طرح صاف و شفاف ہو گئے۔ ان میں خفا لوق کا اثر اترنے لگا۔ باطل کی حقیقت نظر آنے لگی اور وہ سمجھ گئے کہ اسلام کی روح، بحر و انکساری، نیاز مندی

عبودیت اور بندگی پروردگار ہے۔

امن و آسائشی کی فضا کو جب بھی مکدر کیا گیا ذاتی مفاد کے پیش نظر کیا گیا۔ ایک طرف صدیوں پرانے رسم و رواج نے جن میں شرک سب سے بڑی رسم تھی، افراد معاشرہ کے اہمیان قلب کو لوٹ لیا تھا تو دوسری طرف یہود و انصاریا کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں نے ہر طرف ایک طوفانِ ستور شریر پکڑ رکھا تھا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو کہیں اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا تو کہیں اپنی قلع بندیوں پر ناز تھا۔ ان کے ان قبیلے افکار اور شیوع افعال نے اپنے عرب معاشرے میں بدمعنی کا لاوا پید کر رکھا تھا۔ غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و ترمیم کیلئے عام دست و بازو بے کار تھے۔ خداوند قدوس کا غیر مرئی مہتمم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و محنت میں پلٹ پیدا ہوا تھا۔ ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عرب کے سیاسی ضعف و کمزوری کا باعث محض خانہ جنگی، خاندانی رقابتیں اور جنگ و جدال تھا۔ اور ان کا باعث عربوں کا خاندانوں اور نسلوں میں انقسام تھا۔ ملک کے استحکام اور قومی اجتماع و اتحاد کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عرب کی شراذہ بندیوں کیلئے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قصرِ امن کی اساس و بنیاد رکھی تو انبیئیں اور گارا الیا نہ تھا جو آپس میں پیوست ہو سکتا۔ چنانچہ ان دونوں میں ربطِ چسبیدگی پیدا کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاقِ حسنہ، تقویٰ، توسع، پرسیزگاری، حقوق العباد، حسن نیت، بے غرضی، خوف و حجاب، حصولِ رضائے الہی، عدل و انصاف، عفو و درگزر، توکل، صبر، شکر، ایسی چیزوں کا خمیر تیار کیا پھر فضائلِ اخلاق کے عالیشان محل کی تعمیر کے بعد کو شک زدا ئل جس کی انبیئیں فحشاء و منکر تھیں، بغی و طغیان تھا، وعدہ خلافی تھا، خیانت و بددیانتی تھی۔ غدار و غدار باز تھی، ہتھان و بدگمانی تھی، بخل تھا، طمع تھا، حرص تھی بے ایمانی تھی۔ رشوت تھی، بغض و کینہ تھی، فخر و غرور تھے، خود بینی و ریاء اور مخشش گوئی تھی کو مسما فرمایا۔

جب اسلامی معاشرے کے افراد میں اخلاقِ حسنة اور فضائلِ سکام کا اثبات ہو گیا اور ردِ اعلیٰ استیصال کو پہنچے تو امن و امان کی تاسیس کا کام شروع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو رب العزت نے اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ آپ نہ صرف و غط و پند بلکہ دست و بازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا میں امن و امان قائم کریں کیونکہ قتل و تار اور خون ریزی سے زیادہ رب العزت کی نظر میں اور کوئی چیز مسخوض نہ تھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

من أجل ذلك كتبنا على بنی اسرائیل
أنه من قتل نفساً بغير نفس
او فساد فی الارض فکانما قتل
الناس جميعاً (المائدہ: ۳۲)۔

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھ دیا تھا کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ یا زمین میں فساد کے قتل کر دیا اس سے تمام عالم کو قتل کر دیا۔

امدی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قدم بھی اٹھایا اس میں بنی نوع انسان کیلئے خیر، بھلائی اور برکت تھی، حتیٰ کہ جنگیں بھی لڑیں تو امن و امان کی بحالی کیلئے اور فساد فی الارض کے قلع و قمع کیلئے ہی لڑیں۔ یہ جنگیں اہل فساد نے اہل اسلام پر ٹھونس تھیں اس لئے ان کا مقابلہ ضروری اور لازمی تھا۔ تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں مل سکتی۔ جس میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جنگ کیلئے پہل کی ہو۔ چنانچہ سر یہ زید بن حارثہؓ، سر یہ دومتہ الجندل، سر یہ خنیطلہ، سیف البحر، غزوہ غابہ اس لئے ہوا کہ بنو فزاز اور کفار کے دیگر قبائل مسلمانوں کی خواہ مخواہ تعذیب کرتے تھے اور انہیں تجارتی سرگرمیوں سے روکتے تھے۔ اس کے علاوہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر لشکر بھیجے تو محض اعلیٰ کلمۃ اللہ کیلئے اور دعوتِ اسلام کیلئے اور ایسے عساکر کو حملے کی سخت ممانعت فرمائی۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

بعثہ الی بنی خزیمہ داعیاً الی
الاسلام ولم یبعثہ مقاتلاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بنو خزیمہ کی طرف بھیجا دعوتِ اسلام کے لئے نہ کہ لڑنے کے لئے۔

علامہ طبرسی اپنی معروف تاریخ طبری جلد سوم میں لکھتے ہیں۔

قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث في ماحول مكة السرايا تدعوا الى الله عز وجل ولم يامرهم بقتال

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوراقِ مکہ میں سراپا بھیجے دعوتِ اسلام کے لئے اور ان کو حکمِ قتال نہیں دیا۔

الغرض مصدر امن اور مطلع امان صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی امن و امان کے قیام سی کی سعی جمیل فرمائی جب پورا مکہ آگے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انتقام کا ہدف بنا ہوا تھا لیکن شانِ کریمی نے خونِ آسمان تلواروں کو میان میں سی رکھنے کا حکم دیا اور امن و امان پامال کرنے والوں کو مامون و مصنون فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم ”جب نخل امن بالیدہ ہوا اور کوشک امان کی دیواریں مستحکم ہو گئیں تو پیغمبر امن علیہ السلام نے لوگوں میں اخوت کا لازوال رشتہ جوڑا اور افصا المؤمنون اخوة اور المسلم اخ المسلم فرما کر چہرہ اخوت کو تابانی بخشی، بشرۃ برادری اسلام کو رخشندگی دی۔

سرور کائنات نے جس اخوت کی تاسیس فرمائی اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی مساوات حسبِ دین سمجھداری، فراخ دلی، وسیع النظری، اصلاح و صلح، ہدیہ اکرام و تکریم، ہدیہ سلام و دعوت اور حقوق العبادت، اخوان اسلام قبیلہ، رنگِ نسل، حسب و نسب کے اختلاف کے باوجود ایک تھے، متحد تھے، متفق تھے اور وہ اسلامی اخوت کے دائرے میں اس وقت آئے جب ان کا ایمان ان دیکھے پروردگار محکم ہوا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی اشرف و مکرم مخلوق انبیاء علیہم السلام کے فدائی بنے۔ اس کی کتب ہدایت پر ایمان لائے آخرت کو اپنی منزل جانا، رب ذوالجلال کے عائد کردہ فضل کو ادا کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور سب سے بڑا قائد اور رہنما تسلیم کیا۔

رب العزت نے سورۃ الفتح میں ایسے لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں :

محمد رسول اللہ والذین معہ
اشداء علی الکفار رحماء
بینہم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں

وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔
 مسلمانوں کے آپس میں رحیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دشمنانِ دین کیلئے شدید ہیں اہل ایمان
 کیلئے نہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ وہ نرم اور رحیم و شفیق ہیں۔ سحر و دھوکہ گسار ہیں۔ اصول اور
 مقصد کی پابندی نے ان کے اندر ایک دوسرے کیلئے محبت و ہم رنگی و سازگاری پیدا کر دی ہے۔
 قرآنِ کریم میں سورۃ الحجرات کی آیت ۴۷ میں مسلمانوں کی اخوت جو جنت میں ایک دوسرے کے
 بھائی ہوں گے اس طرح ظاہر کی گئی ہے۔

اخوانا علی سرر متقابلین ہ
 وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آنے والے
 تختوں پر بیٹھیں گے۔

جناب محمد علیہ السلام نے اخوتِ بین المسلمین پیدا کی اس نے خونِ قرابت اور نسل کے تار و
 پودا دھیر کر رکھ دیئے۔ صرف ایک کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ محمد رسول اللہ کی برقی
 رو سے قلب میں پھیر کر اہل اسلام کو ایک لمحہ بتسیح کے دانے قرار دے دیا۔

خداوند قدوس نے اس اخوت و اجتماع اور اتحاد و اتفاق کو اپنی خاص نعمت سے تعبیر کیا
 ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :-

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ
 أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ
 بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج (آل عمران ۱۰۳)
 اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب
 تم ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے
 تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی
 اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن
 گئے۔

اخوت کی شمعِ فروزاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروانوں کو نہ صرف بھائی بھائی بنایا
 بلکہ ان کے باہمی حقوق و فرائض بھی مقرر فرمائے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث مبارکہ
 میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی پر چھ حقوق مقرر
 فرمائے آپس نے فرمایا :-

- جب تو اسے ملے تو اسے سلام کر۔
- اور جب وہ تیری دعوت کرے تو قبول کر۔
- اور جب وہ تجھ سے نصیحت چاہے تو اسے نصیحت کر۔

(یا وہ جب تجھ سے خیر خواہی کا طالب ہو اور اس کی خیر خواہی کر)
 ● اور جب وہ چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اسے پر حکم اللہ کہے)

● اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر

● اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا (مسلم شریف)

ہجرت مدینہ کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تو اس مواخاۃ کے نتیجے میں ان کے درمیان ایسی محبت نے جنم لیا جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب و کیش میں کم ملتی ہے ۔ یہ باہمی محبت و الفت ایک دائمی پیروی کا نمونہ تھی ۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین بصیرت نے مسلمانوں میں اخوت پیدا کی تو باہمی محبت و الفت یہ رنگ لائی کہ وہ قوت و طاقت کا سرچشمہ بن گئے ۔ آج اگر عالم اسلام سے تعلق رکھتے و بے ممالک کے درمیان اخوت اور محبت کا وہی رشتہ قائم ہو جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے تو دشمنان اسلام کو کسی ایک مسلمان ملک پر بھی ہاتھ ڈالتے ہوئے نہ اتریں سوچنا پڑے ۔ کیونکہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ زیادتی کا مطلب کیا ہوگا ؟ یہ دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اور اس کی جنگی قابلیت کتنی ہی اعلیٰ پلے کی کیونکہ نہ ہو کم و بیش اسی نوے کروڑ متحد اور باہمی اتفاق و محبت رکھنے والے انسانوں کو مخالف بنالیا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔

اخوت حقیقی کا اصل مفہوم یہ ہے کہ دل اور روح عقیدے کی رسی کے ذریعے بندھے ہوں عقیدہ سب سے زیادہ سنجیدہ اور قیمتی جو ہر سمجھا جائے ۔ بھائی چارہ ایمان کا بھائی تصور کیا جائے اور تفرقہ کو کفر کی اساس ۔ اولین قوت اتحاد کو سمجھا جائے ۔ اتحاد و محبت کی اصل ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارکہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

پیغمبر اسلام بحیثیت داعی امن و اخوت

حافظ مخدوم طہور الحق، اسلام آباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، لبسوا اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

(الأنفال - ۲۴۰)

”اے ایمان والو! اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہاری زندگی بخشنے والی ہے۔“

عداوت کی آلائش دور کر کے

دیاتو نے دنیا کو درس اخوت

جب چشتان عالم میں صداقت و امانت کے پھول مرجھا چکے تھے۔

جب رحمت و شفقت اور سمدری و اخوت کے چشمے سوکھ چکے تھے

جب ظلم و ستم اور جور و جفا کی آندھیاں چل رہی تھیں

جب زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جا رہی تھی۔

جب انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے، سور اور بھیڑیے، بکریوں اور بھیڑوں کو

چیر بھاڑ رہے تھے۔

جب بدی نیکی پر، زوالت شرافت پر، خواہشات عقل اور پیٹ کے تقاضے روح

کے تقاضوں پر غالب آچکے تھے۔

جب قتل و غارت کے بازار گرم تھے۔

- جب خدا کی مقدس زمین فواحش و منکرات، عصیان و طغیان، بد اخلاقی و بد اعمالی اور فسق و فجور کی نجاستوں سے بھر چکی تھی۔

- جب انسانیت ایک سرد لاشہ تھی۔ جس میں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی۔

- جب سچائی کی جگہ جھوٹ نے، امانت کی جگہ خیانت نے، محبت کی جگہ عداوت نے، امن کی جگہ خوف و ہراس نے توحید کی جگہ شرک نے، انصاف کی جگہ ظلم نے اور ایقانے عہد کی جگہ عہد شکنی نے لے لی تھی۔ جب شرم و حیاء، غیرت و حمیت، بے غیرتی اور بے حیائی سے بدل چکے تھے۔

- جب اشرف المخلوق، مسعود ملائک بنی نوع انسان، شرافت و کرامت کا تاج سر سے اتار چکا تھا اور خلافت و امانت الہیہ کی ریں قبا کو پارہ پارہ اور تار تار کر چکا تھا۔

- جب مکارم اخلاق کی جگہ زوائل اخلاق اور اخلاقِ حسنہ کی جگہ اخلاقِ سیئہ نے لے لی تھی۔

- جب جہالت اور توہمات پرستی کے سایہ میں شیطان ابلیس اپنی فرمانروائی اور بادشاہت کا تخت بچھا چکا تھا۔

- جب عرش کے رینے والے فرش پر لسنے والوں پر اتجھل فیہا من یفسد فیہا ویفسد الدماء کے آوازے کس رہے تھے۔ جب کائنات وحی آسمانی اور تعلیمات ربانی کی ایک ایک کرن اور رحمت باری تعالیٰ کی ایک ایک بوند کو ترس رہی تھی۔

- جب زمین و زمان، مکین و مکان اور انس و جان بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ کسی ایسے داعی امن و اخوت، معلم اخلاق، رہبر کامل کی تشریف آوری اور ظہور کا منتظر تھا۔ جو بارانِ رحمت بن کر آئے اور اخلاقی تعلیمات اور رشد و ہدایت کی بارشیں برسائے اور انسانیت کی بے جان لاشے کیلئے زندگی بخش اور حیات افروز پیغام دعوت لائے۔

اس وقت ”ہو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا ویبشر رحمته“ کے مصداق رحمت حق جوش میں آئی اور زمین و آسمان کی تخلیق کا اصلی مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ، حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کی لشارتوں کی تصدیق، فخر موجودات، رحمت للعالمین خاتم النبیین، صاحب

خلق عظیم، خیر البشر، سید الاولاد آدم علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ السلام، خاندان قریش کے سردار جناب عبد المطلب کے بیٹے حضرت عبد اللہ کے گھر، سیدہ آمنہ کی نورانی گود میں ۱۲ ربیع الاول بمطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی صبح سعادت کو مکہ مکرمہ میں بروز دوشنبہ تشریف لائے۔

آمدی تو نشان صبح وجود آرزویت خلیل حق بنمود

نام تو در دعای موسیٰ بود ذکر تو بر زبان عیسیٰ بود

اس صبح سعادت کے پھوٹنے اور نور شید نبوت و آفتاب رسالت کے طلوع پذیر ہونے سے کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کا فور ہو گئے۔ رسومات جاہلیہ، عقائد فاسدہ و افعال قبیحہ کی گرد بہٹ گئی، ظلم و ستم اور جور و جبر کے بادل چھٹ گئے۔

اس عظیم داعی حق اور شمس ہدایت کی عالم افروزی اور ضیاء پاشی سے ویران و سناں قلوب و اذمان روشن و منور، مسموم و مفلح ہو گئے۔ اور گلستان عالم میں از سر نو ایک تازہ بہار آگئی۔ دفعتاً انسانیت کے سرد جسم میں گرم خون کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بنفیں میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہو گئی۔

دنیا کا ذرہ ذرہ خوشی سے چمک اٹھا

جس دن ہوئی ظہور! ولادت رسول کی

اس رسول برحق کی تشریف آوری سے فرش سے عرش تک رحمت و برکات خداوندی کا نزول ہوا۔ جس نے خالق و مخلوق اور عابد و معبود کا رشتہ جوڑا اور شرک و بدعت اور کفر و ضلالت کے نظام بالہل کو درہم برہم کر دیا۔

رشتہ ایک خدا سے جوڑا

صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہرز بخیر کو توڑا

شرک کی محفل کو دی برہم

جو بیمار دنیا کیلئے ابدی صحت کا پیغام اور روحانی امراض کے لئے نسخہ شفا لایا۔

وتنزل من القرآن ما هو شفاء و

رحمۃ للمؤمنین

(بنی اسرائیل - ۸۲) رحمت ہے۔

جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منظم پروگرام سے ہونے کی اور بھلائی کے دروازے

کھول دیئے اور غیر اسلامی قوانین و بے جا رسوم و قیود کی پابندیاں اٹھادیں۔ اسراف و تبذیر کے روح فرسا بوجھ اتار دیئے۔ جس کی شریعت غرانے تمام سابق شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ جس کے اوصاف حمیدہ اور شتمائل حسنہ کے روشن ستارے تورات و انجیل کے صفحات پر پہلے کسی راہ گم کردہ مسافروں کو نشان منزل دکھا چکے تھے۔ جن کے ذکر گرامی و نامی محمد و احمد کی خصوصیات و برکات اور جن کی مقدس صفات سے صحف اولیٰ صحف براہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صفحات مزین و معطر تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

الذین یجدونه مکتوباً عندہم فی التورۃ والانجیل یامرہم بالمعروف وینہم عن المنکر ویحل لہم الطیبات ویحرم علیہم الخبثات ویضع عنہم اصرہم والاخلال الّتی کانت علیہم (اعراف: ۱۵۴)

وہ رسول کہ جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے ان کو منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو بدستوران پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

اس آفتاب عالمیاب کی صداقت و عدالت، سخاوت و شجاعت جیسی سنہری کرنوں نے خاک کے ذروں میں خورشید جیسی درخشانی ڈال مانی پیدا کر دی۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا

کس نے قطروں کو طلیا اور دریا کر دیا

اس نے جہالت و توہمات اور ظنون و شکوک کی ظلمات میں ٹھوکریں کھانے والوں کو زیور علم سے آراستہ و متعلیٰ اور اخلاق حسنہ سے پیراستہ و متعلیٰ کر کے فضل و کمال اور ترقی و ارتقاء کے مسندِ اعلیٰ پر قلمن کر دیا۔ اس نے شرم و حیا، مبر و علم، استقامت و جرأت، توکل و قناعت، عدل و انصاف اور نیکی و احسان، عفو و درگزر، ہمدردی و مواصلات، اخوت و مواصلات اور یگانگی و مساوات کا درس دیا۔

اس عظیم رہبر و راہنما اور بے مثال قائد و سپہ سالار نے اپنے سادگی و راست بازی کے عملی نمونہ اور واجب التقلید و لازم الاطاعت اسوہ حسنہ سے ایک ایسے پاکیزہ اور صالح معاشرہ کی طرح ڈالی جس کی تصویر قرآن مجید نے اس طرح کھینچی۔

”اَشَدَّ اَعْلٰی الْكُفٰرِ رَحْمًاۤ اُ بِنَحْمٍ تَرٰهُمْ رُكْعًا سَجْدًا يَتَّبِعُونَ
فَضْلًا مِّنْ اِلٰهٍۭ وَرَضُوْا۟“ (الحجرات - ۲۹)۔

اس کی شریعت غرائے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اس نے خدا پر ایمان (توحید) اصول، اخلاق اور عملی زندگی، ان تینوں کو ملا کر ایک نظام میں سمودیا اور فرمایا۔

الایمان بضع وسبعون شعبۃً افضلها قول لا اله الا الله وادناها
اماطۃ الاذی عن الطريق والحیاء شعبۃ من الایمان

ایمان کے متر سے زیادہ شعبے ہیں اس کی جڑ یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی قسم کی بندگی و پرستش کے لائق نہ مانو۔ اور اس کی آخری شاخ یہ ہے کہ راستے سے نبدگان خدا کو تکلیف دینے والے کوئی چیز نہ ہو اسے شاد و اور حیا بھی ایمانی ہی کا ایک شعبہ ہے جس نے ”الطہور شطر الایمان“ کے اصول سے جسم و لباس کی پاکیزگی کو ایمان ہی

کا حصہ یا آدھا ایمان قرار دیا۔ اور

لَا اِیْمَانَ لِّمَنۢ لَّا اِمَانَةٌ لَّہٗ لَا دِیْنَ لِّمَنۢ لَّا عَمَدٌ لَّہٗ

اس شخص میں ایمان نہیں ہے جس میں امانت داری نہیں اور وہ شخص بے دین ہے جو

عہد کا پابند نہیں۔“

فرما کر امانت و دیانت کا سبق دیا اور

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا وَّالطَّهْمُ بِاٰہِلِہٖ

تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان وہ شخص ہے جسے کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے

ہیں اور جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر حسن سلوک کرنے والا ہے۔

فرما کر سب کے ساتھ خوش اخلاق سے پیش آنے اپنے اور گھر والوں کے ساتھ حسن

سلوک کرنے کی ترغیب دی اور:

لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰا اِنَّہٗ كَانَ فَاحِشَةً

تم زنا کے قریب بھی مت ٹھکو۔ بے شک وہ بے حیائی ہے۔

کا خدائی آرڈر بنا کر زنا کاری اور بے حیائی کے اڑے اٹھادیئے اور زنا کی اجازت طلب کر نیوالے

کو اس کی اپنی ماں، بہن بیٹی یا والدہ کی انسانی غیرت و حمیت کو صبحیوڑا اور اس کے خفتہ احساسات

کو بیدار کر کے ہمیشہ کیلئے اسی بے حیائی سے تائب اور منتظر کر دیا۔

اس نے :

ان الذين ياكلون اموال اليتيمى ظلماً انما ياكلون في بطونهم
ناراً " (النساء - ۱۰)

بلاشبہ جو یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے اور برتنے ہیں یقیناً وہ اپنے شکم میں آگ
بھرتے ہیں ۔

کی وسیع تشدید سنا کر یتیموں کے اموال و حقوق کو محفوظ کر ڈالا ، اور

ونريد ان ننهي على الذين استضعفوا في الارض ونجعلهم
اُمةً ونجعلهم الوارثين ونمكن لهم في الارض " (القصص - ۵)
اور ہم چاہتے ہیں کہ زمین لوگوں کا زور گھٹایا جاوے تنہا ہم ان پر (دنیوی و دینی) احسان
کریں اور ان کو دین میں پیشوا بنائیں اور دنیا میں ان کو ملک کا وارث (مالک) بنائیں اور انہیں
زمین پر مکتب عطا فرمائیں ۔

کا اعلان فرما کر محکومی اور غلامی کی زنجیریں کاٹ کر حریت و آزادی کا درس دیا اور ہر ضعیف و بکس
کو حقوق دیوائے اور ان کی حفاظت و نگہداشت کا پیڑہ اٹھایا ۔
جس نے ۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ
وَأَتِينَ الزَّكَاةَ وَاطِعْنَ أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ " (الاحزاب - ۳۳)
” تم اپنے گھروں میں آرام سے رہو اور پرانے زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو
اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہا مانا کرو ۔“
کے سنہری ارشاد اسے عورتوں کو بلا ضرورت و بلا صاحب باہر آزاد پھرنے سے منع کر کے
اپنے گھروں میں باوقار رہ کر امور خانہ داری سر انجام دینے اور خدا کے ذکر و فکر، عبادت
ربّیت اور اس کے رسول کی اطاعت میں مصروف رہنے کا حکم دیا ۔ جس نے تمام نسلی، علاقائی
و جغرافیائی، لسانی اور دیگر قسم کے امتیازات کو مٹا کر بنی نوع انسان کو ایک عالم گیر رشتہ اخوت
و مساوات میں منسلک کر دینے والے اعلان ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ الْكِرْمَ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَلُّمٌ " (الحجرات - ۱۴)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنادیا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے بڑا شریف اور عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور خدا ترس ہو۔ اور اپنے اس ارشاد :-

”لَيْسَ لِحَدِّ فَضْلٍ إِلَّا بِالْإِيمَانِ وَالتَّقْوَى“

کسی کو کسی پر دین اور پرہیزگاری کے سوا کوئی فضیلت نہیں“
سے سفید و سیاہ، غلام و آقا، امیر و غریب اور عربی و عجمی کی تیسر ختم کر کے سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا اور صرف تقویٰ و پرہیزگاری اور ایمان و عمل ہی کو تمام شرفوں، عزتوں، کرامتوں، فضیلتوں اور بزرگوں کا سرچشمہ اور بنیاد بٹھرایا۔

اسود و احمہر کی تو نے ختم کر ڈالی تیسر

ایک ہی صف میں بٹھائے تو نے آقا و غلام

وہ معلم اخلاق تشریف لائے جن کو اللہ تعالیٰ نے،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لَنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا

(ال عمران - ۱۵۹)

انفضوا من حولك

”پس یہ اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر آپ، لوگوں کیلئے نرم و خوش ہو گئے اور اگر آپ درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، کوئی بھی قریب نہ بٹھکتا“
کے مبارک ارشاد سے رحم و کرم، ہر دل عزیزی اور بشر دوستی کی صفت سے مستصف فرمایا اور وَاَنْتَ لَعَلَى خَلْقٍ عَظِيمٍ کے اعزاز سے نوازا، جن کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”كَانَ خَلْقَهُ الْقُرْآنَ“ اور آپ بد اخلاق نہیں تھے، آپ بد اخلاق بنانے والے نہیں تھے۔ آپ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں تھے۔ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے نہیں تھے۔ جنہوں نے فرمایا:-

”اِنَّمَا بَعَثْتَ لَا تَقْصِمُ مَكَادِمَ الْاَخْلَاقِ“

میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ زدیلہ کو مٹا کر اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دوں“

وہ تشریف لائے جن کے اخلاقی اصول و اقدار اور اسلامی تعلیمات نے ایک ایسا روحانی اور اخلاقی انقلاب برپا کیا اور جس نے ظالموں کو رحم دل متکبروں کو متواضع، فساق و منجارت کو عبادت گزار اور

شب زندہ دار، خائوں اور بددیانتوں کو امانت دار، چوروں اور قزاقوں کو محافظ اور پاسدار، دشمنوں کو دوست اور رگافوں کو خوشی اور یگانہ اور حریفوں کو حلیف بنادیا۔ اس نے شاکی دل و دماغ والوں کو ملکوئی صفات کا مالک بنادیا۔ عرب کے جاہل، وحشی، جنگجو، خانہ بدوشوں کو نیک پارسا، متقی، خدا ترس، سمہر و اور با اخلاق بنا کر ایک منظم، مہذب اور مستعد معاشرہ میں تبدیل کر دیا اور جہاں بانی کا طریقہ سکھا دیا۔

خود نہ تھے جورا ہیر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردو کو سچا کر دیا

آپ نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اس کا دستور قرآن مجید کو بنایا۔ جس کے سنہری اور ابدی اصول کائنات انسانی کیلئے سرچشمہ ہدایت ثابت ہوئے اور صدیوں کے بعد دنیا کو ایک بار پھر محبت اور اخوت کے جذبات و احساسات کے ساتھ امن و اطمینان کی خوش گوار فضا میں سانس لینا نصیب ہوا۔

وہ رسول کے جن کے بارے میں ایسے مستشرقین اور مغربی مفکرین جن کی اسلام دشمنی مسلم ہے اور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق بغض اور تعصب سے بالا سو کر معروضی انداز میں سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ:

”اگر تاریخ عالم میں کسی ایک شخصیت نے نسل انسانی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے اور اس پر دائمی گہرے نقوش و اثرات چھوئے ہیں تو وہ حضور نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ کی ذات گرامی ہے۔“

آج دنیا پھر شقاوت و حرمانی کے درد سے دیکھا ہو گئی ہے اور تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔

ظہر الصناد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس “ (الروم - ۴۱)
”زمین کی خشکی و تری و دونوں میں انسانی پیدا کی ہوئی نسلوں سے فساد پھیل گیا اور زمین پر بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح غارت ہو گئی۔“

انسانی شہروں میں فساد اور ظلم و ظغیان کی تاریکی خدا کی روشنی پر غالب آرہی ہے۔ سچائی اور راست بازی کی لہلہاتی کھینیاں پامال ہونے لگی ہیں۔ اور خدا کی زمین پر جو صرف

خدا ہی کے لئے سختی اختیار قبضہ جہانے لگے ہیں۔

انسانیت پھر ایک بے جان لاش بن گئی ہے اخوت و موافات کی بہاریں یگانگی اور غیرت کی خزاں سے بدل گئی ہیں۔ انسان انسان کا دشمن ہو گیا ہے بیٹے کے ہاتھوں باپ قتل ہو رہا ہے۔ بھائی بہن کی عصمت لوٹ رہا ہے۔ سچائی جھوٹ پر غالب آرہی ہے۔

قل هو القادر علی ان یدبث علیکم عذاباً من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعاً و ینذیق بعضکم باس بعض (الانعام - ۶۵)

”کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے، یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چھکوا دے“

کے حوالے سے:

دنیا پھر اپنی بد اعمالیوں کی بنا پر اوپر سے بموں، ٹڈیوں، زلزلہ باریوں اور ظالم حکمرانوں کی صورت میں، نیچے سے سیلابوں، زلزلوں، زمین میں دبے ہوئے بموں، یا غی مانتھوں، نافرمان شاگردوں کا مچور، مزدوروں، اور گستاخ اور نافرمان بیوی بچوں کی صورت میں عذاب الہی میں مبتلا ہے۔

سانی، علاقائی گروہی طبقاتی اور نسلی اختلافات کی وجہ سے ہر جگہ قتل و غارت، لوٹ مار، خوف و ہراس، بد امنی، بے چینی، بے اطمینانی اور بے اعتمادی کی آگ کا عذاب الگ شعلہ ور ہے۔ رحم و کرم، محبت اور دوستی کے چشمے سوکھ چکے ہیں۔ اخوت و موافات کی قدیں بدل چکی ہیں۔ دنیا امن کی پیاسی، سکون کی بھوکی، محبت اور بھائی چارے کی تلاش میں تباہی کے کنارے سسکیاں لے رہی ہے اور بر رحمت اور زندگی بخش باد بہاری کی پھر راہ دیکھ رہی ہے مگر اب یہ امن کہاں سے ملے گا، پیار اور محبت و اخوت کا پیغام کون دے گا۔ چاروں طرف ہلاکت اور موت کی یلغار ہے۔ زندگی کہاں سے ملے گی؟ ان تمام سوالات کا جواب اگر ہے تو صرف اور صرف اس جامع کمالات معلم اخلاق داعی امن و اخوت رحمت للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت اور آپ کی دعوت و پکار پر لبیک کہنے پر ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وہ قرآن ہے جس میں دنیا و آخرت کی زندگی و فلاح مندر ہے جس میں

”وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْبَاطِلُ“ (الانعام - ۱۵۱)

اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ

اور ”مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا“ - وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا

(المائدہ : ۳۲)

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔“

کے سنہری قانون سے انسانی جان کے تقدس اور احترام کو مضبوط کیا گیا اور جس میں ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادُونَ“ سے انسان کو اس کی تخلیق کا مقصد اور روز الست کا عہد یاد دلا کر یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم سے ایک اللہ کی عبادت اور پرستش کا حکم دیا۔

(۳) مجاہدؒ نے فرمایا : اذا دعاکم لما یحییکم سے مراد دین حق ہے جس کی اتباع میں ابدی زندگی اور دائمی بقا اور ہدایت ہے۔

قد یأییہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اہتدی فانما یمتدی لنفسہ (یونس - ۱۰۸)

”اے محمد کہہ دو کہ لوگو تمہارے رب کی طرف سے حق آپ کا ہے اب جو سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اس کیلئے مفید ہے۔“

(۴) ابن اسحاقؒ نے فرمایا : . . اس سے مراد جہاد ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غرت بخشی اور جو ہر طرح کے فتنہ و فساد کو دبا دینے کا واحد ذریعہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے : وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ اور بمصدق الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ جہاد کو قیامت تک مسلمانوں کی بقا و قیام امن کا ذریعہ ٹھہرایا۔ لما یحییکم سے مراد درجہ شہادت کی سعادت ہے جس سے شہید کو خداوند کریم کی طرف سے ابدی زندگی و رزق، فرحت اور اللہ کا فضل نصیب ہوتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

(البقرة - ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں۔ مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ -

(ال عمران - ۱۶۹)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پائے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں۔“

”استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییٰکم میں جس بنیادی چیز کی طرف بلا گیا ہے وہ عقیدہ توحید ہے۔ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کا متفقہ عقیدہ اور متفقہ دعوت ہے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نَحْنُ إِلَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُون

(الانبیاء - ۲۵)

ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔“

اور

وَالْهَکْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (البقرة - ۱۶۳)

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔

کا اعلان ہے جس کے ذریعے ظنون و شکوک اور اوہام کی بھول بھلیوں میں پھنسی ہوئی اور شرک و بت پرستی کی داہلوں میں جھکتی ہوئی انسانیت کو غیر اللہ کی پرستش سے نجات دلا کر توحید باری تعالیٰ اور الوہیت البیہ کے پرچم تلے جمع ہونے کی دعوت دی گئی۔

عقیدہ توحید سے ہی بین الانسانی رشتہ اخوت قائم ہوتا ہے۔ جب ہر موجد کے دل میں یہ عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے کہ وہ ایک حاکم اعلیٰ کے علم و قدرت قاهرہ کے تحت ہے اور اس کے سامنے ہر فعل

و عمل اور قول و گفتار کیلئے مسئول ہے اور اس کی گرفت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ تو وہ دل کسی ظلم اور بے انصافی کی جرأت نہیں کر سکتا چاہے انفرادی ظلم ہو یا اجتماعی اور اس طرح افراد اور حکومت دونوں کے مظالم کا سد باب ہو جاتا ہے جو اس عقیدہ کے بغیر ممکن نہیں۔ نہ قانون کے ذریعے نہ تعلیم کے ذریعے اور نہ ہی فوج اور پولیس کے ذریعے۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر میں پولیس، تعلیم، فوج عدالتیں اور دیگر امن و انصاف اور امان قائم کرنے کی عام تدبیر، امن و امان اور انصاف قائم کرنے میں ناکام ہو چکی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
 کے مطابق امن کے متلاشیوں عدل و انصاف کے پیاسوں اور اخوت و بھائی چارہ کی لذت کو ترسنے والوں کو اللہ اور اس کے داعی امن و اخوت رسول پر ایمان لانے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بخش اور اصلاحی دعوتِ توحید پر لبیک کہنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے میں ہی اخوت اور امن کی دولت نایاب مل سکتی ہے۔ کیونکہ آپ سے بڑھ کر امن و اخوت کا داعی کون ہو سکتا ہے۔

انفرن اس معلم اخلاق، محسن اعظم، سراپا رحمت، داعی توحید و سنت اور داعی امن و اخوت محبوب کبریا کا عاشق و محبت عقیدت و ارادت ہمارے ایمان کی جان ہے۔ اس ہادی اہل کی اطاعت و اتباع ہم پر فرض ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
 کے حکم کے پیش نظر اس داعی امن و اخوت کی دعوت ایمان، دعوت قرآن، دعوت جہاد، دعوت شہادت اور دعوت توحید پر لبیک کہنے میں انفرادی اور اجتماعی، فردی اور جماعتی زندگی کا راز مضمر ہے۔ ہماری تمام امراض کا علاج ہے۔ اس صاحب خلق عظیم کی یاد دہاؤ آخرت میں قیمتی سرمایہ ہے۔ قرآن آپ کے متماثل و اخلاق کا کامل نمونہ ہے۔ آپ کا سینہ منور صدق و صفا کا آئینہ ہے۔ آپ کی حیات طیبہ ظلمت کدہ عالم کیلئے روشنی کا بیجار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سنہری تعلیمات اور آپ کے مکارم اخلاق سے فیض یاب ہونے، بمصدق انما المؤمنون اخوة کے عالمگیر اخوت اور بھائی چارے کے رشتہ میں منسلک ہو کر واعتصموا بحبل اللہ کے مطابق اتفاق و اتحاد، یکجہتی اور یکسوئی کے ساتھ امن و امان کی زندگی بسر کرنے اور سعادت و فلاح دارین حاصل کرنے کی توفیق دے۔

ماخذ و مصادر

- ۱- تفسیر معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
- ۲- تفسیر تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- ۳- تفسیر عثمانی و ترجمہ شیخ الہند و مولانا شبیر احمد عثمانی
- ۴- تفسیر ابن کثیر للامام الجلیل الحافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر الدمشقی
- ۵- سائنس اور اسلام از علامہ شمس الحق افغانی
- ۶- محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں از مولانا محمد حنیف یزدانی
- ۷- قرآن کا قانون عروج و زوال از مولانا ابوالکلام آزاد
- ۸- قافلہ انسانیت کا سالار اعظم از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُمّتِ واحدہ کے بانی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا ارشاد الحق تھانوی، کراچی

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی دعوت میں ایک قلیل مدت میں جو کامیابی حاصل ہوئی اور جس تیزی کے ساتھ لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشش اسلام ہوئے وہ نہ صرف تحمیل خیز بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تقابل میں ناقابل یقین ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام مدتِ مہد تک تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ بعض پیغمبروں کو تو متعدد نسلوں بلکہ صدیوں تک رسلِ پیغام الہی کا موقع میسر آیا لیکن ان کے پیرو گنتی کے چند لوگ ہوئے۔ اس دعوت کی کامیابی پر وہ مشہور غیر مسلم دانشوروں کے تبصرے ملاحظہ ہوں۔

جبرمنی کے فلاسفر گوٹے لکھتا ہے:

”اس کتاب (قرآن) کی اطاعت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہاں سے بڑا جہاں اور رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کر لی اور جس قدر زمانہ سلطنت روم کو اپنی فتوحات کے حاصل کرنے میں درکار تھا۔ اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہ لگا۔“

حال میں ایک مشہور عیسائی مصنف نے ایک مشہور عیسائی پبلشر کے ذریعہ امریکہ میں ”سو بڑے آدمی“ کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس نے اپنی تحقیق کی بنا پر دعویٰ کیا ہے کہ ان سے زیادہ دنیا میں کوئی بڑے آدمی پیدا نہیں ہوئے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین مرتبہ دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام سے صرف ماورائی

واقعات منسوب ہیں اور دوسرے اشخاص جنہوں نے بلاشبہ عظیم فتوحات اور کامیابیاں حاصل کیں وہ نہ تو ہمہ گیر بھتیں اور نہ پائیدار۔ اس کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عقل اور قوت سے ایسی کامرانیاں حاصل کیں جن کا وجود برقرار ہے اور دنیا سے انسانیت کیلئے امن و سلامتی کی تیرہ ہدف ضمانت ہیں۔ اس لائبرال اور متہم بالشان کامیابی کی کنجی کیا ہے خود رب جلیل نے سورہ آل عمران کی ۱۵۹ ویں آیت مقدسہ میں یہ بیان فرمائی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ (۱۵۹)۔

” (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اگر کہیں آپ سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس بھاگ جاتے۔ بس ان کے قصور معاف کر دیں اور ان کیلئے مغفرت کی بھی دعا کیجئے اور ان سے معاملات میں مشاورت کیا کریں اور جب کسی ایک بات پر فیصلہ ہو جائے تو اللہ پر توکل کریں۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

اسلام کے عالمگیر پیمانے پر پھیلنے کا بنیادی سبب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور اولیاء عظام کی نرم مزاجی، وسعت قلبی اور رواداری تھی۔ اس دنیا میں انسان کی انتہائی آرزو اور اس دنیا میں بہترین عزت کیا ہے؟ امن و امان، چین و سکون اور اطمینان و سلامتی۔ امن کی قدر و قیمت کلام پاک سے معلوم کریں۔ جس نے اسے اہل جنت کیلئے عظیم نعمت سے منسوب کیا ہے۔ جنت میں داخل ہونے والوں سے وہاں کے محافظ کہیں گے۔ امن و سلامتی کے ساتھ اطمینان ان میں داخل ہو جاوے۔ اگر ان کے دل میں رنجش ہوگی۔ تو اسے ہم نکال دیں گے اور وہ سب بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔

انسان کا اخلاقی اور فطری فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق پروردگار اور مالک سے دلی محبت، احترام اور وفاداری کا اظہار کرے۔ نیز یہ بھی کلیہ ہے کہ جس کسی کے سامنے اپنی بیش از بیش محبت، احترام اور وفاداری کا یقین دلانا اور اظہار کرنا مقصود ہو تو

اس کی محبوب اور عظیم شاہکار کی تعریف و توصیف کی جائے۔ ایک باپ کو قدرتی طور پر اس شخص سے محبت ہو جاتی ہے جو اس کی اولاد سے لگاؤ کا اظہار کرتا ہے۔ کیا آپ کو علم ہے کہ رب جلیل کا سب سے عظیم تخلیقی شاہکار کیا ہے؟ کیا یہ چاند ستارے، سورج اور لامحدود کائنات وغیرہ وغیرہ؟ نہیں لایزال شاہکار ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی برکتوں سے باقی تمام محیر العقول تخلیقات وجود میں آئیں۔ یہ شاہکار نہ صرف تخلیق میں لاہوا ہے بلکہ کارکردگی میں بھی لاثانی ہے۔ لہذا قرآن نے حکم دیا کہ نبی کریمؐ سے محبت و احترام اور وفاداری رب جلیل سے محبت و احترام اور وفاداری ہے جبکہ نبی کریمؐ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہوگی۔ اسی طرح کیا آپ کو علم ہے کہ خود نبی مقبولؐ کا عظیم شاہکار کیا ہے؟ تعلیمات کردار اور فتوحات بلاشبہ عظیم الشان ہیں لیکن تاریخ کائنات میں آپ کا لایزال اور منفرد تخلیقی شاہکار ہے امت مسلمہ کا وجود جس کی بابت رب کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ هَذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

”بلاشبہ یہ آپ کی امت، امت واحدہ ہے“

اس طرح رب کائنات نے دو ٹوک انداز میں اعلان فرمایا کہ اس کے محبوب رسالتا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شاہکار امت واحدہ ہے اور اسی کا نام مبارک امت مسلمہ ہے۔ گویا جو امت مسلمہ امت واحدہ نہیں ہے وہ منطقی طور پر امت مسلمہ کہلانے کی بھی حق دار نہیں ہو سکتی۔

مزدبیاں اگر ہم واقعی عشق رسولؐ کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا ہماری سچائی اور وفاداری کا منصفانہ تقاضا نہیں ہوگا کہ ان کے شاہکار سے بھی بے حد و حساب محبت و احترام کا عملاً اظہار کرتے رہیں اور اسے ہر صورت میں امت واحدہ بنائے رکھیں۔ اگر ہم اپنے نبیؐ کے شاہکار کو کاٹنے لگیں تو یہ عمل امن و امان کا مسئلہ نہ رہے گا بلکہ اپنے نبیؐ سے دشمنی اور ایمان سے منحرف ہونے کا صریحاً مترادف ہوگا۔

علاوہ ازیں ایمان بھی امن سے ماخوذ ہے، گویا امن نہیں تو ایمان بھی نہ رہے گا۔ فتنہ و فساد کی خرابی بھی قرآن مجید سے معلوم کریں۔

”اور ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا اور جو جمہورٹ وہ بولتے ہیں اس کی پاداش میں ان کے لئے دردناک سزا ہے جب کبھی

ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔
خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔“

(بقرہ - ۱۰ تا ۱۲)

ارشادِ ربانی ہے :-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

”تم سب متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور ہرگز نہ اتفاقی میں مبتلا نہ ہونا“
اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مسلم معاشرہ کی پہچان ”باہمی اتحاد“ ہے
اگر محض کسی مسلمان گھرنے میں پیدا ہونے یا زیادہ سے زیادہ انفرادی طور پر حقوق اللہ اور
حقوق العباد کی ادائیگی سے کوئی یہ توقعات وابستہ کر لیتا ہے کہ وہ اللہ کے وعدہ کے
مطابق فلاح و نصرت سے ضرور ہمکنار ہو گا خواہ اس کا مسلم معاشرہ مذکورہ فرمان الہی کے منافی یا ہمی
طور پر افتراق و انتشار میں مبتلا ہو تو یہ توقعات یقیناً سراب ثابت ہوں گے جیسا کہ فی زمانہ
المناک صورتحال نظر آتی ہے۔ حالانکہ ہر سال دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں کی تعداد میں
مسلمان بیت اللہ کا حج کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے، ماہ رمضان میں ایمان افروز ماحول
بھی طاری رہتا ہے اور مساجد بھی نمازیوں سے بھری دکھائی دیتی ہے وغیرہ مگر امت
مسلمہ ان عبادات کی فیوض و برکات سے نہ صرف محروم نظر آتی ہے بلکہ وہ اغیار کے ہاتھوں رسوا
بھی ہو رہی ہے۔ یہ تو اس دور کا عالم ہے جب اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو بے حد و حساب
وسائل و دولت سے بھی سرفراز کیا ہے۔ پھر اس رسوائی کا آخر کیا سبب ہے؟ وہ
وجہ صرف صرف یہ ہے کہ ہم رب جلیل کے مذکورہ بنیادی فرمان کی خلاف ورزی کے مرتکب
ہو رہے ہیں۔ جب ہم نے اپنی پہچان ”اتحاد و اخوت“ کو ختم کر دیا تو پھر کیسے یہ توقع کی
جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عزت و نصرت سے ہمکنار کرنے کا اپنا وعدہ ایفا فرمائے
گا۔

جب نبی کریمؐ عنفوان شباب سے گزر رہے تھے اور عمر عزیز تقریباً بیس برس تھی تو آپؐ
نے حلف الفضول نامی ایک معاہدہ میں شرکت کی جو آپؐ کے تایا حضرت زبیر بن عبد المطلب
کی کاوش سے ہوا تھا اور اس کا مقصد ظلم و بدامنی سے بچانا تھا۔ اس میں متحد و قبائل
شریک تھے۔ اس کی چند شرائط حسب ذیل ہیں :-

- ۱۔ ہم ملک سے بد امنی دور کریں گے۔
 - ۲۔ ہم مسافروں اور قافلوں کی حفاظت کریں گے۔
 - ۳۔ ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔
 - ۴۔ ہم زبردست کو زبردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔
- آنحضرتؐ اپنے زمانہ میں بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس مجلس کے نام سے کسی کو مدد کیسے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کے لیے تیار ہوں گا۔
- ہجرت کے پہلے ہی سال آپؐ نے ایک بین الاقوامی معاہدہ امن کی بنیاد ڈالی۔ یہ شقاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ہر طبقہ کے سیاسی اور معاشرتی حقوق و فرائض متعین کر دیے گئے تھے۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا۔ اس کی بنیاد رنگِ نسل، زبان پر نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد اخوتِ حریت، مساوات اور عدل پر تھی۔ اس معاہدہ کا حرفِ صرف آج بھی زندہ و پائندہ ہے۔ ہر شخص پڑھ کر اندازہ کر سکتا ہے کہ نبی کریمؐ دنیا میں اتحاد اور امن و امان قائم کرنے آئے تھے۔ ہتھیار اور نفرت کی زبان استعمال کرنے نہیں۔ طلوعِ اسلام سے قبل اہل عرب جس نعمت سے محروم تھے وہ یہی محبت کی نعمت تھی۔ پھر اسلام کے بعد سب سے پہلے وہ جس نعمت سے مشرف کئے گئے وہ یہی نعمتِ عظمیٰ تھی۔ فرمانِ الہی ہے!

وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَالَفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا ۝

’اور یاد کرو احسانِ اللہ کا اپنے اوپر جبکہ تھے تم آپس میں دشمن، پھر اس نے تمہارے دلوں میں باہمی صحبت پیدا کر دی اور اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔‘

مزید فرمایا کہ اگر یہ اتحاد نہ ہوتا اور نہ اتفاق میں مبتلا رہتے تو تم آگ سے بھرے ایک گڑھے کے کنارے پر پہنچ گئے مگر اللہ نے باہمی اتحاد کی نعمت سے تم کو بچا لیا۔

دراصل باہمی اتحاد و اخوت انسانی بقا، ارتقاء اور قوت و خوشحالی کے لئے ایک ناگزیر عمل ہے۔ اس کی اولین مثال دورِ نبویؐ میں اہلِ مدینہ کی ہے جنہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور اخوت کے جذبہ کے تحت اپنے آئینوں کا نصف حصہ ان کے سپرد کر دیا۔ سورہٴ حشر میں اہلِ مدینہ کے اس کردار کی زبردست تعریف کی گئی ہے۔ ان کی بحوث

اخوت کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ اس وقت کے انتہائی نامساعد حالات کی موجودگی میں انہیں شہرہ برابر توقع نہ تھی کہ اس اخوت سے انہیں مستقبل میں عظیم فائدہ پہنچنے والا ہے۔ اگر اہل مدینہ نخل سے کام لیتے تو مہاجرین کو اپنی ناداری کی بنا پر دشمن کی یلغار روکنے کی سکت نہ ہوتی۔ نیز مدینہ کی امت مسلمہ اقتصادی تفاوت کی بنا پر مثالی اتحاد و اخوت کے رشتہ میں منسلک نہ ہو سکتی۔ اخوت کی اعلیٰ مثال پیش کر کے انصار کو کچھ عرصہ ضرور اپنی مالک میں کمی نظر آئے ہوگی۔ مگر بہت جلد ان کے عمل سے معاشرہ و گھر سکھ میں برابر کا شریک ہو گیا اور اس کے سبب ایک متحد اور طاقتور امت واحدہ دنیا کے ایٹم بوم پر غور ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دنیا پر چھا گئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اخوت کی شہود سے تاکید کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے، ارشاد ربانی ہے !

”اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں بڑے ہی لوگ ہیں جو منتقی ہیں۔“

غرض قوموں اور قبیلوں کی یہ تقسیم اس لئے نہ تھی کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں اور ایک دوسرے پر کھوپڑا چھالیں۔ اس آیت کریمہ نے دینی اخوت سے بڑھ کر انسانی اخوت کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسان انسانیت کی سطح پر برابر ہیں کیونکہ ان سب کے جدا علیٰ حضرت آدم علیہ السلام ہی تھے۔ پروردگار عالم صرف مسلمانوں کا ہی رب نہیں۔ بلکہ رب العالمین ہے۔ خالق کائنات نے جن آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا وہ کسی ایک قوم کیلئے نہیں بلکہ قرآن حکیم کے مطابق **وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ** یعنی تمام عالموں کیلئے رحمت بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ جب اللہ کی رحمت سب کیلئے عام ہوں، ہوا سب کیلئے، پانی سب کے لئے روشنی سب کیلئے اور کھانے پینے کی نعمتیں سب کیلئے ہوں تو پھر اچھا بڑا اور سلوک سب کیلئے کیوں نہیں ہونا چاہیے۔

بلاشبہ پیغمبر اسلامؐ کی بنیادی دعوت توحید ہے۔ اس توحید کا تقاضا ہے کہ جو افراد خدا کے واحد پر ایمان لائیں ان میں بھی وحدت کا نشان پیدا ہو جائے۔ وہ ایک اکائی

کی شکل اختیار کریں۔ جو ب نسب، رنگ و نسل، زبان، علاقہ اور کالے گورے کے تمام اختیارات کا خاتمہ ہو جائے کیونکہ یہ سب فرقہ پر داری کو جنم دیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی لئے فرقہ پر داری کو مشترک کے مترادف قرار دیا ہے۔ ہر وہ عمل جس سے ملت کے ٹکڑے ٹکڑے اور انتشار میں مبتلا ہوتی ہے امت واحدہ میں رخنہ ڈالنے کی کوشش ہے۔ اور یہ رخنہ خود توحید کے عقیدہ سے بغاوت ہے۔ فرمان الہی ہے، "اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گردہوں میں تقسیم ہو گئے" امت کے اتحاد و اخوت کو اس حدیث نبویؐ نے کتنا اعلیٰ و ارفع مقام عطا کیا ہے "اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایسی بات بتا سکتا ہوں جو نماز روزے سے بھی بالاتر ہے" صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ ایسی بات سے ضرور آگاہ فرمائیں "فرمایا: مسلمانوں کے درمیان جو نا اتفاقی ہو اس کو دور گناہ اور روزے سے بھی بہتر ہے اور خوب یاد رکھنا کہ نا اتفاقی برباد کر دینے والی چیز ہے۔" اس حدیث سے نماز روزے کی فرضیت اور اہمیت کو گھٹانا شتم برابر بھی مقصود نہیں۔ بلکہ یہ خبردار کیا گیا ہے کہ اگر نماز روزے کے پابند ہو مگر امت واحدہ نہیں ہو تو اس صورت میں نماز روزے کے مطلوبہ نتائج و فوائد حاصل نہ کر سکو گے۔ البتہ نماز روزہ اسی وقت برابر ہوگا جب ہم اپنے بنیادی تشخص امت واحدہ کا منظر بن جائیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور دولت وغیرہ کے تمام مہلک اور انسانیت سوز تعصبات اور نفرتات کو اخوت کے ذریعہ مٹا دیا۔ مسلمان دن میں پانچ بار کدھے سے کدھا ملا کر اور تمام امتیازات کو ختم کر کے خدائے واحد کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے روزے کی عبارت بھی فرض ہوئی کہ مسلمان ایک ماہ ایک ساتھ کھانے پینے، ایک ساتھ عبارت کرنے اور ساتھ بھوکا رہ کر سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں بھی ایک ہو جانے کے عادی بن جائیں۔ اسی مقصد کیلئے زکوٰۃ کا نفاذ ہوا تاکہ معاشرے میں امیر و غریب کا فرق جلد از جلد ختم ہو جائے اور امت بنیانِ مرموص کی شکل اختیار کرے یہی مقصد حج میں کارفرما نظر آتا ہے جس میں لاکھوں مسلمان یکساں لباس میں ملبوس اور ہر قسم کی اونچ نیچ سے بالاتر ہو کر اتحاد و اخوت کا عظیم المثال منظر ہر کرتے ہیں یہی روح اسلامی اخلاق میں نظر آتی ہے۔ فرمان الہی! اور ایک دوسرے کے تجسس

تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ کیا کہ دونوں قبائل کو مسیحی بھریسویوں کے تابع ہونا پڑتا اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ ایک قبیلہ غالب آکر محض ہمارے فحط زدہ شراب میں محدود رہتا لیکن ایمان سے ایس اُمت واحدہ بن کر اس وسیع پیمانے پر عروج و فوٹخالی سے ہمکنار ہوئے کہ پوری تاریخ سنوڑ انگشت بندال ہے۔

جب رسالتِ نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ امن و سلامتی کے قیام میں اس طرح تمہارا حامی مددگار ہوگا کہ گھر کی چار دیواریوں میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خواتین تنہا کسی محافظ و معاون کے بغیر مدینہ سے اٹھ کر کا یا اس سے بھی طویل سفر بلا خوف کر سکیں گی اور کوئی چور یا ہرن اسے خوفزدہ نہ کرے گا تو اس کا واضح مفہوم یہی تھا کہ مسلمانوں کی جانب سے اتحاد کی اساس قانون کا ایسا نشانہ راقترام کیا جائے گا۔ چنانچہ تاریخ کے صفحات اس حدیث قدسی کی تعبیر سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے بعض اوقات قانون کی نظریں جرم و ظلم تک نہ پہنچیں مگر اسلام کا فرمان اور تاریخ کا تجربہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے قانون کا احترام کیا جائے، قانون کا احترام عدل ہے جبکہ قانون کو خود ہاتھ میں لینا ہر مذہب معاشرے کے نزدیک جرم و گناہ ہے، ممکن ہے اس صورت میں چند متاثرہ افراد کو ایثار و قربانی کا سامنا کرنا پڑے لیکن قانون کو ہاتھ میں لینے کے سبب نفرت، انتقام، تشدد اور خون ریزی کا وہ روح فرمایا ب کھل جاتا ہے جس کی پیٹ میں چند افراد کی بجائے پورا معاشرہ آگرتیا ہی و انتشار اور زوال و پستی کا شکار ہو جاتا ہے۔

رب جلیل اور پیغمبر اسلامؐ نے امت واحدہ کی شکل کیلئے ایک بہت ہی بنیادی اور ناگزیر اصول کی بھی رہنمائی فرمائی کہ امت کو معاملات کی انجام دہی میں مکمل طور پر شریک کیا جائے تاکہ ان میں باجماع رہیں۔ ایسا نہ کہ اور قوموں کی احساس جاگزیں ہو اور وہ کسی اچھے یا برے نتائج پر اس میں یقین نہ ہو۔ سرشار، مطمئن اور متحد رہیں کہ جو کچھ ہوا وہ خردان کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا اور انشاء اللہ مل جل کر ترقی و ترقی دہی والی کو سنسلا، ایک نہ ایک دن حاصل ہو جائے گی جب رب جلیل نے نبی کریمؐ کو بھی و نشانہ ہم فی الامر ان کے معاملات میں مشاورت کیجئے کی ہدایت فرمائی تو سوال یہ ہے کہ بعد افاق کا کیا ہے؟ کوئی باز آنحضرتؐ کو رگوں سے مشوروں کی کیا ضرورت تھی؟ جواب واضح کہ امت کو امت واحدہ میں رکھنا مقصود تھا۔ سورہ شوریٰ میں مزید ارشاد ہوا:

میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برا کہے۔ بھلا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے سرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تم کو گوارا نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

(المحجرات)

مکی دور میں آنحضرتؐ نے یقین محکم کے ساتھ اس دنیاوی زندگی میں فلاحِ عظیم کی نجات دی کہ تم اسلامی دعوت قبول کر لو اور بہت جلد روم و فارس کی مملکتیں تمہارے زیرِ نگین ہو جائیں گی۔ بلاشبہ اس چند روزہ حیات کی کارکردگی کا سلسلہ عظیم آخرت میں حاصل ہوگا مگر پیغمبرِ اسلامؐ کا ہمیشہ یہ چیلنج رہا کہ امتِ واحدہ کیلئے ثمراتِ دنیا میں بھی نمودار ہوں گے اور نمودار ہوئے ہیں۔ پچنانچہ اس زمانہ کی دوسرے پاورز روم اور فارس کی تیسجی کا چیلنج اس وقت کیا گیا تھا جب عربوں نے اس سے قبل اپنی پوری تاریخ میں ایک چھوٹی سلطنت بھی قائم نہ کی تھی۔ وہ ہمیشہ سے متحارب قبائلی نظام میں منتشر اور مفلوک الحال تھے۔ علاوہ ازیں یہ الفاظ اس ذاتِ اقدس نے فرمائے تھے جو خود قریش مکہ کے ہاتھوں شدید ذہنی و جسمانی اذیتوں میں مبتلا تھے اور اپنے معیشتی بھرسائیوں کو بھی ان پر توڑے جانے والے ظلم و ستم پر صرف صبر کی تلقین کر رہی تھی۔ آج کا بھی کوئی مورخ یا تبصرہ نگار یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ روم اور فارس کی اسلامی فتح تاریخ حالات اور اسباب کا ایک منطقی عمل تھا۔ تاہم اہل ایمان نے صرف اور صرف امتِ واحدہ بن کر اس ناقابلِ قیاس چیلنج کو محض پانچ دہائیوں کے اندر زندہ حقیقت میں تبدیل کر دیا۔

طلوعِ اسلام سے قبل مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے دو قبائل برسہا برس سے اختلافات و تنازعات کا شکار تھے۔ ان کے درمیان خونریز جنگیں برپا تھیں کہ ان دونوں نے اسلام قبول کرتے ہی فی الفور اپنے صدیوں قدیم تنازعات بھلا دیئے تمام دعویٰ اور جواہی و عوقول سے دستبردار ہو گئے اور از سر نو مستقبل کی تعمیر کیلئے امتِ واحدہ کی شکل صورت اختیار کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ایک بیمار اور قحط زدہ بستی صحت مند اور سرسبز لائزار میں تبدیل ہو گئی اور تاریخ نے بہت جلد ان گناہم قبائل کو زندہ جاوید بنادیا۔ اگر وہ آپس میں اپنے اپنے حقوق کی خاطر برسہا برس پارہے تھے تو اول تو وہ دونوں

”وامرہ و مشورہ“ ایسا ہی ہے۔ ”ایمان اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں“ یہ نہیں کہا گیا کہ کچھ امور ساختہ لوگ امت سے مشورہ کریں اور پھر اسے تسلیم کریں یا نہ کریں، بلکہ یہ حکم ہوا کہ باہمی مشاورت کے باہمی تمام امور انجام دیئے جائیں تاکہ امت، احساس مجروری کا شکار نہ ہو کہ افتراق و انتشار میں مبتلا نہ ہو۔

نبی کریمؐ نے امت کو امت واحدہ بنانے میں اعلان نبوت سے قبل کی زندگی اور آخری سالوں تک ایک اور اعلیٰ ترین اصول پر عمل کیا اور نتائج عظیم المثال کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ آپؐ نے ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ، الکبریٰؓ کی تمام دولت جو ایک روایت کے مطابق قریش کی پوری مجموعی دولت سے بھی زیادہ تھی۔ غریبوں، یتیموں اور ضرورت مندوں میں اس طرح تقسیم کر دی کہ خانوادہ رسولؐ نان شبینہ سے بھی محروم ہو گئے مگر اس عمل اور بعد میں خلفائے راشدین کے اجتماعی کفالت کے نظام نے امت مسلمہ کو دکھ سکھ میں برابر کا شریک بنا کر سیر پلائی ہوئی چٹان کی طرح متحد کر دیا اور دنیاوی تاریخ کی سب سے بڑی ایسی لاثانی پھر پاور بنا رہا جس کی انسان ساری، انسان آرائی، انسانی ہمدردی و خیر خواہی اور عدل کو دیکھتے ہوئے غیر مسلم اپنے خدا سے وعما مانگا کرتے تھے کہ ہماری حالت بھی سدھارنے کیلئے ان مسلمانوں کو ہماری ہر زمین پر امانت دے دے۔

آخر میں ایک فکر انگیز تبصرہ پیش کرتا ہوں۔ مدینہ آنحضرتؐ کی دس سالہ زندگی میں سنگین درجہ کی ایمر جنسی کے زیر سایہ رہا ہے۔ ہر آن حملے کا خطرہ رہتا۔ قریش نے تین بار بڑے بڑے حملے کئے۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں اور سرحدی آویزشوں کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ متفرق قبائل مدینہ پر دھاوا بولنے کیلئے کبھی ادھر سے سر اٹھاتے تو کبھی ادھر سے باہر پریش کرتے ان قتلوں کی سرکوبی کرنے کیلئے مدینہ سے فوجی دستوں کی ترسیل ہوتی۔ راتوں کو فوجی پہرہ لگایا جاتا۔ غرض ایک جنگی کیمپ کی سی زندگی تھی۔ مزید برآں یہود منافقت کی سازشوں کا زور تھا۔ حضورؐ کی قیادت کو ناکام کرنے کی سازشیں اور پھر اس باعث تخلیق کائنات و موجودات کی زندگی لینے کی سازشیں۔ ایمر جنسی کا اس سے زیادہ اور کیا عالم تھا مگر حضورؐ نے یہ کبھی اپنے لئے مستبدانہ رویہ اختیار کیا اور نہ ہی کوئی سنگامی آرڈی سنس جاری کیا، نہ کوئی جابرانہ ایکٹ نافذ کیا، نہ کسی ایک فرد کو نظر بند کیا، نہ کوئی ہنگامی عدالتیں بٹھائیں، نہ تازیانے برسا کر لوگوں کی کھال اڑھیری، نہ جرنیے اڑنا وان ڈالے، نہ کسی کی زبان بندی کی اور

نہ ہی کسی پر پابندی عائد کی۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی جیسے رئیس تک سے کوئی تعرض نہیں کیا، سارا دار و مدار اپنی دعوت کی صداقت، اپنے کردار کی پاکیزگی اور اتحاد و اخوت پر رکھا۔ کبھی کسی انسان کی تحقیق نہیں کیا۔ کبھی تکبر نہیں کیا۔ معوتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا مگر کمزوروں اور مظلوموں کی دادرسی کی۔ یہی سبب تھا کہ دشمنوں کے دل مسخر ہو جاتے تھے اور اہل ایمان امت و اصحاب بن کر دنیا اور دنیا کی تاریخ پر چل گئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام میں امن و اخوت کا عالمگیر تصور

پروفیسر احسان الدین، پشاور

اسلام کے لفظی معنی ہیں ، " امن و سلامتی " اور یہی نام اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب دین کے لئے تجویز کیا جیسا کہ ارشاد ہے ، " ان الدین عند اللہ الاسلام " اور ایک دوسری جگہ فرمایا ۔ " ورضیت لکم الاسلام دینا " گویا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین امن و سلامتی کا دین ہے امن و سلامتی کا لازمی نتیجہ " اخوت اور اتحاد ہے " کیونکہ امن و سلامتی کے بغیر اخوت اور بھائی چارہ قائم کرنا ممکن نہیں ، لہذا دین اسلام جو بلا امتیاز رنگ و نسل اور قوم و ملک ساری دنیا کی فلاح و بہبود و رست و ہدایت کیلئے آیا ہے ایک عالمگیر پیغام کا علمبردار مذہب ہے ۔ اسلام کے اس عالمگیر پیغام اخوت و امن کو واضح کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان زندگی کے ہر شعبے میں آنحضرتؐ کے تعلیمات کا بنظر عمیق مطالعہ کریں کہ آپؐ نے اپنی تعلیمات سے ایسا عظیم انقلاب برپا کیا کہ پوری دنیا نور ہدایت سے جگمگا اٹھی ۔ صفحہ ارضی پر سرطرف وحشت کی جگہ اطمینان ، بربریت کی جگہ شرافت ظلم و ستم کی جگہ عدل و انصاف ، عداوت کی جگہ اخوت اور شرافت انسانیت امن و سلامتی جیسی عظیم قدروں سے روشناس ہوئی ۔ قرآن حکیم نے اس ہمہ گیر و عالم گیر انقلاب کا نقشہ ان الفاظ سی میں کھینچا ہے ۔

واذکرو انعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمته اخوانا وکنتم علی شفا حفرة من النار
فا نقاذکم منها (اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر
کی ۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو تمہارے دلوں کو جوڑا اور تم اللہ کی نعمت سے

بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے، پس تم کو اس سے بچالیا، حضورؐ کی ولادت باسعادت کا دن اس لحاظ سے اہم نہیں۔ کہ اس روز عرب کے ایک سردار گھرانے میں بچہ پیدا ہوا۔ بلکہ یہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہی وہ دن ہے جس دن خدائے بزرگ و برتر نے اس عظیم ہستی کو دنیا میں بھیجا۔ جس کی بدولت انسان کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی اور یہی وہ دن ہے جس دن اس امتؐ کی بنیاد پڑی جسے تمام نوع انسانی کی رہبری و قیادت کا اہم منصب عطا ہوا۔ یہ سرزمین حجاز کی بادشاہت کے آغاز کا دن نہ تھا۔ نہ بعض قوموں کی طاقت کے اعلان کا دن، نہ ہی بعض نسلوں اور ملکوں کی بڑی کے پیغام کا دن تھا۔ بلکہ یہ تمام دنیا کی ربانی بادشاہت کے قیام کا دن تھا۔ اور یہ اس بابرکت و مقدس ہستی کے ظہور کا دن تھا۔ جن کی بدولت انسان نے انسان بنایا۔ وہ ہستی جنہوں نے تمام روئے زمین پر ایمان و عمل صالح، اتحاد، یکجہتی، اخوت و روادری، امن و سکون کا نور پھیلا یا اور جنہوں نے نوع انسانی کے شرف و احترام کا قیام عام کیا اور جنہوں نے انسانوں کی بادشاہوں، قوموں کی برائیوں اور ملکوں کی فتوحات کی نہیں۔ بلکہ خدا کے وعدہ لاشریک کی ایک ہی عالمگیر بادشاہت کے قیام کی بنیاد رکھی جس میں اتحاد و یکجہتی، اخوت و بھائی چارہ، امن و امان ہو۔

قوموں کے عروج و زوال میں ان کے کردار، اخلاق کا بڑا دخل ہے اور قوموں کے اخلاق میں بنیادی حیثیت اتحاد و یکجہتی اخوت و بھائی چارے کو حاصل ہے۔ اخوت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام افراد قوم آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی اور سب ایک برادری کی طرح متحرک و متفق ہو کر زندگی بسر کریں۔ سب کی سوچ ایک ہو اور سب کا انداز فکر ایک سمت میں ہو۔ دنیا کی کوئی بھی قوم اس وقت تک نہ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ ہی تعمیر و ترقی کا راستہ طے کر سکتی ہے جب تک اس کے افراد میں باہمی اخوت اتحاد، یک رنگی و یکجہتی نہ ہو اور جب تک وہ ایک جسم اور ایک جان ہو کر آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر کسی معاشرے کے افراد آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں اور تفرقہ ڈالتے ہیں تو وہ قوم خلفشاری اور کمزوری کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ ایسے قرآن حکیم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ "ولا تنازعوا فتزشلوا و تذهب ریحکم" آپس میں مٹ جھگڑو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ان میں باہمی اخوت و اتحاد نہ ہو تو بھی اس قوم میں کبھی اجماعیت پیدا نہیں ہو سکتی اور اس کا وجود ہر وقت خطرے میں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم مثبت انداز میں باہمی اخوت اور بھائی

چاہے، متحد و متفق رہنے کی تلقین کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے ”

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔“

اور اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔
حبل اللہ سے مراد اللہ کا عہد اور ذریعہ وسیلہ ہے اور یہاں مراد قرآن حکیم، اسلام کے احکام اور دین حق ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ اعتصام بحبل اللہ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کیا جائے اور اس کی کتاب قرآن حکیم اور اس کے احکام یعنی شریعت اسلامی پر متحد ہو کر عمل کیا جائے، جیسا ”
سے مراد اجتماعی حیثیت سے احکام شرعی کو اپنانا ہے اور اخوت و یکجہتی کا عملی مظاہرہ کرنا ہے
آیت مذکورہ میں لا تفرقوا“ سے ان تمام باتوں سے منع کر دیا گیا، جو ملی اتحاد اور قومی
یکجہتی کے منافی ہوں۔

اسلام سے قبل عرب قبائل ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ لوٹ مار، خونریزی اور قتل و غارت ان کے روزمرہ کے مشاغل تھے۔ اتحاد و اتفاق، اخوت و یکجہتی کا نام و نشان نہ تھا۔ اسلام نے اگر ان کی باہمی دشمنیوں اور کینوں کو دور کیا، اور انہیں اتحاد و اخوت کے رشتے میں منسلک کر دیا، قرآن حکیم مسلمانوں میں ایک تصویر پریر کرنے کیلئے انہیں رشتہ اخوت میں منسلک کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا، ”انما المؤمنون اخوة“ ”سورۃ الحجرات“
بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اخوت، بھائی چاہے کا بنیاد ایک مشترکہ عقیدے پر قائم کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مہاجرین و انصار میں جو بھائی چارہ قائم کیا۔ اسے ”مواخات“ کا نام دیا گیا، یہ وہ تعلق ہے جو رنگ و نسل قوم ملک، قبیلہ خاندان سب سے بالا ہے اور اس میں ایمر و غریب اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی کوئی تمیز نہیں۔ بلکہ دنیا بھر کے مسلمان خواہ کسی بھی ملک و قوم یا رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہوں سب ایک رشتہ اخوت میں منسلک ہیں۔ سرکارِ دو عالمؐ نے بھی مسلمانوں کو اخوت، بھائی چارہ، اتحاد یکجہتی و یکسانیت کی تعلیم دی ہے۔ فرمایا کہ ”تین چیزوں پر مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا اطاعت الہی، ائمہ المسلمین سے علوم اور جماعت سے وابستگی“ ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔ کہ ”جو مسلمان اپنی جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اور اسی حالت میں مر گیا تو اس نے جہالت یعنی کفر کی موت پائی“ ایک اور حدیث میں فرمایا ”تو دیکھنا ہے مومنوں

کو ان کی باہمی رحم دلی، محبت اور ارتباط میں ایک جسم کی مانند ہیں کہ جب کوئی عضو بیمار ہوتا تو سارا جسم بے خوابی اور بھاری میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، کہ ”مسلمان ایک عمارت کی مانند ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کئے ہوئے ہے۔“

اسلامی عبادات اخوت کا منظرہ

اسلامی عبادات میں اگرچہ بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، ان کا ایک پہلو باہمی اتحاد و اتفاق اخوت و یکجہتی کی تعلیم بھی ہے۔ نماز جو دین کا اہم ستون ہے اور اولین فرض ہے اسے الگ الگ بھی ادا کیا جاسکتا ہے مگر نماز باجماعت کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں باہمی اخوت، دوستی، اتحاد و یکجہتی کی روح پیدا ہو۔ زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی سے امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ میں تعاون و ہمدردی کا جو جذبہ رونما ہوتا ہے اس سے باہمی دوستی، مودت کی فضا قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ روزہ بھی عالم اسلام کے اتحاد کا منظرہ ہے۔ اسی طرح حج اسلامی اتحاد و اخوت و برادری، یکجہتی کی عظیم الشان علامت ہے۔ اسلامی نظام اخلاق کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ الہی اخلاقیات کو لیتا ہے جو معروف ہیں اور جنہیں انسانیت کے اجتماعی ضمیر نے قبول کیا ہے۔ پھر ان اخلاقیات کا زندگی میں پورے توازن و تناسب کے ساتھ موقع و محل اور معروف تجویز کرتا ہے اور اتنی وسعت دیتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں سمودیتا ہے۔ انفرادی کردار، خانگی معاشرت، شہری زندگی، ملکی سیاست، معاشی کاروبار، مدرسہ و مکتبہ عدالت، میدان جنگ، بین الاقوامی معاملات غرض زندگی کا کوئی شعبہ البتہ نہیں جو اسلامی نظام اخلاق سے باہر ہو اور ان تمام کا مقصد ایک ایسے فلاحی معاشرہ کی تشکیل ہے۔ جس کی بنیاد اخوت انسانی پر قائم ہوں۔ جہاں نہ ہی سماجی، معاشرہ، معاشی توازن اور ہم آہنگی ہو۔ بقول شاعر

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے بابا کسے کارے نباشد

پھر اس نظام اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اخلاق کو بعض اعتبار سے عبادت سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ جہاں معاشرے کی وحدت میں رخنہ پڑنے کا احتمال ہو اور انسانی اخوت کا رشتہ منقطع ہو جانے کا خوف ہو۔ وہاں ایسے حدود اور ضابطے مقرر کیے

کہ پوری نسل انسانی آرام اور سکھ کا سانس لے۔ حقوق العباد کا درجہ اتنا بلند کیا۔ کہ حبیب تک وہ بندہ جس کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔ خود معاف نہ کروئے۔ معاف نہیں ہوگا۔ اس لئے حضور اکرمؐ نے فرمایا، کہ جس بھائی نے دوسرے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اسی دنیا میں اسے معاف کر لے، ورنہ آخرت میں تاوان ادا کرنے کیلئے کسی کے پاس درہم و دینار نہ ہوں گے۔ صرف اعمال ہوں گے، پھر ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم کے نامہ اعمال میں ڈال دی جائیں گی۔ معلوم ہوا کہ اسلام مسلمان معاشرہ کو ایک وحدت کے طور پر تشکیل دیتا ہے۔ اس غرض کیلئے وہ تمام مسلمانوں کو آپس میں اخوت کے رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔ وہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ المسلم اخو المسلم مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس لئے اخوت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ اپنے عمل اور کردار سے معاشرے کے افراد کے درمیان پیار و محبت کا رشتہ استوار کریں اور ان کے دلوں سے تفرقوں کدورتوں، تعصب کو نکال کر باہر بھینک دیں۔

انسان کا مدنی الطبع ہونا؛

انسان بنیادی طور پر مدنی الطبع ہے یعنی وہ دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے یہ طبیعت اس کی فطرت بھی ہے اور مجبوری بھی، مجبوری اس لحاظ سے کہ وہ دوسروں کے تعاون کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اس کے کھانے پینے، لباس اور بود و باش کے دوسرے وسائل کے لئے دوسروں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، پیدائش ہی سے وہ اپنے ماں باپ کا پرورش کیلئے محتاج ہوتا ہے۔ اس کے بعد تعلیم و تربیت کے لئے اساتذہ کا محتاج ہوتا ہے پھر وہ معاشرہ میں اپنی معیشت، میل جول، معاشرتی تحفظ اور پناہ کیلئے معاشرہ کے مختلف افراد اور اداروں کا محتاج ہوتا ہے۔ غرض وہ معاشرہ کی ادا و تعاون کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسان کا سب سے قریبی معاشرتی تعلق اپنے خاندان کے افراد سے ہوتا ہے۔ پھر ماحول رسمی اور غیر رسمی اداروں سے ہوتا ہے اس لئے ان سے روابط کو منضبط اور منظم کرنے پر معاشرہ ایک نظام وضع کرتا ہے اس نظام میں معاشرہ کے مختلف افراد اور طبقوں کے درمیان تعلقات کو حقوق و فرائض

کے آئینہ میں دیکھا جاتا ہے۔ اسلام بھی ایک نظامِ حیات ہے جس کا معاشرتی نظام چند اصولوں پر قائم ہے اور ان اصولوں کے توازن سے اخوت، بھائی چارے اور امن و سلامتی کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اسلئے حضورؐ نے جہاں باہمی اخوت قائم رکھنے کی دعوت دی۔ وہاں امن و سلامتی کو بھی قائم رکھنا ضروری سمجھا۔ اسلئے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

مساوات :

اسلام نے معاشرہ کی بنیاد مساوات پر رکھی ہے۔ بنیادی طور پر تمام انسان برابر ہیں۔ البتہ اچھے کردار کی بنیاد پر ایک شخص چاہے وہ کسی رنگ و نسل سے اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو۔ دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے۔ بحیثیت داعی امن و اخوت آنحضرتؐ کا میرت و کردار اس لحاظ سے منفرد ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا ”اے لوگو! تم میں ہر شخص آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی میں سے تھے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کسی گویے کو کالے پر اور کسی کالے کو گویے پر فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔“

احترامِ باہمی :

اسلامی معاشرہ میں اخوت و امن و سلامتی کیلئے بڑا کارآمد اصول باہمی احترام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی شخصیت اور حقوق کا احترام کیا جائے اس میں عمر کے لحاظ سے مراتب بھی شامل ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کی اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا۔ کہ معاشرہ میں باہمی تعلق دوستی، اخوت اور امن کا تعلق مضبوط رہے۔

امنِ عالم :

اہل مغرب نے دنیا میں یہ تاثر کافی حد تک پھیلایا ہے کہ اسلام ایک جنگجو یا مذہب ہے مگر اس قسم کے خیالات درحقیقت لاعلمی پر مبنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو مضبوط کرنے کیلئے کافی جنگیں کرنا پڑیں۔ لیکن یہ جنگیں مدافعتی تھیں اور اپنی حفاظت اور بقا کے

کیلئے مسلمانوں نے بڑیں اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ شروع اسلام کی جنگیں (جنگ بدر، احد، خندق) مدینہ کے قریب لڑی گئیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جارحانہ طور پر دشمنان اسلام مدینہ پر حملہ آور ہوا چاہتے تھے۔ مسلمانوں نے شہر سے نکل کر ان کا مقابلہ کیا۔ مدینہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں نے یہودیوں اور دوسرے غیر مسلمانوں سے امن و صلح کے معاہدے کئے۔ مگر ان قبائل نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی۔ جو کہ جنگوں پر منتج ہوئیں۔ اسلام پر خونریزی کا الزام لگانے والوں کو "فتح مکہ" پر آنحضرتؐ کے اعلان "لاشریب علیکم ایوم" پر نظر ڈالنی چاہیے جبکہ اسوقت دشمنوں کا خون بہانا مسلمانوں کیلئے ہر قانون اخلاق اور رواج کے مطابق جائز تھا۔ کیونکہ یہ دشمن مسلمانوں کے قاتل تھے مگر آنحضرتؐ نے انہیں معاف کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام امن کا مذہب ہے نہ کہ جنگ کا۔

قرآن نے امن کو خطرہ زمین کا اصل قرار دیا ہے اور امن کا متضاد "فتنہ" کو ربانے اور ختم کرنے کا حکم دیا ہے چلے اس کی خاطر کوئی جنگ ہی کیوں نہ لڑنا پڑے قرآن میں ارشاد ہے!

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

اور ان سے جنگ کر دیہاں تک فتنہ ختم ہو جائے
اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں فتنہ کی سرکوبی
دیا گیا ہے نہ کہ غیر مسلموں کو ختم کرنے کیلئے۔

اسلام کے امن پسند سونے کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس نے آتے سی صدیوں سے نبرد آزما قبائل کے درمیان صلح کرادی اور کسی انسان کے قتل کو انسانیت کا قتل قرار دیا۔ فرمایا "مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا" جس نے کسی انسان کو بغیر نفس کے اور زمین میں فساد کی خاطر قتل کیا، پس اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا۔ یعنی اسلام کسی بھی انسان کے ناحق قتل کو سخت ناپسند کرتا ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو جنگوں اور فتوحات میں خاص طور پر یہ ہدایات دی جاتی تھیں۔
۱۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ کھیت نہ بھلائی جائے۔

۳۔ رزقت نہ کاٹے جائے۔

۴۔ جو اپنے گھروں میں گھسی جائے انہیں قتل نہ کیا جائے۔

اگر ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مظلوموں کی بھلائی کے لئے زیادتیوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔ تاکہ وقت کے قبائل، افراد، معاشرہ، امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔

اسلامی جنگوں کے مقاصد

۱۔ فتنہ کی سرکوبی، جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اسلام امن کا مذہب ہے، اس لئے وہ دنیا سے فتنہ کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ فتنہ و فساد کی سرکوبی کریں، ارشادِ خداوندی ہے!

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ اٰنْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظَّالِمِيْنَ ۝ (البقرة)

(اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین اللہ کا ہو جائے اور اگر وہ فساد سے باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی سے زیادتی نہ کریں۔ اس آیت مبارک سے درج ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں،

۱۔ فتنہ کو ختم کرنے کیلئے جنگ کی جائے۔

۲۔ خدا کا دین (امن، عدل) جب بحال ہو جائے تو جنگ بند کر دیں۔

۳۔ اگر فتنہ پھیلانے والے فتنہ سے توبہ کریں، تو ان کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔

۴۔ فتنہ کو جاری رکھنے والوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں،

۲۔ امن کا قیام

فتنہ کی سرکوبی کے بعد امن کے قیام کا مسئلہ آتا ہے، اسلام چونکہ بنیادی طور پر امن کا مذہب ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اپنے دشمنوں کو ہمیشہ امن کے ساتھ رہنے کی پیش کش کی۔ آپؐ نے ہجرت کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں کے درمیان موافقات (بھائی بھائی) کا رشتہ

قائم کیا تو دوسری طرف یہودیوں اور مشرکین کو صلح اور معاہدہ بقائے باہمی کی پیشکش کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ”رسول رحمت“ میں اس نکتہ کی یوں وضاحت کی ہے۔

مواخاۃ کا تعلق صرف مسلمان مہاجرین و انصار سے تھا۔ لیکن حضورؐ یثرب میں تشریف فرما ہوئے تھے تو وہاں مسلمانوں کے علاوہ بھی مختلف گروہوں کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ مثلاً

۱۔ وہ عرب اوس، خزرج جو اس وقت تک حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اصطلاحاً انہیں مشرک سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں یہ لوگ نیزی سے گھٹتے گئے۔ یہاں تک کہ بظاہر بالکل ختم ہو گئے۔

ب۔ منافقین: یہ لوگ عرفاً مسلمان سمجھے جاتے تھے۔ لیکن ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا تھا۔ وہ دل سے نہ مسلمانوں کے ساتھ تھے اور نہ مشرکین میں داخل تھے۔ ہر معاملے میں وقتی، ذاتی مصلحتوں پر کاربند ہتے تھے۔ جماعتِ مسلمین کو ان سے گزند ضرور پہنچتا رہا۔ فائدہ کبھی نہ پہنچا۔ تاہم اوعائے اسلام کو رو نہیں کیا جاسکتا تھا اور دل چیر کر بھی دکھائیے تو کیوں کہ پتہ چل سکتا تھا کہ وہ حقیقتاً مسلمان ہیں۔ بہر حال ان پر کسی بھی حال میں اغماؤں نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان کی تعداد بھی خاصی تھی۔ مثلاً غزوہ احد کے موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے ساتھ جو تین سو افراد مسلمانوں سے الگ ہو کر مدینہ لوٹ گئے تھے۔ بظاہر منافقین ہی تھے۔

ج۔ یہودیوں کے تین گروہ جن کی تعداد چار پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ یعنی بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قریظہ، یہ لوگ مذہباً ہی نہیں، نسلً بھی مہاجرین و انصار سے مختلف تھے۔ جب تک ان تمام آبادیوں کو امن و امان کے مشترکہ مقاصد کیلئے متحد و متفق نہ کر دیا جاتا۔ پیش آنے والے مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی کیا امید رکھی جاسکتی۔ جن کا زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ آنحضرتؐ کی ذات و بابرکات ہی کو تھا۔ اگر وہ مشکلات موجود نہ ہوتیں۔ جو قریش کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اور کم از کم چھ سال کے شب و روز صرف انہی مشکلات کی آغوش میں پرورش پانے والے مصائب سے مقابلے کیلئے وقف ہو گئے۔ پھر بھی نسل و مذہب کے اعتبار سے جو متفرق و مختلف آبادیاں پہلو بہ پہلو آباد تھیں ان سے کیوں کر توقع رکھی جاسکتی تھی۔ کہ وہ ایک وحدت کی حیثیت میں شہری یہود کیلئے کوئی قدم اٹھا سکیں گی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ انہیں مشترکہ مقصد کی خاطر دوش بدوش عملی جدوجہد کیلئے آمادہ و مستعد کرنے کی

صرف ایک صورت تھی اور وہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے شہری، مذہبی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ کا یقین کامل دلایا جانا۔ اس غرض سے رسول اللہؐ نے جو دستور العمل مرتب فرمایا وہ محض یہی نہیں کہ چودہ سو سال پیشتر کی ایک نہایت ہی اہم دستوری دستاویز ہے بلکہ وضع و ہیئت کے اعتبار سے بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مختلف گروہوں اور جماعتوں کی طبیعتوں اور رجحانوں کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے مشترک کا ایسا جامع اور تمام پہلوؤں پر حاوی منصوبہ تیار کر لینا بجائے خود ایک غیر معمولی معجزہ تھا

مشترکہ حکمت عملی اور بنیادی مقاصد

رسول اللہؐ نے مدینہ منورہ کی مختلف آبادیوں کے درمیان اشتراک و تعاون کیلئے جو نظام مرتب فرمایا۔ اس کے بنیادی مقاصد کسی خاص وضاحت کے محتاج نہیں، مثلاً:-

- ۱۔ ہر آبادی پر سکون زندگی بسر کرنے کی خواہاں ہوتی ہے، تاکہ وہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ کسب معاش میں مصروف رہے اور معاشرے کے تعلق میں ضروری واجبات احسن انجام دے۔ بامنی طبعاً کسی بھی سلیم الفطرت انسان کے نزدیک پسندیدہ نہیں سمجھی جاتی۔
- ۲۔ ہر فرد اور گروہ کے جو عقائد ہوں ان پر کوئی نامناسب پابندی عائد نہ ہو۔
- ۳۔ فتنہ و فساد کے ہر سرچشمے کا دمانہ بند کیا جائے۔

۴۔ بیرونی حملوں اور یورشوں کی روک تھام کیلئے ضروری ہے کہ اس سے نہ صرف داخلی امن برپا ہو جاتا ہے بلکہ لوگوں کے وسائل معاش کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس ضروری معاملے پر حضورؐ کی توجہ گرامی سب سے پہلے بندول ہوئی اور اس کو خیر و عافیت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب فرماتے ہیں:- کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں مکہ ایک منظم شہری ریاست تھا۔ جہاں مختلف اغراض و مقاصد کیلئے کم و بیش پچیس سرکاری عہدے تھے۔ اس کے برعکس یترب میں جس نے آگے چل کر مدینہ منورہ کا نام پایا۔ اس وقت کوئی منظم حکومت نہ تھی۔ عرب (ادس و خزرج) بارہ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یہودی دس قبیلوں میں منقسم تھے، ہر قبیلے کا الگ راج تھا۔ وہ اپنے اپنے کھنڈے (سائبان) میں اپنے اپنے امور طے کیا کرتا تھا۔ حضورؐ تشریف لاتے تو متعدد ضرورتیں تھیں۔ جنہیں پورا کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ مثلاً

- ۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔
 - ۲۔ مہاجرین مکہ کے توطن اور زندگی بسر کرنے کا انتظام
 - ۳۔ شہر کے غیر مسلم عربوں، خصوصاً یہودیوں سے سمجھوتہ
 - ۴۔ شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام
- یہ دستور العمل جس صورت میں ہم تک پہنچا اس کی تمام دفعات سب کیلئے اطمینان و دلجمعی کا باعث ہیں، اس لئے کہ اسکا انداز تحریر کچھ ایسا تھا

محبت و رحمت کا وجدان

اسلام معاشرے کی بنیاد سب سے پہلے افراد کی ضمیروں اور وجدان میں رکھتا ہے وہ دہاں روح کی گہرائیوں میں محبت کا بیج بوتا اور رحمت کی بارش سیم چلاتا ہے۔ یہ خالص انسانی محبت اور بے لوث انسانی رحمت ہے۔ اسلام لوگوں کو ان کی اولین پسند آتش کی طرف متوجہ کرتا ہے، جو ایک جان سے ہوتی تھی۔ وہ ان کے وجدان میں نسب اور رشتے کا شعور بیدار کرتا ہے۔ اور انہیں یاد دلاتا ہے کہ اللہ کی مخلوق ہونے میں نشوونما اور خدا کی طرف واپسی میں وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ جب ان لطیف جذبات سے ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں تو وہ باہمی فیاضی کے زیادہ قریب آ جاتے ہیں اسی طرح وہ امن و سلامتی سے قریب آ جاتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

”ایک دوسرے سے نفی نہ رکھو، باہم حسد مت کرو اور ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو، اے خدا کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔“

معاشرے کا امن جس طرح محبت و رحمت کے جذلوں کی بیداری سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح قانون عدل میں اقتصادی زندگی کی خوشحالی میں ایک اجتماعی توازن بھی پیدا کرتا ہے۔

قیام امن کیلئے دفاعی جنگ

دفاع ہر فرد اور ہر قوم کا الیبتاق ہے جسے ہر معاشرہ اور ہر قسم کی تہذیب میں اصولی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام بھی اپنے اس حق کو تسلیم کرتا اور دوسروں سے کرتا ہے۔ مسلمانوں کو

اجازت دی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھا سکتے ہیں قریش مکہ کی مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم کی داستانیں کس سے پوشیدہ ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا۔ مسلمان یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے لیکن مظلومی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مظلوم کا یہ حق ہے کہ ظالم کے مقابلے میں اپنا بچاؤ کرے۔ مظلوم مسلمان سترہ برس تک قریش مکہ کے تشدد کا نشانہ بنے رہے۔ بالآخر ترک وطن پر مجبور ہوئے لیکن انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ ان کا صرف قصور یہی تھا کہ وہ ایک اللہ کے اطاعت گزار بندے بن گئے تھے۔

عدل و انصاف کا قیام

اسلام میں جہاد کا ایک سبب عدل کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ہے۔ دراصل عدل ظلم کا تضاد ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ”کہ ہم نے انبیاء کو کتابوں کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو انصاف پر قائم کریں۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد روئے زمین پر امن و امان اور عدل و انصاف کا قیام ہے۔ ظلم سے انسانیت کے کسی بھی طبقہ کو نجات دلانا ہر انسان کا فرض ہے چاہے وہ اس کیلئے مذہب رنگ، علاقہ اور نسل کے لحاظ سے کتنا ہی غیر کیوں نہ ہو۔ اسلام نے امن یا صلح کے نام پر ظلم کو خاموش تماشائی کے طور پر نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ اس ظلم کو ختم کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہے۔ اسلام کی اسی صفت کی وجہ سے آنحضرتؐ ”رحمۃ للعالمین“ کہلاتے ہیں کہ وہ دونوں جہانوں کیلئے رحمت ہیں اور مسلم غیر مسلم سب کیلئے رحمت ہیں۔ غیر مسلموں کیلئے اس طرح کہ آپؐ نے انہیں ظالم اور جابر سلطنتوں کے ظلم سے نجات دلائی اور اس ظلم کا خاتمہ جنگوں کے بغیر ممکن نہ تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں۔

عہد نبویؐ کی جنگیں، ہم جنوں کیلئے بے پایاں شفقت و رحمت کی ایک روشن دستاویز

عہد نبویؐ کی جنگیں بھی ہیں جن کی حقیقی حیثیت اور معنوی

خصوصیت پر اب تک بہت کم توجہ فرمائی گئی ہے۔ رسول کریمؐ کسی بھی دور میں جنگ کے خواہاں نہ تھے۔ جو دین عالم انسانیت کیلئے صلح و امن محبت و اخوت اور فلاح و بہبود کا پیغام تھا۔ اس میں رزم و پیکار کیلئے کوئی گنجائش ہو سکتی تھی۔ لیکن

قریش مکہ کے غرور و تکبر اور ظلم و جور نے شریف و حق پرست انسان کیلئے جیاد و بھر کر دیا۔ حالانکہ ان کو نسیکو کاری، حق پرستی اور شرافت کیلئے بھی باعث تکلیف نہیں ہو سکتی تھی۔ مجبور ہو کر پہلے ایک جماعت کو حبش جانے کی اجازت دے دی گئی۔ قریش مکہ نے وہاں بھی سمجھا نہ چھوڑا پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا انتظام ہوا۔ رسول اللہ اور صحابہ کرامؓ آبائی گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ لیکن یہ بعد مکانی بھی قریش کی آتش جنگ روک نہ سکا۔ بلکہ ان کی پیش دستیوں اور آزار و ساینوں کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ ان حالات میں حفظ و دفاع اور پیش بندیوں کے سوا چارہ نہ تھا۔ اور حفظ و دفاع اس دنیا میں ہر فرد و جماعت کا اولین حق ہے جس پر امنِ عالم کا انحصار ہے۔

خلاصہ یہ کہ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ عہدِ اولین میں مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کا تمام تر انحصار اور دایہ مدار اتحاد و اخوت یکجہتی اور امن و سکون کی تعلیم پر تھا۔ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اسلام کی بدولت باہم متحد و مستفق ہو کر ساری دنیا پر چھا گئے، بدر و حنین، احزاب و تبوک، حدیبیہ، مکہ تمام غزوات میں مسلمان اپنی قلت تعداد اور کمی اسلحہ و رسد کے باوجود فاتح ہوئے تو اس کا بنیادی سبب یہی اتحاد و یکجہتی کا جذبہ تھا۔ جس نے انہیں اپنے سے طاقتور دشمن پر غالب کیا۔ آج بھی مسلمان اس اتحاد کو اپنا کر قیادتِ اقوام کی باگ و ڈور سنبھال سکتے ہیں۔ اتحادِ اسلامی اخوت و بھائی چارے، امن و سکون کا عالمگیر مظاہرہ حجتہ الوداع ہے۔ جبکہ تمام صحابہ کرامؓ نے ایک سونے کا تاریخی ثبوت فراہم کیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”لوگو! میری بات سنو اور غور سے سنو! جان لو! کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور سب اہل اسلام ایک برادری ہیں۔“ حدیث شریف میں مسلمانوں کو ”نبیانِ مرصوص“ یعنی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بھی کہا گیا ہے۔ آج ہمیں اپنے وطن عزیز کو زندہ و پائندہ رکھنے، اسے تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور اسلامی اقدار و قوانین کو اپنانے کیلئے اسی اخوت، اتحاد، امن و سکون کی ضرورت ہے۔ جس کی تعلیم اسلامی روایات میں ملتی ہے۔ جس کی ہمارے اکابرین نے بار بار یاد دلانی کرائی ہے۔ جمال الدین افغانی

مفتی محمد عبیدہؒ، سر سید احمد خان، حالی، اقبال اور قائد اعظم نے جس طرف ہماری توجہ دلائی
ہماری سوچ کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ خاندانی اور علاقائی وحدتیں اپنی جگہ۔ مگر سب سے
بڑی اور اہم ترین وحدت و اخوت، ملکی و ملی، وحدت و اخوت ہے تاکہ یہ عزیز ملک
امن و سکون کا گہوارہ رہے اور امن عالم کے قیام میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے

اس لیے کہ ہم سب مسلمان ہیں، سب پاکستانی ہیں اور سب ایک ہیں۔ وما توفیقی
إلا بالله رب العالمین

- ۱۔ القرآن الکریم
- ۲۔ صحیح البخاری
- ۳۔ البیہقی شعب الایمان
- ۴۔ خطبات مدراس، سید سلیمان ندویؒ
- ۵۔ امن عالم اور اسلام سید قطب شہیدؒ
- ۶۔ عرب زبوی کا نظام حکمرانی
- ۷۔ مضامین علوم اسلامیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و امان

سورۃ الانفال کی آیہ کریمہ ”یا ایہا الذین آمنوا استجبوا للہ وللرسول
اذا دعاکم لما یمحیہکم“

کی روشنی میں

ڈاکٹر انعام الحق کھڑا، کوئٹہ

لیفٹیننٹ کرنل پی ایم کول نے اپنی کتاب ”The untold story“ (ان کہی کہانی) میں لکھا ہے کہ حضرت انسان کی پانچ ہزار سالہ تحریری تاریخ میں پندرہ ہزار جنگیں ہوئی ہیں گویا اوسطاً تین جنگیں فی سال ہوتی رہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس پانچ ہزار سالہ دور میں صرف تین سو ایسے خوش قسمت سال تھے جب باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی گویا اس دور کا صرف چھ فیصد حصہ جنگ سے محفوظ رہا لیکن وہ بھی زیادہ تر اس لئے کہ یہ کسی جنگ کے بعد کا وقفہ تھا یا پھر کسی جنگ کی تیاری کا زمانہ تھا۔ اور جنگ کا مطلب کیا ہے؟ انسانوں کی موت، مرگ انسانیت، پہلی جنگ عالمگیر میں آٹھ ملین انسان مارے گئے اور دوسری جنگ عالمگیر میں پچاس ملین موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۵ء کے عرصے میں کوئی بڑی اور عالمگیر جنگ تو نہیں ہوئی لیکن ڈیڑھ سو چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوئیں جن میں تیس ملین انسان مارے گئے۔ ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو ہیرشیمایا پر گرائے جانے والے ایک ہی ایٹم بم نے (جسے چھوٹا بڑا کا) کا ستم طریقہ نام دیا گیا تھا)

ایک لاکھ اکتالیس ہزار انسانوں کی جانیں قبض کر لیں اور آج قریباً پچاس ہزار ایٹم بم موجود ہیں۔ اور نیوکلیئر آلات کا عالمی ذخیرہ دوسری جنگ عالمگیر کے مجموعی بارود سے دو ہزار چھ سو گنا زیادہ بڑی طاقت رکھتا ہے زیادہ سے زیادہ تباہ کاری کے آلات ایٹم بم سے بھی آگے بڑھ کر ٹیڈو جن بم، نیوٹرون بم، کروزمینرٹیل اور سٹار وار تک جا پہنچے ہیں!

کیا یہ آلات بقائے انسانی کے بچھن ہیں؟ کیا یہ پُرخطر اور دہشت انگیز حالات جنگ کے خاتمے یا نقص امن کے سدباب یا عالمی امن کے قیام کیلئے مدد و معاون ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ اور روس کے درمیان تخفیف اسلحہ کا جو معاہدہ ہوا ہے اور اس کی بنا پر جو عملی اقدامات کئے گئے ہیں وہ صحیح سمت میں پیش رفت ہے۔ خوش آئند بات ہے ایک عمدہ مثال ہے اور اس سے کم از کم فوری فائدے انسانیت کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ لیکن یہ صرف خوش فہمی ہے امریکہ اور روس آج بھی رابطے میں اپنی ہمیر کے الفاظ میں "ایک ہی بوتل میں دو بچھو ہیں" ایک دوسرے کو مارنے پر قادر ہیں لیکن اپنی موت کا خطرہ مول لے کر "وہ آج بھی بقول رینالڈ ریگن "دو ایسے آدمی ہیں جو ایک دوسرے کی کینٹی پر پستول رکھے ہوئے ہیں۔"

اگر بغرض محال یہ سمجھ بھی لیا جائے کہ امریکی اور روسی واقعی اب انسان کشی کی اس دھڑ تائب ہو گئے ہیں تو بھی ان دو بڑوں کے علاوہ کم و بیش نو اور ملک یا طاقتیں بھی نیوکلیئر ہیں جو ستر تک اندازاً بیس یا اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گی جب پلوٹونیم اتنا زیادہ ہو گا کہ ہیروشیما والے ایٹم بم سے زیادہ بڑے سائز کے ناگا ساکی بم (جسے موٹا آدمی) کا نام دیا گیا تھا اور جو ۹ اگست ۱۹۴۵ کو گرا گیا تھا اور جس نے آدھا ناگا ساکی ملیا میٹ کر دیا تھا، جیسے پچھتر لاکھ بم سالانہ تیار کئے جاسکتے ہوں گے۔

تو پھر کیا ان امن سوز اور حوصلہ فرسا حالات میں "دوستو! سوچنا چھوڑ دو" کے مصداق *Psychic Shut Down* یعنی سوچنے سے انکار سے کام لیا جائے، مگر یہ کوئی رویہ نہیں یا پھر یہ۔ گھر بھونک تماشا دیکھنے کا رویہ ہے خود سوزی اور خود کشی کا رویہ ہے جو حضرت انسان کیلئے نہ مستحسن ہے نہ اس کے شایان شان! انسان کی تو پہچان ہی یہ ہے کہ خطرہ جتنا مہیب ہو گا اس کی جدوجہد، تدبیر آزمائی اور جگر کاری اتنی ہی عظیم ہوگی! نیز فضا کی کرنیں ڈوب سکتی ہیں لیکن نیر امید کی کرنیں کبھی

نہیں ڈوبتیں۔ اس نیرائید کو ہم مذہب بھی کہتے ہیں اور اسلام بھی ! اور اس نیرامید کی ایک کرن وہ آیہ کریمہ ہے جو اس مضمون کی محرک بنی ہے (سورہ الانفال ۲۴۱)۔

بات صرف اتنی ہے کہ موجودہ انسان اپنا اندازِ فکر بدلے، یہ تبدیلی نہ صرف موجودہ دل و دوزِ حالات کا تقاضا ہے بلکہ خود تشریفاتِ ارتقا کا منطقی مطالبہ بھی ہے۔ جیسے قدیم دور کا انسان فرد سے خاندان میں بدلا اور متوسط دور کا انسان خاندان سے اوپر اٹھ کر قبیلے میں ضم ہوا اور جیسے موجودہ دور کا انسان قبیلے سے اوپر اٹھ کر قوم میں مدغم ہوا۔ ایسے ہی موجودہ بلکہ آئندہ انسان کو قوم سے اوپر اٹھ کر امتِ واحدہ (یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر امتِ واحدہ) اور میں ہوں رب تمہارا، سو میری بندگی کرو“ سورہ الانبیاء: ۹۲۔۔۔ اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر اور میں ہوں، تمہارا رب، سو مجھ سے ڈرتے رہو“ سورہ المؤمنون (۵۲) میں ضم ہونا ہو گا۔ اس میں نہ بدل ہونے کی کوئی بات ہے نہ پیش نبجیں ہونے کی، نہ خاندان کا وجود فرد کی نفی تھا اور نہ قبیلے کا وجود خاندان کی نفی، نہ قوم کا وجود قبیلے کی نفی تھا اور نہ امتِ واحدہ کا وجود قوم کی نفی ہو گا۔ فرق صرف یہ پڑا کہ فرد اور خاندان میں تقدم خاندان کو حاصل ہوا اور خاندان اور قبیلے میں تقدم قبیلے کو ملا اور قبیلے اور قوم میں تقدم قوم کو نصیب ہوا اور قوم اور امتِ واحدہ میں تقدم امتِ واحدہ کو حاصل ہو جائے گا۔

عملاً اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراد کی صلاحیتیں خاندان کی فلاح و بہبود پر صرف ہونے لگیں خاندانی صلاحیتیں قبیلے کی اصلاح و ترقی اور قبیلے کی صلاحیتیں قوم کی پیش رفت پر استعمال ہونے لگیں۔ ایسے ہی قومی احکامات امتِ واحدہ کی بہبودی پر مرکوز ہوں گی۔ فرد کا دائرہ کار ایک، گھر تک محدود رہے گا۔ خاندان ایک گاؤں پر پھیل گیا۔ قبیلہ ایک علاقے پر محیط ہو گیا اور قوم ایک ملک بھر پر اور امتِ واحدہ براعظموں، شمالی اور جنوبی کرے اور مشرقی اور مغربی نصف کرے کی بجائے پورے کرے ارض پر محیط ہو گی۔ فرد تو اپنا امیر و وزیر اور حشیہ خود ہی تھا مگر خاندان کو افراد کے تجربہ کی روشنی میں ترقی ہو گی۔ قبیلے کی قیادت خاندان کے بہترین افراد کو ملی۔ قوم کو قبیلوں کے نمائندوں کی سربراہی نصیب ہوئی۔ ایسے ہی امتِ واحدہ کی بھاگ دوڑ اقوام کے بہترین نمائندوں کے ہاتھ میں ہو گی۔

امتِ واحدہ کا تصور بے حد دلربا، روح افروز اور محرک کن ہے اور اس کے نقشِ فرنگار اور رد و حال کی نقشہ کشی ایک بہت ہی دلچسپ اور پُر امید مشغلہ و منصوبہ ہے۔ لیکن نہ

تو امت واحدہ کا ظہور و قیام اتنا آسان ہے اور نہ ہی اس کا ظہور و شہود ہمہ سطحی قیام امن کی ضمانت ہے۔ اسے واقعی ایک عمل پذیر اور مؤثر ادارہ بنانے کیلئے جنگ کے اصلی (رنہ کہ روایتی) محرکات اور قیام امن کے اصلی (نہ کہ روایتی) لوازمات کا اور اک ایک بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس نکتہ نظر سے تاریخ عالم پر نہایت تعمیق و تدقیق سے غور و فکر کیا جائے تو صاف مترشح ہوتا ہے کہ جنگ و امن کا مسئلہ اصل میں فطرت انسانی کا مسئلہ ہے۔ جو عبارت ہے متقاد و متقاد م عنامر سے۔ انسان کے اندر بہم متخالف جذبات کار فرما ہیں۔ آپ انہیں خیر و شر کہیں یا ایتار و استحصال یا مثبت و منفی تمام انسانی جنگیں اصلاً نتیجہ ہیں شر و استحصال اور منفی جذبات اور ان سے جنم لینے والے غرائم اور جارحانہ کارروائیوں کا، لہذا جب تک یہ تختہ زیبی جذبات مسخر نہ کئے جائیں اس وقت تک جنگ کا خاتمہ بھی ناممکن ہے اور امن کا قیام بھی! لیکن عجیب بات ہے کہ یہی منفی، تختہ زیبی استحصالی اور شر انگیزانہ جذبات ہی انسان کی قوت محرکہ *MOTIVE FORCE* ہیں۔ اگر انہیں سرے سے ختم کر دیا جائے جیسا کہ بعض فلسفوں نے کوشش کی ہے تو انسان اودھوٹا سو جائے گا اور نیم انسان بن کر رہ جائیگا۔ اور اپنی کسی ماقبل انسان شکل کی طرف لوٹ جائیگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان ہلاکت خیز اور جہاں سوز جذبات کو مسخر کر لیا جائے انہیں تصرف میں لایا جائے، انہیں منضبط کیا جائے اور انہیں مثبت جذبات کی پشت پناہی پر مامور کیا جائے تو یہ خیر و برکت، ایتار و اقدار، امن و سلامتی، اخوت و مساوات عدل و احسان اور حریت و انسانیت کے قومی ترین ایکسیلریٹر ثابت ہوتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ناگزیر جذبات کو تابع کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ کیا انسان محض اپنے علم و عقل کی بدولت ایسا کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو شاید یورپ اس وقت علم و خرد کے لحاظ سے بلند ترین درجے پر فائز نہ ہے۔ مگر کثرت علم و وفور عقل نے اسے ان منفی جذبات پر قابو پانے کی توفیق نہیں دی بلکہ اُس نے ان جذبات کو پہلے سے کسی گنا زیادہ مہیب اور گھمبیر بنادیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل و فہم اور علم و فن نے موجودہ انسان کو زیادہ سے زیادہ فوائد بہم پہنچائے ہیں۔ اس کی تہذیب کو ایک اعلیٰ درجے تک پہنچایا ہے اور ارض و

سما میں مزید پیش قدمی کے راستے کھولے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہوائے نفس بھی بڑھ رہی ہے۔ اور انسان کے سامنے آج بھی سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ کیا انسان اپنی حرص و ہوا پر قابو پاسکتا ہے؟ کیا مجرب و تر، فضا و خلا اور ارض و سما پر کنٹرول ڈالنے والا انسان اپنے آپ کو لگام دے سکتا ہے؟ مختصراً کیا انسان اپنے آپ کو اپنے آپ سے بچا سکتا ہے۔

تقویتِ رست اس کا جواب نفی میں دے گا اور وہ ایک ایسا حل تجویز کرے گا جس سے انسان اپنی زندگی کے جوہر سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے مگر رجائیت پسند اس کا جواب اثبات میں دیکھا کیونکہ زندگی اُید سے ہی پھوٹی ہے، اُید سے ہی پھلتی پھولتی ہے، اُید سے ہی سنوروں کو پار کرتی ہے اور اُید سے ہی پیہم رواں دواں اور ہر دم حوالا رہتی ہے۔ لہذا انسان کا ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہتر و برتر انسان بننے کا ہر امکان موجود ہے اور یا کسی کا نہ کوئی حوازی نہ گنجائش بشرطیکہ وہ اپنے اوپر از خود کسی اعلیٰ تر پابندی کا قائل ہو جائے، اپنے اوپر ایک ازلی وابدی گرفت کو مان لے، اپنی زندگی کو ایک امتحان، ایک آزمائش اور ایک چیلنج سمجھ لے، اپنے آپ کو موردِ احتساب گردان لے اور اپنے آپ کو کسی ارفع تر اور مافوق البشر ہستی کے سامنے جواب دہ تسلیم کرے۔ دوسرے الفاظ میں وہ توحید کا دامن نظام لے اور کسی ایسے بشرِ کامل کے حلقہٴ ارادت میں چلا جائے جو خالص ترین توحید کا حامل، عاقل اور فہم ہو! کم از کم مسلمانوں کے نزدیک ایسا بشرِ کامل اور ایسا ہادی اکمل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت طیبہ و اسوۂ حسنہ میں موجود ہے۔ اور اسے ہر صحیح فکر اور مستقیم الذہن غیر مسلم حکیم و دانشور نے بھی تسلیم کیا ہے۔ وہ ایک طرف بشریت کا عمدہ ترین نمونہ ہیں تو دوسری طرف خاتم الانبیاء اور امام الانبیاء بھی ہیں۔ وہ ایک جانب انسان کی جسمانی وادی اسکانیتوں کا ظہور ہیں تو دوسری جانب اس کی اخلاقی و روحانی رفعتوں اور عظمتوں کا پیکر بھی! ان پر نازل شدہ قرآن تمام کتب الہامی و صحائف آسمانی پر محیط ہے اور وہ ان تمام پر مہین ہے جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تمام انبیاء پر مہین ہے۔

اُن کا منصب داعی الی اللہ (سورہ الاحزاب : ۴۶) یا مختصراً داعی اللہ (سورہ

الاعتقاف (۳۱: ۳۲) کاہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں — اللہ تعالیٰ جو واعد القہار ہے، احسن الخالقین اور احسن الرازقین ہے، جو خیر الحاکمین، خیر العافرن، خیر الفاضلین، خیر الفاتحین، خیر الماکرین، خیر الناصرین اور خیر الرازقین ہے، جو نعم المبادون، نعم المہیبون اور نعم القادرون ہے جو فائق الحب والتوی اور خالق الوجود ہے۔ جو خالق، مہی اور ممسک الکائنات ہے، جو قاضی الامور اور مدبر الامور ہے اور جو رب العالمین اور احکم الحاکمین ہے اور سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اسی لطیف و خبیر رب العزت کی طرف بلاتے ہیں! اور خدائے قدوس کا ارشاد ہے ”اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔“ (سورۃ الانفال: ۲۴)

قرآن حکیم سرور کے انسان کیلئے اس کی پوری زندگی کا لائحہ عمل ہے اور مذکورہ بالا آیتہ کریمہ اسی کی نشاندہی کرتی ہے۔ قرآن حکیم کی ایک اہم خوبی بلکہ اس کا طغرائے امتیازیہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کی جزئیات پر بھی اتنی ہی توجہ دیتا ہے جتنا اصولیات و اساسیات پر اور پھر اس کی بلاغت تو اپنی لطیف آپ ہے۔ یہ ایک بہت وسیع مضمون کو اپنے مخصوص اور بے تکلف انداز میں اتنے اختصار سے بیان کر دیتا ہے کہ اس کے ایک چھوٹے سے جملے پر سیکڑوں صفحات لکھے جاسکتے ہیں اور نابینا عالم کا ایک خاص سلسلہ واقعات اسی کی مناسبت سے اُس کی پشت پر کھڑا ہوتا ہے۔ آیتہ کریمہ میں تو صرف زندگی بخش کام کی طرف اشارہ ہے لیکن قرآن حکیم میں جا بجا ان زندگی بخش کاموں کی تشریح ملتی ہے۔ جن میں سے چند مثالیں ذیل میں درج ہیں :-

- ۱۔ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ (سورۃ البقرہ: ۱۱)
- ۲۔ لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو (ایضاً: ۸۳)
- ۳۔ نیکیوں کی طرف سبقت کرو (ایضاً: ۱۴۸)
- ۴۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرو (ایضاً: ۱۹۵)
- ۵۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی مت بھولو (ایضاً: ۲۳۷)
- ۶۔ جو کچھ جاتا رہا اُس کا افسوس نہ کرو (سورۃ آل عمران: ۱۵۳)

- ۷۔ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو (سورۃ المائدہ : ۲)
- ۸۔ عدل کرو۔ یہ تقویٰ کے قریب ہے (ایضاً : ۸)
- ۹۔ کرۃ ارض پر پھرو (سورۃ الانعام : ۱۱)
- ۱۰۔ اور تم لوگ بُرا نہ کہو جن کا وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ وہ بُرا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بن سمجھو (ایضاً : ۱۰۹)
- ۱۱۔ کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو (سورۃ الاعراف : ۳۱)
- ۱۲۔ جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم اُن سے سیدھے رہو۔ (سورۃ التوبہ : ۷)
- ۱۳۔ اور مت جھکنا مومنوں کی طرف ورنہ تمہیں لگے گی آگ (سورۃ الہود : ۱۱۳)
- ۱۴۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے (سورۃ الرعد : ۲۸)
- ۱۵۔ اگر تم مت کر دو گے تو ہم تمہیں اور دیں گے (سورۃ البریم : ۷)
- ۱۶۔ اگر تم نیکی کرتے ہو تو اپنے ہی لئے (سورۃ بنی اسرائیل : ۷)
- ۱۷۔ اور نہ پسراؤ اپنی آنکھیں اُس چیز پر جو برتنے کو دی، ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو (ایضاً : ۱۳۱)
- ۱۸۔ سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے (سورۃ الانبیاء : ۷)
- ۱۹۔ بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے۔ (سورۃ المؤمنون : ۶۶)
- ۲۰۔ نہ چلو شیطان کے قدموں پر (سورۃ النور : ۲۱)
- ۲۱۔ پولا بھرو دباپ اور نہ ہو نقصان دینے والے (سورۃ الشعراء : ۱۸۱)
- ۲۲۔ اور تو اس سیدھی ترازو (ایضاً : ۱۸۲)
- ۲۳۔ اور نہ بھولو اپنا حصہ دینا سے (سورۃ القصص : ۷۷)
- ۲۴۔ اور آخر سبلا ہے تقویٰ والوں کا (ایضاً : ۸۳)
- ۲۵۔ اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اترتا (سورۃ لقمن : ۱۸)
- ۲۶۔ اور چل نیچے کی چال اور نیچی رکھا اپنی آواز (ایضاً : ۱۹)
- ۲۷۔ کہو بات سیدھی (سورۃ الاحزاب : ۷۰)
- ۲۸۔ اور بُرائی کا داؤا لٹے گا اسی داؤ والوں پر (سورۃ فاطر : ۴۳)

۲۹۔ اللہ کی رحمت سے بالوس نہ ہو۔ (سورہ الزمر : ۵۳)

۳۰۔ کہیں آدمی کو ملنا ہے جو چاہے۔ (سورہ النجم : ۲۳)

۳۱۔ اور آدمی کو دسی ملنا ہے جو اس نے کمایا (ایضاً : ۳۹)

۳۲۔ اے ایمان والو ! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں (سورۃ الصف : ۲)

۳۳۔ بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا (سورہ الاعلیٰ : ۱۴)

۳۴۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے (سورہ الانشراح : ۶)

۳۵۔ اور سجدہ کرو اور قریب ہو جا ! (سورہ العلق : ۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ یہ اور اسی قبیل کے چھوٹے چھوٹے قرآنی جملے موتیوں جیسے خوبصورت جملے خود بخود انسان کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں اور پھر جب ہر جملے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پر تاثیر زبان سے ادا ہوں اور ان کے اسوہ حسنہ سے ترشح ہوں تو وہ ایک لاکھ بیس ہزار کیا پانچ ارب کو بھی مسح کر سکتے ہیں۔ ان کا اور رضا بچھونا بن سکتے ہیں۔ ان کا روزمرہ کا معمول بن سکتے ہیں اور یہ دل سوختہ اور اطمینان باختم دنیا امن و آشتی اور اخوت و مساوات کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ انسان اپنی جہالت و حماقت اور اپنی حرص و آز کی وجہ سے دنیا کو دارالمحن بنا رہا ہے۔ لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تحمل و بردباری اور شفقت و محبت سے قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اسے ہر وقت دارالسلام یعنی دارالامن بنانے میں لگے رہتے ہیں۔

”امن“ نہ صرفی مادہ ہے ایمان کا گویا ایمان کی بنیاد، اسلام کی اساس ہی امن ہے اور ایمان کا جزو لا ینفک امن ہی ہے۔ اس پیغام امن و سلامتی کو اسلام کے ایک سمہ گیر شعار ”السلام علیکم“ کے ذریعے پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے السلام علیکم کا مطلب یہ ہے کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ یہ ایک مختصر سا دعائیہ جملہ ہے مگر اس میں ایک مستقل سلامتی کی ضمانت موجود ہے ایک مسلمان جب اپنے بھائی کیلئے اس سے ملاقات کے وقت اس کی سلامتی کی دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ میری طرف سے تیری جان و مال کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ میں تو تیرے لئے سلامتی کا طالب ہوں۔ جو آپہ و علیکم السلام دوسری

طرف سے اسی ضمانت کا اظہار ہے اور یوں ایک فرد ایک ہی دن میں بیسیوں افراد سے ملتے ہوئے اور کروڑوں افراد ایک ہی دن میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ایک دوسرے کو باہمی سلامتی کا یقین دلاتے ہیں۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے ”افشوا السلام یعنی سلام کو پھیلاؤ“ ”سلام کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔“

حدیث صرف کہنے کی سی تاہیں بلکہ یہ تو اظہار ہے فرمان الہی پر اولاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس نفیس عمل کرنے کا اور ثانیاً اسے اپنے صحابہ و صحابیات کرام اور دیگر ملاقاتیوں میں پھیلانے اور نافذ کرنے کا!

فرمان الہی تھا، ”والصلح خیر“ یعنی صلح خیر ہے۔ (سورۃ النساء: ۱۲۸)

تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا ان میں صلح کروادو“ (سورۃ الحجرات: ۱۰) اگر وہ (یعنی کفار) رٹائی کرتے کرتے اس سے گریز کریں (تم سے نہ لڑیں) اور تمہیں صلح کی پیشکش کریں تو پھر اللہ تمہیں ان سے رٹنے کی اجازت نہیں دیتا“ (سورۃ النساء: آیت ۹۰) اگر دشمن صلح و صفائی کا ہاتھ پھیلائے تو تم بھی اپنا ہاتھ آگے کر دو اور اللہ تیرے کو دلدادہ و دشمن صلح و صفائی کا ہاتھ پھیلائے تو تم سے دھوکہ کھانا چاہیں تو جان لو کہ اللہ تمہارے لئے کافی ہے والا اور جاننے والا ہے، اگر وہ تم سے دھوکہ کھانا چاہیں تو جان لو کہ اللہ تمہارے لئے کافی ہے (سورۃ الانفال: آیت ۶۱)

ان اور اسی قبیل کے دیگر فرما میں الہی پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اور کس حد تک عمل کیا؟

کم از کم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور تاریخ اسلام میں اس کی دو مثالیں ایسی ہیں جو پوری تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ ہیں۔ دونوں مواقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ غالب قوت کے مالک تھے اور تمام آثار و فرائض اور اسباب و وسائل ان کے حق میں تھے لیکن انہوں نے غالب ہونے کے باوجود صلحنامہ حدیبیہ کو ایک مغلوب کی طرح قبول کرنے میں بھی ذرا سا تامل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ”فتحِ مبین“ بنا دیا۔ اور فتح مکہ تو گویا ان کا شاہکار ہے اور پوری تاریخ انسان اس کے سامنے دست بستہ اور سر بسجود ہے ایک طرف بیس سالہ ظلم و تشدد، وحشت و بربریت، ریشہ روانی و وسیہ کاری اور دوسری طرف رحمت للعالمین کا یہ اعلان جس پر حرف بحرف عمل ہوا کہ ”آج تم پر کوئی

حکومت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ انتقام کا ثابہ تک نہیں، محبت و مودت، رافت و رحمت اور امن و سلامتی کا ایک ٹھکانہ بنا دیا۔ اس کا ایک ایسی فتح جس میں نہ کوئی فاتح تھا نہ مفتوح، نہ کوئی غالب تھا نہ مغلوب، نہ کوئی قابض تھا نہ مقبوض، نہ کوئی غاصب تھا نہ مغسوب، ایک ایسی فتح جسے فتح الفتح کہا جاسکتا ہے، ایک ایسی فتح جو فتح الخیر تھی، فتح الایمان تھی، فتح الاسلام تھی اور یہ اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمان الہی پر ایسے عمل کرتے تھے جیسے فنا فی العمل ہو گئے ہوں، انتہائی حد تک انتہا انتہا کی حد تک۔

یہیں رہیں نہیں، یہ تو خارجی دنیا کے ساتھ تعلقات کا پہلو تھا، داخلی دنیا میں کیا لیل و نہار تھے، کیا کیفیت و کیفیت تھی۔ کیا وطیرہ و رویہ تھا، اہل مکہ کی تسمنیاں اور سازشوں کی وجہ سے آنحضور فرمان الہی کے مطابق مکہ سے ہجرت فرما کر تیرہ (جسے ان کی آمد پر مدینہ النبی کا نام دیا گیا) تشریف لایکے تھے۔ جہاں ایک مکمل معاشرہ و مملکت اسلامی کو ظہور پذیر و جلوہ نما ہوا تھا۔ وہ چودہ روز قبا میں ٹھہرے تو انہوں نے مسجد قبا تعمیر فرمائی اور مدینہ میں تشریف آوری ہوئی تو یہاں بھی اولین عملی اقدام مسجد نبوی کی صورت میں رونما ہوا۔ مسجد جو عبادت گاہ بھی تھی اور درس گاہ بھی دارالمشورہ بھی اور جامع الناس بھی، اسمبلی بھی اور کمیونٹی ہال بھی! افسوس کہ بعد کی مسجدیں تعداد میں تو بڑھتی گئیں اور کراہی کے ہر حصے میں پھیلی گئیں لیکن چند مساجد کے سوا وہ اپنے اس ہمہ گیر منصب سے ہٹ کر جوئے کم آب بن کر رہ گئیں۔ مسجد کی تعمیر کے بعد پہلا معاشرتی اقدام موافقات تھا جو عتنا اہم، بنیادی، وقت گیر اور امکان پرور تھا اتنا ہی اسے تاریخ حکومتوں اور بعد کے اسلامی معاشروں نے نظر انداز کیا۔

مکہ میں تو قریش کا یہی طوطی بولتا تھا جو کاروباری اور تجارت پیشہ لوگ تھے اور کافی حد تک خوشحال، مکہ کی قدامت و عظمت کیوجہ سے وہ متولیانِ کعبہ تھے اور لاکھوں زائرین کی سالانہ آمد و رفت ان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھی۔ لیکن ان کے تجارتی قافلے بھی ہر سمت میں جاتے تھے جن سے انہیں بہت کمائی ہوتی تھی۔ اس کے برعکس مدینہ میں عددی اکثریت تو عربوں کو ہی حاصل تھی لیکن سرمایہ داری کیوجہ سے بالادست یہودی تھے عرب و قبائل جمہری یا عینی قبائل اوسس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ زراعت کار اور باغبان تھے

اور تجارت سے بالکل بے بہرہ۔ کچھ اپنی جاہلانہ قابلیت کی وجہ سے اور کچھ طاقتور یہودیوں کی شہ پر یہ ہمیشہ آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ یہودی انہیں بہ دل و جان قرض دیتے اور پھر سود و ر سود کے چکر سے ان کی زمینات و باغات کے بھی مالک بن بیٹھتے۔ کاروبار امن ہو یا جنگ عرب ان کے شرمندہ احسان تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ وہ واقعی وہی ہی ہیں جن کی پیشگوئی تورات و انجیل میں کی گئی تھی لہذا وہ ایمان لائے بغیر ان کی آمد کو مدنی عربوں پر اپنے استیلا و استعمار کیلئے کارآمد گردانتے تھے۔

ان دو موجود غنامہ کے علاوہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی آمد کی وجہ سے مدینہ میں ایک تیسرا عنصر بھی در آیا تھا اور وہ تھا مہاجر عنصر! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین اور اہم ترین معاشرتی و سیاسی مسئلہ انہی تین غنامہ سے معاملہ بندی کا تھا۔ اگر یہودی (اور عیسائی) اپنی الہامی کتب کی پیشین گوئیوں کی بناء پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے تو اسلام اور دنیا کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی لیکن ان کے مفاد پرستہ مذہبی پیشواؤں نے قریش مکہ کی طرح نہ ایسا کیا نہ ایسا ہونے دیا بلکہ اٹا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اور اسلام کو اپنی مطلب برادری کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی لہذا ان سے معاملہ بندی (جو بیانیہ مدینہ کی صورت میں رونما ہوئی) بجائے خود اسلامی رواداری کی ایک روشن ترین مثال اور اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلے میں تاریخ عالم میں پہلا منشور) سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے غنامہ پر توجہ دی۔

اوس اور خزرج کافی حد تک مسلمان ہو چکے تھے اور بہت تیزی سے آغوش اسلام میں آ رہے تھے۔ ان میں نو واردوں کا جوش و جذبہ تھا لیکن قدیم عادات و روایات بھی بہت راسخ تھیں لہذا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق فاضلہ اور موعظہ حسنہ سے انہیں اوس اور خزرج کے محدود و محدود درجے سے اٹھا کر ایک بلند درجے پر فائز کر دیا یعنی انہیں انصار بنا دیا، مدو گار، مدد و معاون، دست گیر و دست راست مہاجر تھوڑے سے تھے یعنی صرف ۴۵ یا ۴۶ مگر یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور کفر و ضلالت کی بادِ صحر میں چٹان کی طرح کھڑے رہے تھے۔

ان سے مانس کا خول بالکل اتر چکا تھا اور وہ ستر یا کندن بن چکے تھے لیکن وہ ایک عجیب صورت حال کے منظر تھے۔ ان کے کاروبار، مال و متاع اور اہل و عیال مکہ میں تھے اور وہ اکثر و بیشتر نن تہا بے ورم و دام، صرف تن نہا کپڑوں میں چھپ چھپا کر مدینہ پہنچ گئے تھے۔ پھر بھی وہ بے حد خوش تھے، مطمئن تھے، مدینہ النبیؐ تو ان کی منزل مقصود تھی اور مجلس حبیب ہی ان کا منتہائے حیات تھی! ملال کا ثنائیہ تک نہ تھا۔ ملال تھا تو ان کے فائدہ کو، ان کی صعوبتوں، محرومیوں اور تنہائیوں کا احساس تھا تو ان کے میر کاروان کو! ایک ایسا میر کاروان جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملتی ہے نہ اس کے بعد، جو دیکھتا تھا، محسوس کرتا تھا، سوچتا تھا اور پھر دلنوازی، دلداری کا سا ثبات اتنا وسیع کرتا تھا کہ صدیوں کے دلدر دور موحاتے تھے۔

یہ کسی امیر کبیر یا کسی شہزادہ ذی وقار یا کسی شاہِ ترک و اختتام کا دربار نہیں بلکہ ایک سیدھے سادھے، عاجز ترین، احساس ترین لیکن مقتدر ترین انسان کا دربار ہے۔ یہاں چوہدریوں اور نقیبوں کا دخل نہیں، یہاں انسان کا براہِ راست انسان سے رابطہ ہے، ایک ایسے خدامت انسان سے جو عرشِ بیوں پر بھی انسان فراموش نہ ہوا، ایک ایسا انسان جس کی جنبشِ ابرو تقدیر کے شہیر ہیں۔ جس کی لب کشائی زندگی کی حرکت و حرارت ہے۔ جس کی سوچ ازل تا ابد محیط ہے اور جس کی دھڑکن سمندروں کا مد و جزر ہے!

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالکؓ کے دولت مند پر تشریف فرما ہیں، انصار بھی ہیں اور مہاجر بھی، آپ انصار میں سے ایک کو بلاتے ہیں اور مہاجرین میں سے ایک کو اور فرماتے ہیں ”یہ تمہارا بھائی ہے“ اور یوں پینتالیس چھیالیس مہاجرین کو پینتالیس چھیالیس انصار کے ساتھ رشتہٴ مواعات میں پرو دیتے ہیں۔ اس طرح کہ عمر مزاج اور سماجی رتبے کا بھی لحاظ رکھتے ہیں تاکہ یہ سب تسبیح و حدت کے دانے بن جائیں اور یوں حضرت ابو بکرؓ، حضرت خارجہ بن زیدؓ کے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان بن مالکؓ کے، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت اوس بن ثابتؓ کے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ربیعؓ کے، حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ، حضرت سعد بن معاذؓ کے، حضرت بلالؓ، حضرت ابو ریحہؓ کے، حضرت ابو خلیفہؓ بن الیمانؓ

عتیقہ بن ربیعہؓ حضرت عباد بن بشرؓ کے، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت ابوالیوب
 انصاریؓ کے، حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابودرداءؓ کے بھائی قرار پاتے ہیں۔
 رسمی یا موروثی بھائی نہیں بلکہ دینی بھائی، اسلامی بھائی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
 نامزد کردہ بھائی، اسم باسملی انصار بھائی جنہوں نے اپنے گھر کی سوئوں سے بیکر
 اپنے سرسبز شاداب باغات کے پیڑوں تک کے نصف کو دل و جان سے اپنے مہاجرین
 بھائیوں کیلئے وقف کر دیا۔ اپنی جائیدادوں کا وارث بنا دیا۔ حتیٰ کہ سعد بن ربیعہؓ نے
 اپنے خداداد بھائی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے حضور میں اپنی تنگ و ناموس، اپنی
 دو بیویاں بھی پیش کر دیں کہ وہ جسے پسند فرمائیں اسے طلاق دے دی جائے تاکہ وہ ان کی
 منکوحہ بن سکے! یہ قایل و لایل والا دنیاوی بھائی چارہ نہ تھا۔ یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ
 وسلم کا قائم کردہ نظام مواعیات تھا اور انما المؤمنون اخوة، کو حقیقی جاگتی، زندہ جاوید
 عملی تصویر! اس مواعیات پر اس افتقادی تعاون و توازن پر، اس قلبی و نظریاتی یگانگت
 پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کو استوار کیا اور اسے
 ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایک غیر فانی اصول اور لٹانی نمونہ بنا دیا کہ جب بھی کوئی معاشرہ رفعت
 و عظمت کی طرف صعود کرے گا تو اس کی خشتِ اول، اس کی بنیاد اسی مواعیات پر ہوگی
 اور جو معاشرہ اس سے گشتہ ہو جائیگا اور مواعیات سے محروم ہو جائے گا تو پھر وہ
 ٹوٹ پھوٹ جائیگا، بگڑ بگڑ جائیگا، بے نور و بے حضور ہو جائیگا جیسا کہ دورِ حاضر
 کے ایک ارب مسلمان کا معاشرہ ہے، من و عن اوس و خزرج کے معاشرے کی مانند۔
 یہ ایک انگ بات ہے کہ نہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت سعد بن
 ربیعؓ کی اس جانبازانہ پیشکش کو قبول کیا اور نہ اکثر مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں
 کی نصفاً نصفی کو گوارا کیا۔ صرف تھوڑی سی مالی امداد اور کاروباری رہنمائی حاصل کر کے
 خود جدوجہد کی اور کچھ سی عرصے بعد اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ اس لئے
 کہ انصار کا جذبہ امداد بھی اسلام کا مہم جوں منت تھا اور مہاجرین کا جذبہ ترقی بھی
 اسلام کا ہی پیدا کردہ تھا اور غالباً اسلام سادہ ترین الفاظ میں نام ہی باہمی امداد
 و باہمی ترقی کا ہے۔ ایک ایسی امداد جو امدادِ حسنہ ہو اور ترقی کا پیش خیمہ ہو اور ایک
 ایسی ترقی جو ترقی مستقیم ہو اور جس کا مقصد باہمی امداد ہو۔

امت واحدہ کا تصور تاریخ انسان کی منطق کے عین مطابق ہے لیکن یہ ایک زندہ حقیقت اُسی وقت بنے گا جب یہ امن و اخوت پر استوار ہوگا۔ وہ امن جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحنامہ حدیبیہ اور فتح مکہ کی صورت میں قائم کیا جو نصاب انسانیت کا باب اول ہونا چاہیے اور جس پر عبور اور عمل درآمد جابر سے جابر حکمرانوں اور مملکتوں کیلئے بھی لازمی ہونا چاہیے خواہ وہ چنگیز و ہلاکو ہوں، خواہ امریکی و روس ! وہ اخوت جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کے اسلوب سے قائم کی اور جو نصاب انسانیت کا باب دوم ہونا چاہیے اور جس پر عبور اور عمل درآمد مفاد پیوستہ طبقوں اور استحصال پسند قوتوں کیلئے لازمی ہونا چاہیے خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا بدھ، پاکستانی ہوں یا عرب، مغربی ہوں یا مشرقی !!

ہرچہ داری بمن آر کہ خیردار منم
برمن آمی کہ باغ و گلزار منم
سوئے من آکہ طیب دل بیمار منم
کہ تراور ہمہ جادبر و دلدار منم

سوئے من آکہ تراپار و خادار منم
گر تو شاہی و دولت غرم تماشا دار و
و گراز ریخ معاصی دل تو گشتہ ملول
بیدی کم کن واز بیکسی خویش منال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر امن و اخوت

پروفیسر رشید احمد جالندھری، کوٹہ

وزارت امور مذہبیہ نے سیرت طیبہ کے ایک اہم پہلو، رسول اکرم امن و اخوت کے پیغمبر پر لکھنے کیلئے ارباب دانش کو دعوت دی ہے، یہ دعوت ایسے وقت پر دی گئی ہے جب عالمی سطح پر یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ کیا ”انسان کا کوئی مستقبل ہے“ برطانیہ کے معروف فلسفی رسل (BERTRAND RUSSELL) نے یہ سوال اس لئے اٹھایا ہے کہ موجودہ وقت پر دنیا کی دو بڑی حریف طاقتوں کے ہاتھ میں ایسے مسلک، اور تباہ کن جوہری ہتھیار آگئے ہیں کہ وہ روئے زمین پر بسنے والی انسانی جماعت کی مکمل تباہی کیلئے کافی ہیں، مزید قلاق اس بات پر ہے کہ یہ دونوں طاقتیں ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں اور جنگ کو روکنے کیلئے امن و سلامتی کے متعلق کسی بائیدار معاہدے پر پہنچنے پر ابھی تک ناکام ہیں۔

رسل اور اس پایہ کے دوسرے اہل نظر نے دنیا میں قیام امن کیلئے ایک نئے انسان کی تخلیق پر زور دیتے ہوئے موجودہ تعلیم و تربیت کے نظام کو بدلنے کا مشورہ دیا ہے۔ مثلاً رسل کا خیال ہے کہ تاریخ کو بین الاقوامی نقطہ نظر سے پڑھتے وقت قومی جنگوں پر زور دینے کی بجائے قیام امن کے لئے قومی خدمت کا تذکرہ کیا جائے اور قومی رہنماؤں کو بچوں کے سامنے اس انداز سے نہ پیش کیا جائے کہ انہوں نے غیر ملکیوں کو قتل کرنے کیلئے مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ رسل نے اخلاقی بنیادوں پر بین الاقوامی

حکومت کے قیام پر بھی زور دیا ہے ۱۰ - دنیا میں قیام امن کیلئے اربابِ نظر کی یہ کوششیں یقیناً قابلِ قدر ہیں، لیکن اگر وہ اپنے مقدس مشن کی تکمیل کیلئے تاریخ کے عظیم الشان پیغمبروں کے اسوہ حسنہ سے بھی روشنی حاصل کریں۔ تو اس سے ان کی فکر و نظر کے سامنے قیام امن کیلئے نئی نئی راہیں کھلیں گی، اس سلسلہ میں انہیں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے غیر معمولی ادا دل سکتی ہے۔

وقت آگیا ہے کہ مسلم دنیا کے اصحابِ دانش عالیہ عہد کی علمی، فکری اور سیاسی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور فلسفہٴ حیات کو دنیا کے سامنے پیش کریں یہ تحقیقی مطالعہ دنیا کے دانش مندوں اور مدبروں کو انسانی مشکلات کے سمجھنے اور ان کے حل کرنے میں یقیناً مدد دے گا، وقت کی اس اہم ضرورت کی طرف خود مغرب کے اہل دانش نے بھی اشارہ کیا ہے ۱۱۔

رسول اکرمؐ کے بارے میں نہ صرف مسلمان بلکہ مصنفِ مزاج غیر مسلم بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپؐ نے تاریخ کے ایک نازک موڑ پر اپنی وحشی جنگجو اور غیر مہذب قوم کے سامنے زندگی کا ایک نیا تصور پیش کیا یہ تصور اس قدر پاکیزہ، صحت مند اور بلند تھا کہ اس نے زندگی کے بارے میں عربوں کے پرانے تصورات کو یک قلم بدل دیا اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ رسول کریمؐ کی آمد سے ان کی معنوی زندگی میں ایک نئی صبح طلوع ہوئی ہے۔ وہ آستہ آستہ تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آئے ہیں اور زندگی نے اپنا پیرا مال لباس اتار کر ایک نیا صاف اور اجلا لباس پہن لیا ہے، عربوں کی نئی زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دفعہ عمر بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کی مجلس میں احنف بن قیس کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

ایک وقت وہ تھا کہ ہم دونوں جہالت کی دنیا میں رہتے تھے اس وقت عزت اس کے حصہ میں آتی جو جاہل اور وحشی ہوتا اور جہالت یہ تھی کہ ہم نے تمہارا خون بہایا اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنایا، آج ہم اسلام کے گھر میں بیٹھے ہیں، آج عزت کا مستحق وہ ہے جو بڑا دے اور حلیم، پس خدا ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے یہ دور جاہلیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے دربار میں کہا تھا۔ اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو بوجھتے تھے۔ بے حیائی کے کام کرتے تھے۔۔۔ ہم میں سے طاقت ور کمزوروں کو کھا گئے تھے۔۔۔ یہ حالت تھی جب اللہ نے ہم میں سے

ایک رسولؐ مبعوث کیا جس کے حسب و نسب، صدق و دیانت، تقویٰ و پرستشگاری سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی، اس نے ہمیں تاکید کی کہ بے حیائی سے بچو، جھوٹ نہ بولو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ، حرام باتوں اور خون ریزی سے دور رہو۔۔۔ اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی ہے اور ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ ہم اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت چھوڑ کر لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کی پوجا کریں، ہم نے قوم کے ہاتھوں بہت سے ظلم سہے اور مجبور ہو کر پناہ لینے کیلئے تیرے ملک میں آئے ہیں۔

یہ تھا دور جاہلیت جسے آج عرب تاریخ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بلند اخلاقی نظام کا حریف قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ عرب شاعری اور قرآن مجید کے بیانات کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ رسول اکرمؐ کی بعثت کے وقت حجاز کا معاشرہ مجموعی طور پر نہ توروم اور فارس کے تمدن سے متاثر تھا اور نہ ہی یہودیت اور عیسائیت کی تعلیم سے یہ معاشرہ مت پرست تھا اور اپنا قبائلی نظام رکھتا تھا، جو انسان کی ساری سرگرمیوں اور وفاداریوں کا مرکز تھا، اہل مکہ تاجر اور خانہ کعبہ کے پاس بان ہونے کی وجہ سے بال دار ضرور تھے، لیکن عام لوگوں کی زندگی سخت کوشی اور جفاکشی کی زندگی تھی۔ یہ لوگ دوسری زندگی کے قائل نہیں تھے۔ انہیں قبر کے آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ کہتے کہ آدمی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ وقت کے ہاتھوں میں کھو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے ان کے الفاظ کو دہراتے ہوئے کہا ہے: وما یملکنا الا الدھر (الباقیہ ۲۵) یعنی یہ زمانہ ہی ہے جو ہمیں ہلاک کرتا ہے زندگی کا یہی لیست تصور تھا کہ عرب سوسائٹی کے بعض لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ کیا یہ زندگی کیسے جانے کی مستحق ہے؟ آخر زندگی کا مطلب کیا ہے؟ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت مکہ میں دو چار آدمی ایسے موجود تھے جو بت پرستی اور لیست اخلاق سے کنارہ کشی کر چکے تھے بڑی رسموں کی مذمت کرتے تھے۔ انہی چند گئے چنے آدمیوں میں زید بن عمرو تھے، جو بقول ابن ہشام یہ کہتے۔

”خدا یا اگر مجھے علم ہوتا کہ کون سی راہ آپ کو زیادہ پسند ہے تو پھر میں اسی راہ پر چل کر تیری زندگی کرتا افسوس! مجھے اس کا پتہ نہیں“۔ غرضیکہ عرب سوسائٹی کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ:

۱۔ رسول اکرمؐ کی بعثت کے وقت عربوں کے ذہن میں خدا کا کوئی واضح اور بلند تصور نہیں

تھا، جو اس کی شانِ قدوسیت سے مطابقت رکھتا
۲۔ وہ قبائلی طرزِ معاشرت رکھتے تھے، انتقام، خاندانی عصیت، خون ریزی اور قتل و غارت
ان کے ہاں محاسن و فضائل شمار ہوتے تھے۔

۳۔ دوسری زندگی کا تصور ان کے لئے اجنبی تصور تھا۔

ایک طرف یہ عرب سوسائٹی تھی جو زندگی کا کوئی مفہوم و معنی نہیں رکھتی تھی، دوسری
طرف ایران و روم کی سیاسی طاقتیں تھیں جنہوں نے انسان کو اپنے استبدادی نظام میں
جکڑ رکھا تھا، تیسری طرف یہودیت اور عیسائیت تھی، جن کے پاس انسانی روح کے قلاق و
اضطراب کا کوئی سرو سامان نہیں تھا۔ انسانی روح کی یہی بے سرو سامانی تھی جس کا تذکرہ
کرتے ہوئے پروفیسر آریلی لکھتے ہیں۔ " ہمیں اس بات سے بخوبی آگاہ رہنا چاہیے
کہ قرآن ایسے وقت میں نازل کیا گیا جب یونانی اور رومی تہذیبیں مکمل طور پر مردہ ہو چکی تھیں۔
یہودیت اور نصرانیت شکست خوردہ مذاہب کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ تعلیماتِ قرآن
کا شکریہ ! کہ ان کی بدولت تاریخ میں عرب پہلی قوم ہے جو تہذیبوں کی حیات و ممات کے
راز سے پوری طرح آگاہ ہوئی، اسلام کوئی نیا دین نہیں تھا۔ بلکہ اسی حقیقت کا نیا ظہور
تھا۔ جو ہمیشہ سے کائنات میں جلوہ گر ہے اور جسے انسان نے اس لئے گم کر دیا تھا کہ
وہ ماضی کی سنگین غلطیوں سے اجتناب کرنے میں ناکام رہا تھا۔ "

حضرات !

ہم نے رسول اکرمؐ کی بعثت کے وقت عرب معاشرے کی حالت زار پر ایک نظر ڈالنا
اس لئے ضروری سمجھا ہے تاکہ ہم نئی نوعِ انسان پر رسول اکرمؐ کے احسانات کا صحیح معنی
میں اندازہ کر سکیں، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے :-

"جو آدمی اسلام میں پیدا ہوا اور وہ عہدِ جاہلیت سے نا آشنا ہے وہ اسلام کی عظمت
اور انسانی پر اس کے احسانات کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکے گا۔ "

بہر نوع رسول اکرمؐ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا ان کی ذہنی، اخلاقی اور اجتماعی لپستی کو
بیان کرنے کیلئے قرآن مجید اور رسول اکرمؐ نے لفظِ جاہلیت استعمال کیا ہے، ان اکھڑ
غیر مذہب اور جنگ جو قبیلوں اور لوگوں کو اخلاقی، روحانی اور حیاتیاتی قدروں کے سانچے میں
ڈھالنا اور انہیں ایک نئی صحت مند زندگی کیلئے تیار کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، لیکن رسول اکرمؐ

نے اس مقدس لیکن مشکل ترین مشن کو جس خوبی و حسن سے پایہ تکمیل تک پہنچایا، تاریخ نے اس کی عظمت کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ آئیے رسول اکرمؐ کے اس مقدس اور تاریخی کارنامہ پر نظر ڈالیں تاکہ آج ہمیں اپنی مشکلات پر قابو پانے میں مدد ملے۔

رسول اکرمؐ نے اس وحشی معاشرے کو بدلنے کیلئے سب سے پہلے زندگی سے متعلق لوگوں کے تصورات کو بدلا اور انہیں بتایا کہ زندگی کا اصل سرچشمہ خدا کی ذات ہے۔ جس کی نگاہ سے کائنات کی کوئی چیز اور انسانی زندگی کا کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے۔ انسان کو موت کے بعد خدا کے پاس جانا ہے اور اپنے کئے کا حساب دینا ہے، زندگی کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ آج نہیں کل کو خدا کی عدالت میں ہونے والا ہے، قرآن مجید نے قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ جس فصاحت اور بلاغت سے کیا ہے اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے خوش قسمتی سے قرآن مجید کو اور خاص کر آخری پارے کو پڑھا ہے۔ آج ہم قرآن مجید کو پڑھ کر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب اس آسمانی اور ملکوتی نغمہ کو اہل مکہ نے پہلی بار رسول اکرمؐ کی زبان سے سنا ہوگا تو ان کے جذبات و احساسات اور افکار و عواطف پر کیا کیا بجلیاں گری ہوں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ آخرت میں جواب دہی کے گہرے شعور نے انسان کو اس کے سفلی اور وحشیانہ جذبات پر قابو پانے پر ہمیشہ حیرت ناک حد تک امداد دی ہے، چنانچہ رسول اکرمؐ نے اپنی دعوت کا آغاز ہی خدا سے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو استوار کرنے سے کیا اور اپنی قوم کو بتایا کہ خدا سے تعلق قائم کیے بغیر انسانی روح کو قرار نہیں آئے گا۔ یہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو انسان کو امن و سلامتی کی نعمت سے نوازتی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنی دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ اللھم انت السلام و منک السلام و الیک یرجع السّلام خدایا! تو ہی اسلام ہے اور تجھی سے امن و سلامتی کا سرچشمہ پھوٹا ہے۔ چنانچہ خدا سے قریبی تعلق اور قیامت میں باز پرس کے گہرے احساس نے زندگی سے متعلق انسان کے مادی نقطہ نظر کو بدل دیا۔ جس سے عربوں کو ایک نئی زندگی ملی، اب انتقام کی بجائے عفو و درگزر، غرور نفس کی جگہ عجز و انکساری، قتل و غارت کے برعکس خدمتِ خلق اور امن و آشتی، زندگی کی بلند قدیں شمار ہونے لگیں رسول اکرمؐ نے انسان کی مغربی اور داخلی زندگی کے سامنے ہی امن کی راہ نہیں کھولی۔ بلکہ اجتماعی زندگی اور اس کی مشکلات پر قابو پانے کا بھی درس دیا، اس سلسلے میں سب

سے پہلے لوگوں کو وحدتِ انسانیت کا درس دیا اور بتایا کہ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

اللهم اشهد أن العباد كلهم إخوة "خدا یا بگوارہ رہنا، تمام انسان بھائی بھائی ہیں، آپؐ نے خدمتِ خلق پر زور دیتے ہوئے فرمایا :
 "الخلق عيال الله أحبهم الى الله ابرهم لخلقهم" ساری مخلوق
 خدائی کہنہ ہے اللہ کی نگاہ میں سب سے پسندیدہ آدمی وہ ہے جو اس کی مخلوق سے
 بہتر حسن و سلوک روارکتا ہے " انسان نے انسان کو غلام بنانے کیلئے ہمیشہ رنگ
 نسل اور زبان کا سہارا لیا، لیکن رسول اکرمؐ نے ان تمام مہمل سہاروں کو مسترد کرتے
 ہوئے فرمایا کہ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کا خیمڑی سے رکھا گیا ہے۔ بے شبہ
 جب انسان کی نگاہ سے انسانی اخوت جیسی واضح حقیقت اوجھل ہو جاتی ہے اور اس کا
 دل خوفِ خدا سے عاری ہو جاتا ہے اسوقت وہ اپنے ہی بندار کے صنم کدہ میں گم ہو کر
 رہ جاتا ہے اور انسانی بستیاں انسانوں کی بستیاں نہیں بلکہ وحشی درندوں کی بستیاں
 بن کر رہ جاتی ہیں۔

نسلِ انسانی کو زمین و آسمان کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو استوار کرنے اور نسلِ
 انسانی کو اخوت اور بھائی چارے کا درس دینے کے بعد رسول اکرمؐ نے اجتماعی زندگی
 میں قیام امن کیلئے دوسرا اصول یہ دیا کہ عدل و انصاف کو خبر مطلق (ABSOLUTE
 VIRTUE) کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے، قرآن مجید نے عدل و انصاف کے قیام
 کو تمام عظیم نشانِ پیغمبروں کا مشن قرار دیا ہے، قرآن کریم نے مزید فرمایا ہے کہ
 دنیا میں مختلف قومیں صرف اس لئے تھیں نہیں کر دی گئیں کہ انہوں نے خدائی احکام
 سے بغاوت کرتے ہوئے اپنی بستیوں سے عدل و انصاف کو نکال باہر کیا تھا اور ظلم
 و ستم کو اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ چنانچہ ان ظالم قوموں کی تباہی پر ارض و سما کی آنکھ سے
 ایک آنسو تک نہیں ٹپکا۔ اسلامی فکر میں عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ اس
 امر سے لگائیے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ملک کفر کے ساتھ تو چل سکتا ہے لیکن
 ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ "ایک غیر مسلم لیکن انصاف
 پرور حکمران مسلم ظالم حکمران سے بہتر ہے۔"

رسول اکرمؐ نے زندگی سے متعلق زاویہ نگاہ کو بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنی ربانی تعلیمات کی بنیادوں پر نئے معاشرے کی تشکیل بھی فرمائی، آپؐ نے خون ریزی کو روکنے اور امن و سلامتی کے قیام کیلئے اہل مکہ اور دوسری قوموں سے معاہدے بھی کیئے، یہ معاہدے صحیح معنی میں اخوت، عدل و انصاف، رسول اکرمؐ کی سیاسی بصیرت اور اسوہ حسنہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ جو نصرت، انتقام اور انسانی توہین کے ہر اثر سے پاک ہیں۔ امن و سلامتی سے متعلق آپؐ کی حکیمانہ سیاست کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ جب شہنہ بھری میں آپؐ مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، تو آپؐ کے سامنے وہ لوگ آئے جنہوں نے آپؐ اور آپؐ کے جان نثاروں سمیتوں کو برابر تیرہ سال تک تباہ کیا تھا لیکن جونہی یہ لوگ ایک شکست خوردہ قوم کی حیثیت سے آپؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تم سے وہی سلوک کر نیوالا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا، حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ ”آج کے دن (میری جانب سے) تم پر کوئی سزائش نہیں۔ اللہ تمہارا قصور معاف فرمائے، وہ تمام رحم کر نیوالوں سے بڑھ کر رحم کر نیوالا ہے“ (سورہ یوسف، ۹۲) رسول اکرمؐ نے مزید فرمایا کہ جاؤ! ”تم سب لوگ آزاد ہو، اذہبوا، فانتم الطلقاء“

آئیے ایک دوسرے معاہدے کا مطالعہ کریں، رسول اکرمؐ نے سبوں کی عیسائی جماعت سے ایک معاہدہ فرمایا، جس میں یہ دفعات شامل تھیں :-

- ۱۔ سرگز سرگز ان کو (عیسائیوں) رسوا نہیں کیا جائے گا۔
- ۲۔ انہیں فوجی خدمات سرانجام دینے کیلئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔
- ۳۔ ان پر صرف عدل و انصاف کی حکمرانی ہوگی۔

۴۔ ان کا مال و دولت، ان کا مذہب اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائیگی۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اکرمؐ کے اسوہ حسنہ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ جنگ اور خون ریزی سے بچنے کیلئے مسلمان دوسری قوموں سے امن کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانوں کو پر امن بقائے باہمی کا پہلا درس رسول اکرمؐ نے دیا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر ہے جانہ ہوگا کہ مسلم اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات بنیادی طور پر جنگ پر نہیں بلکہ امن پر مبنی ہیں۔ جنگ صرف ایک عارضی صورت ہے جسے صرف اس وقت روا رکھا گیا

ہے جب مسلمان جارحیت، کاشکار بن جائیں یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابن حنبلؒ اور دوسرے فقہاء کے ال جنگ کا سبب کفر یا اسلام کا انکار نہیں بلکہ جارحیت ہے دوسرے یہ کہ جنگ کا مقصد جارحیت اور فتنہ فساد کو روکنا ہے، تیسرے یہ کہ مسلمان امن پسند قوموں کے ساتھ امن اور معاہدہ عدم قتال (NO WAR PACT) کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ معاہدے انصاف اور اخوت کے اخلاقی اصولوں پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ معاہدے کامیاب ہیں اور عام لوگ خوف و ہراس کی بجائے امن و سکون کی فضا میں زندگی بسر کرتے رہے اضطراب اور بد امنی کا زمانہ جو تقریباً فتح مکہ تک جاری رہا، اپنے اختتام کو پہنچا، حجاز میں بد امنی کا یہ عالم تھا کہ آدمی دینہ سے مکہ تک، سفر کرتا ہوا ڈرتا تھا۔ خانہ کعبہ کے علاوہ ہر جگہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا خطرہ موجود رہتا، خود قرآن مجید نے اس طرف صاف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہم نے ان کیلئے حرم کو دارالامن بنایا۔ اس کے باہر بد امنی کا یہ عالم ہے کہ حرم کے چاروں طرف سے آدمی اچک لئے جاتے ہیں۔ (عنکبوت)

”اولم یروا انا جعلنا حرمنا آمناً ویتخطف الناس من حولہم ط“

لیکن رسول اکرمؐ کی حکیمانہ سیاست اور سعی پیہم سے پھر وہ وقت آیا کہ آپ کی اپنی بشارت اور پیش گوئی پوری ہو کر رہی، آپ نے فرمایا تھا۔ ایک وقت آئے گا جب صنعائین سے ایک محل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہوگا، چنانچہ ایسا زمانہ آیا، ان نبوی معاہدوں کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ ان میں اخلاقی روح کام کر رہی تھی اور زندگی کے بارے میں رسول اکرمؐ نے انسان کے نقطہ نظر کو بدل دیا تھا۔ لیکن ان معاہدوں کے برعکس جب بھی تاریخ میں فاتح قوموں نے خوف خدا، اور اخلاقی قدروں سے بے نیاز ہو کر مفتوح قوموں پر اپنے معاہدے ٹھونسے، تو وہ ایک دوسری خوفناک جنگ کا موجب بنے، معروف برطانوی مصنف فشر (FISHER) نے اپنی کتاب، ”تاریخ یورپ میں لکھا ہے کہ دوسری عالم گیر جنگ کی ذمہ داری نازی جرمنی پر نہیں بلکہ ۱۹۱۹ء کے ”معاہدہ ورسایا“ (TREATY OF VERSAILLES) پر ہے جس کی بنیاد انصاف پر نہیں تھی، اس معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے فشر لکھتے ہیں ”جب ورسایلی (Versailles) معاہدے پر دستخط ہو گئے۔۔۔ ہر آدمی نے محسوس کیا کہ ایک بہترین موقع کو کھو دیا گیا ہے، بدترین (ایٹولے) واقعات کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ لگا سکے، انہوں نے بزم خویشتن امن کے معاہدے

پر دستخط کئے، لیکن وہ معاہدہ امن سے عاری تھا۔۔۔۔۔ انسانی فطرت ناکام ہوئی اور فتح کی مسکراتی ہوئی صبح بہت جلد ناامیدی، یالوسی اور نفرت کی دھند میں گم ہو گئی۔ چنانچہ یہی معاہدہ جس کی بنیاد اخوت، انصاف اور احترام آدمیت پر نہیں رکھی گئی تھیں، دوسری عالمگیر جنگ پر منہجہ سوا۔ اسی سال یعنی ۱۹۱۹ء میں اتحادی طاقتوں نے ترکی پر سیور ٹریٹی (SEVRES TREATY) معاہدہ ٹھونسنا، بدقسمتی سے اس معاہدے میں بھی اخوت و انصاف کا احترام نہیں کیا گیا تھا حتیٰ کہ اٹلی کے وزیر اعظم نیٹی (NITTI) نے اتحادیوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا ”اب تمہیں الٹا پائے کو حک میں جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس جنگ میں اٹلی اپنا ایک سپاہی یا ایک پیسہ بھیجنے کیلئے تیار نہیں ہے تم نے ترکوں سے ان کے مقدس شہر کو چھین لیا ہے ان کا دار الخلافہ غیر ملکی قبضہ میں ہے تم نے جس پانچ رکنی وفد کو معاہدے پر دستخط کرنے کیلئے بلایا ہے وہ ترک قوم یا ترک پارلیمنٹ کا نمائندہ نہیں ہے“ بالآخر وہی ہوا جس کی پیش گوئی طاعون وزیر اعظم نے کی تھی۔ ترکوں نے ایک آزاد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا اور مصطفیٰ کمال پاشا جیسے فوجی قائد نے اس معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے ترکوں کو ایک نیا عزم، ولولہ اور امید دے کر دوبارہ میدان جہاد میں لاکھڑا کیا۔ مغربی اتحادیوں کے نمائندے یونان نے شکست پر شکست کھائی اور اتحادیوں کو مجبور ہو کر ۱۹۲۵ء میں لوزاں معاہدے پر دستخط کرنے پڑے اور ترکوں کی آزادی کو تسلیم کر لیا گیا۔ اگر مغربی طاقتیں ذرا عقل اور خدا ترسی سے کام لیتیں اور جرمنی اور ترکی پر زلت آئیں معاہدے نہ ٹھونسیت تو دنیا شاید دوسری عالمگیر جنگ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی اور ترکوں کو کسی سال تک آگ کے دریا سے گزرنہ پڑتا، ہم نے اوپر رسول اکرمؐ کے معاہدوں کا ذکر کیا ہے جن کی بنیاد طاقت اور انسانی وقار کی بجائے حرمتی نہیں تھی بلکہ مذہب کی عطا کردہ عالم گیر اخلاقی قدروں پر تھی، جس کی وجہ سے ملک میں امن و سلامتی کو فروغ حاصل ہوا اور معاشرے کو بد امنی، قتل و غارت اور خون ریزی سے نجات ملی، اسی سلسلے کی ایک دوسری مثال سینے سے من ستر ہر میں رسول اکرمؐ اپنے سولہ سو ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے، ابھی مکہ سے کوئی تین میل کے فاصلہ حدیبیہ نامی مقام پر تھے کہ آپؐ کو اہل مکہ کی جنگی تیاریوں کا پتہ چلا، آپؐ نے انہیں پیغام بھیجا کہ میرا مقصد عمرہ ادا کرنے کے سوا کچھ اور نہیں، آپؐ نے اہل مکہ سے قیام امن کیلئے بات چیت کرنے کی پیش کش بھی فرمائی، جسے اہل مکہ نے قیل و قال کے بعد مان لیا اور

رسول اکرمؐ سے گفتگو کیلئے اپنے ایک نمائندہ سہیل بن عمروؓ کو بھیجا اور کہا کہ صلح کی بات چیت صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ رسول اکرمؐ اس سال عمرہ ادا کئے بغیر واپس مدینہ چلے جائیں جب باہمی مذاکرات کے بعد چند شرائط پر اتفاق ہوا اور معاہدہ کو مرتب کرنے کا وقت آیا تو آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے معاہدہ کی ابتداء کی جائے، جس پر سہیل نے کہا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے نہیں بلکہ عربوں کے قدیم دستور کے مطابق "باسمک اللہم" سے لکھا جائے۔ آپؐ نے اسے قبول فرمایا اس کے بعد دوسرے جملہ یوں تھا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جسے اللہ کے رسول محمد بن عبد اللہؐ نے تسلیم کیا ہے۔ اس جملہ پر پھر سہیل نے کہا کہ اگر ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مان لیتے، تو پھر جھگڑا ہی کیا ہے؟ آپؐ صرف اپنا اور اپنے والد ماجد کا نام لکھیے، رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ صرف میرا نام لکھا جائے اور لفظ رسول اکرم کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس معاہدے پر مسلمان اور خاص طور پر حضرت عمرؓ کی عمدہ خاطر تھی اور افسردہ، مسلمان اس معاہدے کی بعض شرائط سے خوش نہیں تھے، لیکن رسول اکرمؐ پورے طور پر مطمئن تھے اور قریش کے مغرورانہ اور اشتعال انگیز رویہ پر برابر صبر و تحمل اور ضبط نفس سے کام لیتے رہے چنانچہ جونہی آپؐ واپس مدینہ روانہ ہوئے، قرآن مجید کی سورہ الفتح نازل ہوئی اور اس معاہدے کو جس میں مسلمانوں کو اپنی سبکی نظر آتی تھی۔ "فتح مبین" قرار دیا۔ بعد میں آنیوالے واقعات نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ یہ معاہدہ مسلمانوں کیلئے خیر و برکت ثابت ہوا۔ نیز یہ کہ اس معاہدے میں جنگ نے امن و امان کی آگے بڑھنے کی بجائے امن و امان کی جیت کیلئے رسول اکرمؐ نے جس پیغمبرانہ صبر و تحمل اور حکمت و بصیرت کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کے سامنے اہل مکہ کے معاندانہ رویے کو اپنے ہتھیار ڈالنے پڑے، قرآن مجید نے اہل مکہ کے اشتعال انگیز موقف کو جاہلیت سے تعبیر کیا رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کے باوقار اور پر امن رویے کو اللہ کا لطف و کرم قرار دیا۔ صلح حدیبیہ میں رسول اکرمؐ کے پیغمبرانہ کردار کو حجاج تحسین ادا کرتے ہوئے کہا سوید بن کے معروف مستشرق ٹورانڈس (TOR ANDRAE) لکھتے ہیں: "ضبط نفس جس کا مظاہرہ محمدؐ نے حدیبیہ میں کیا، ایسے ہی ایک بلند نصب العین کو حاصل کرنے کیلئے بغیر ضروری امور پر ذاتی قربانی کو برداشت کرنے کا آپکا حوصلہ اور ہمت، یہ صفات بتاتی ہیں کہ آپؐ بے مثال اور منفرد جاہلیت کے مالک تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمام کار ہمیشہ اپنے

ہاتھ میں رکھتا ہے، خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کیلئے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے۔“
 الغرض مسلمانوں میں باہمی اخوت اور بھائی چارے کے رشتوں کو مستحکم کرنے اور بد امنی اور خون ریزی کو ختم کرنے کیلئے رسول اکرمؐ نے جو معاہدے مرتب کئے وہ تاریخ کے ایسے اعلیٰ معاہدے ہیں جن میں سیاست اور اخلاق دونوں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ان معاہدوں سے امن و آشتی کیلئے کام کرنے والوں کو ہمیشہ نیا عزم اور حوصلہ ملتا رہیگا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ آدمی کی ذاتی انا اور جھوٹے وقار کے مسئلے نے قوموں کو جنگ کی آگ میں دھکیلا ہے، رسول اکرمؐ نے اللہ کی رضا اور اس کی مخلوق کی بہتری کیلئے جس مثالی صبر و تحمل اور بصیرت و حکمت سے کام لیکر معاہدے مرتب کئے، اس سے قوموں کے اربابِ حل و عقد کو خود فریبی، غرورِ نفس اور سنفلی جذبات پر قابو پانے میں مدد ملتی رہے گی، اور یہی ایک راہ ہے جس پر چل کر ہم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

ماخذ و حواشی

- ۱۔ کیا آدمی کا کوئی مستقبل ہے (HAS MAN A FUTURE) لندن، ۱۹۶۱ء
 ص ۹۵، نینر ملاحظہ ہو، جون آر (JOHN B. ORR) کی کتاب، ”سفید آدمی کی مشکل“
 (THE WHITE MAN'S DILEMMA) لندن ۱۹۶۵ء، مقدمہ۔
- ۲۔ کیا آدمی کا کوئی مستقبل ہے، ص ۱۳۱
- ۳۔ ملاحظہ طاقت (POWER) لندن ۱۹۵۶ء ص ۲۵۸
- ۴۔ معروف برطانوی سکالر واٹ (W. M. WATT) کا کہنا ہے کہ دنیا کو دیر یا سویرہ سے اس امر پر سنجیدگی سے سوچنا پڑے گا کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور تعلیمات سے ایسے اصولوں کو اخذ کیا جاسکتا ہے جو انسان کی اخلاقی نشوونما

کیلئے اپنا رد ادا کر سکیں۔ اس نقطہ نظر سے ابھی تک کوئی آخری جواب نہیں ملا، اس سوال پر اب تک مسلمانوں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس پر صرف چند غیر مسلموں کے علاوہ کسی نے توجہ نہیں دی۔ مسلمانوں کیلئے دنیا کے سامنے اپنے اس مقصد کو بہتر طور پر پیش کرنے کیلئے ابھی تک میدان کھلا ہے۔ "ملاحظہ ہو" محمد پیغمبر اور مدبر

(MUHAMMAD PROPHET AND STATES MAN)

آکسفورڈ پریس ۱۹۶۲ء ص ۲۵۵۔

۵۔ احمد حسن الزیات، "تاریخ الادب العربی" قاہرہ (ط ۲۲) ص ۸۲، نیز ملاحظہ ہو گولڈز

سیر کا مقالہ، "الجمالیۃ" در مسلم مطالعات (MUSLIM STUDIES) نیویارک

۱۹۷۷ء ص ۱۲۰-۸ (ترجمہ از S.M. STERN)

۶۔ البیۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۱۲۰-۲۲۵ (تحقیق مصطفیٰ الستمہ ابراہیم

الابیاری)۔

۷۔ "قرآن مجید: مقدمہ" (The Holy KORAN, AN INTRODUCTION)

لندن ۱۹۵۳ء ص ۳۰۰

۸۔ سید رشید رضا: تفسیر المنار، قاہرہ ۱۳۴۶ھ ج ۱ ص ۲۲ (مقدمہ)

۹۔ سنن دارمی، دمشق ۱۳۲۹ھ، ج ۱ ص ۳۱۱

۱۰۔ حسن حصین، لکھنؤ، ص ۱۰۵

۱۱۔ مشکوٰۃ شریف، باب الحب فی اللہ

۱۲۔ قرطبی، احکام القرآن ج ۹ ص ۲۵۸ (تفسیر سورۃ یوسف، نیز ملاحظہ ہو ابن

ہشام ج ۲ ص ۲۱۲

۱۳۔ ابویوسف کتاب الخراج، قاہرہ ۱۳۰۲ھ ص ۲۱

۱۴۔ ابن تیمیہ: رسالۃ القتال ص ۱۱۶، بحوالہ محمد ابو زہرۃ: ابن تیمیہ، قاہرہ ص ۳۱۷

نیز ملاحظہ ہو: ابوالکلام آزاد: ترجمان القرآن، لاہور ج ۲ ص ۱۲۵، ۱۲۶

(سندۃ توبہ پر تفسیری نوٹ)

۱۵۔ تاریخ یورپ (A HISTORY OF EUROPE)

۱۹۳۷ء ص ۱۱۶۹۔

- ۱۶۔ سٹوڈرڈ، (M. STODDARD) اسلامی دنیا (THE NEW WORLD OF ISLAM) لندن، ۱۹۲۲ء، ص - ۱۹۰۔
- ۱۷۔ محمد اور ان کا مذہب (MUHAMMAD, THE MAN AND HIS FAITH) لندن، ۱۹۵۶ء، ص - ۱۶۳ (ط - انون بکس UNWIN BOOKS)۔
- ۱۸۔ ابن ہشام ج ۲، ص ۳۱۷ (صلح حدیبیہ)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَمْنِ وَاَنْتُوْتِ کے داعیِ اعظمؐ

طالبۂ ہاشمی، لاہور

کہا جاتا ہے کہ اس وقت تہذیب و تمدن کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے۔ دنیا ترقی کر کے اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے۔ یہاں تک کہ کرہ ارض کے بسنے والے بیابانِ فلک سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ مادی نقطہ نگاہ سے عصرِ حاضر کا یہ تجزیہ بالکل درست ہے لیکن دوسری طرف جب ہم اخلاقی اور روحانی اقدار کی گسوٹی پر عصرِ حاضر کی تہذیب و تمدن کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کل انسان نہایت تیزی کے ساتھ ایک ایسے قعرِ مذلت میں گرتا جا رہا ہے جس کی تہ میں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ بلاشبہ دنیاوی آسودگیوں اور دولت کی ریل پیل بے یکن انسان کی روح سکون سے نا آشنا ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ اضطراب اور بے یقینی کی جبرگیر کیفیت ہر کہ دمہ پر طاری ہے۔ شہرِ پندی اور دہشت گردی کی گرم بازاری ہے۔ امن و امان کمرۂ ارضی سے مفقود ہو چکا ہے۔ انسان اپنے ہی ہاتھوں اس قدرِ اسلحہ اور تخریب کاری کا سامان بنا چکا ہے کہ اسے ٹھکانے لگانے کیلئے مختلف قوموں اور علاقوں میں بدمنی اور کشتِ خون کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ بڑی طاقتوں کے پاس ہولناک اسلحہ اور آلاتِ تخریب کاری کے جو ذخیرے ہیں وہ امنِ عالم کیلئے ہر وقت خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر منافقت، ربا کاری، ملمع سازی اور جس کی لامٹھی اس کی بھینس کے اصولوں کو روا رکھا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ سائنسی آلاتِ حرب کی بے راہ روی نے

دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا ہے، تہذیب حاضر نے دنیا کو اور تو بہت کچھ دیلے ہیں لیکن امن و سکون سے محروم کر دیا ہے۔

تاریخ عالم پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس سے پہلے بھی کرۂ ارض پر کسی دور ایسے آئے جب اس کے باشندوں نے ترقی اور دنیوی کامرانیوں کی انتہائی حدوں کو چھو لیا تھا لیکن ان کی بے راسروئی اور کردار و عمل کے فقدان نے انہیں ایسی بھیانک تباہی سے دوچار کیا کہ آج کے قصے اور آثار مرقع عبرت بنے ہوئے ہیں۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے دنیا کسی بار بننے اور بگڑنے کے بعد ایک ایسے مقام پر کھڑی تھی کہ اس کی اخلاقی زندگی پر موت طاری ہو چکی تھی اور وہ انسانی مجد و شرف سے محروم ہو چکی تھی۔ انسان ان کے خون کا پیاسا تھا۔ کہیں رنگ اور نسل کے نام پر معرکہ آریاں تھیں تو کہیں وطن اور مذہب کے نام پر انسانی خون سے ہولی کھلی جا رہی تھی۔ کہیں ذات پات کی تفریق سے شرفِ انسانیت کی تذلیل کی جا رہی تھی تو کہیں سوس ملک گیری میں متبلا طالع آزمائوں نے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یکا یک غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور ریگ زار عرب میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا یہ ظہور گویا ایک ابر رحمت تھا جو انسانیت کی سوکھی ہوئی کھیتی پر جھوم جھوم کر برسا اور اس کو سرسبز و شاداب کر دیا۔ اس ظہور کا مقصد صرف یہ تھا کہ خدائے واحد کا نام بلند کیا جائے نبی نوعِ انسان کو اس کے خود ساختہ مبودوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔ اس کے فضائل اخلاق کی تکمیل کی جائے اور شر و فساد کو مٹا کر ہر طرف امن و آشتی کے پھول کھلائے جائیں۔ یہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور آپس کے فدا ہوں کا حسنِ اخلاق اور حسنِ کردار ہی تھا کہ مسلمان ایک فیملی سی مدت میں سیاسی اور تمدنی لحاظ سے قریب قریب تمام دنیا پر چھا گئے اور پھر صدیوں تک نہ صرف ان کے جاہ و جلال کا پرچم لاکھوں مربع میل پر لہراتا رہا بلکہ وہ دنیا بھر کو تہذیب و اخلاق کا درس بھی دیتے رہے الحمد للہ کہ آج بھی مسلمان بہت سے آزاد ملکوں کے مالک ہیں اور ان کی تعداد بھی قرنِ اول کے مسلمانوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے لیکن آج کے مسلمان اور قرنِ اول کے مسلمان میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ قرنِ اول کا مسلمان قرآنی اخلاق کی تصویر اور رسولِ عربیؐ کے اسوۂ حسنہ کا سچا عاشق اور پیرو کار تھا۔ اس کی بہت

سے دشمنانِ حق زرتے تھے لیکن اس کے حسن کردار کو دیکھ کر سچے سچے موم ہو جاتے تھے۔ آج کے مسلمان کا کردار و عمل دوسروں کو کیا متاثر کرے گا۔ وہ خود غیروں کی تہذیب، تمدن اور اخلاق کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنا بیٹھا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے، مسلمان بھی قلب و روح کے اُس سکون سے محروم ہوتے جا رہے ہیں جو بہت بڑا انعام ربانی ہے ایسا انعام کہ جس میں دین اور دنیا دونوں کی سعادتیں شامل ہیں۔ آئیے سوچیں کہ مسلمان جس کا منصب یہ تھا کہ رنگِ نسل اور عصیت کے تلوں کو پاش پاش کر دے، دشمن کے مقابلے میں بنیانِ مروض بن جائے۔ امن و اخوت کا دائمی بن کر دنیا کو اسلام کا حقیقی جلوہ دکھا دے اور اس کی بھٹکتی ہوئی روح کو اطمینانِ قلب سے آشنا کر دے، کیوں اپنے مقام اور منصب سے گر چکا ہے؟

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَنْ يَعْمَلِ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا
وَلَا هَظْمًا (سورہ طہ آیت - ۱۱۳)

”اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا اس کو نہ کسی طرح کے ظلم و ستم کا خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کی حق تلفی کا۔“

اس اثنبارِ الہی کی روشنی میں غور کیا جائے تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ باوجود سارا دنیا میں پھیلے ہوئے کے ہم آج کل جس ناقابلِ رشک صورتِ حال سے دوچار ہیں اس کے کیا اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور وعدہ تو برحق ہے اس لئے ہم اپنے اوبار اور محرومی کی توجیہ اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کہ ہم میں ایمانِ محکم اور کردار و عمل کا فقدان ہے اور ہم نے ہادیِ برحق محسنِ انسانیت رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو فراموش کر ڈالا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بنی نوعِ انسان کیلئے محکمِ خیر و برکت اور رحمت و شفقت تھی۔ آپ سے بے نیاز ہو کر فلاح یا مغفرت کی امید کرنا محض خام خیالی بلکہ گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں آپ کو ”رحمۃ للعالمین“ (سائے جہانوں کیلئے رحمت)، ”رؤف رحیم“ (نہایت شفقت کرنے والا مہربان)، ”سراج منیر روشن چراغ یا سورج“، ”بشیر“ (خوشخبری دینے والا) اور ”نذیر“ (اللہ سے ڈرانے والا) کہہ کر پکارا ہے اور آپ کے اسوہٗ حسنہ کو بنی نوعِ انسان کیلئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب)
 ۱ یعنی اے نوع انسان بلاشبہ تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی ذات میں بہترین نمونہ
 (طریق زندگی) موجود ہے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے کسی پہلو پر نظر ڈالیں وہ اتنا پاکیزہ
 جامع اور ارفع و اعلیٰ نظر آتا ہے کہ تحریر و تقریر کے ذریعے اس کا صحیح نقشہ کھینچنا امرِ محال
 ہے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ قرآن حکیم کی عملی تفسیر تھی، قرآن پاک کے احکام و منشاء اور حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں سرسوفرق نہ تھا۔ آپؐ نے کرہ ارض پر جو انقلاب برپا فرمایا
 وہ یکسر نثرانی انقلاب تھا اور جو نظام آپؐ نے سرزمینِ عرب میں قائم فرمایا وہ یکسر قرآنی نظام
 تھا۔ آپؐ کے انقلاب کا مقصد اذہان و نظریات کی تطہیر تھا اور اس تطہیر کا دائرہ کسی
 خاص خطہ زمین تک محدود نہ تھا۔ بلکہ برافاتی تھا اور روئے زمین کے تمام لوگوں پر محیط تھا
 آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی نوع انسان کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص امن و اخوت
 کا جو دعوت و تعلیم دی وہ آپؐ کی حیاتِ اقدس کا ایک ایسا و نشان پہلو ہے جس کے فیوض
 و برکات کی وسعتوں کو دیکھ کر انسان درطہ حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ مورخین نے حضور
 کی بعثت سے پہلے کے عرب کی سیاسی اور اخلاقی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے ظاہر
 ہوتا ہے کہ باہمی کشت و خون، تشدد و افتراق اور دوسرے گوناگوں زوامل نے اہل
 عرب کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا تھا اگرچہ اسے اور یہی حالت رہتی تو قانونِ قدرت کے
 مطابق ان کا نام و نشان تک صفحہٴ سستی سے مٹ جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل
 کیا اور ان میں ایک ایسے داعی امن و اخوت کو بھیج دیا جنہوں نے ایک طرف تو مفاسد
 کا قلع قمع کیا اور لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی اور دوسری طرف متحارب قبائل کو باہم
 شیر و شکر کر دیا اور اہل ایمان میں ایسا جذبہ اخوت پیدا کیا کہ وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے
 لگے وہی عرب جس میں امن و امان نام کی کسی شے کا وجود تک نہ تھا، وہاں امن و آشتی
 کی ایسی بہار آتی ہے کہ کس انسان دایوں گھائیوں اور صحراؤں میں کوئی آدمی تنہا بیسیوں
 میل تک سوا اچھالتا چلا جاتا ہے اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ چنانچہ
 اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاں، واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا
 تفرقوا

(سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو)
 کی تلقین فرماتا ہے اپنا یہ احسان بھی یاد دلانا ہے کہ (بعثت نبوی سے) پہلے وہ کیا
 تھے اور پھر (بعثت نبوی کے بعد) اللہ کے فضل و کرم سے وہ کیا بن گئے، ارشاد ہوتا

ہے :
 وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلْفَ
 بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا
 وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ
 مِنْهَا . (آل عمران - آیت - ۱۰۳)

اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے
 اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے
 تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے ۔ اللہ نے تم کو
 اس سے بچالیا ۔

یہاں اگر کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت امن
 و اخوت صرف اہل عرب کیلئے تھی یا اپنے زمانے ہی کیلئے تھی تو یہ بات بدستور غلط ہے
 آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اہل عرب کیلئے نہیں بلکہ تمام عالم کیلئے مبعوث ہوئے تھے
 اور آپ کی تعلیم و ہدایت وقتی یا کسی خاص زمانے کیلئے نہیں تھی بلکہ دائمی اور ابد الابد تک
 کیلئے تھی ۔ آپ جس دین کے داعی تھے وہ تو سر اسرار امن و سلامتی کا علمبردار تھا کیونکہ
 یہی ایمان و اسلام کی روح ہے ۔ امن و سلامتی کے بغیر ایمان اور اسلام کے الفاظ
 جذبے روح کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ رحمتہ للعالمین ہونے کی حیثیت سے حضور نے
 نے جہاں معاشرت ، معیشت اور تہذیب و تمدن کے گیسو سنوارے وہاں امور ریاست
 و سیاست کو بھی اپنے نازن تدبیر و حکمت سے سلجھایا اور امن و اخوت کے ایسے اصول
 وضع کر دیئے جن کی پابندی دنیا و آخرت دونوں جگہ فلاح کی ضامن ہے ۔ اگر بنی نوع
 انسان آج بھی ان اصولوں پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ دنیا گہوارہ بہار بن جائے جس میں ہر شخص
 مسرور و مطمئن ہو ۔ اسلام میں امن کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اسے خدائے واحد پر ایمان
 لانے اور شرک نہ کرنے کا صلہ ٹھہرایا گیا ہے ، قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے ۔

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلمٍ أو لئلا یلبسوا الا من وهو مستعدون (الانعام - آیت: ۸۲)
 جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آمودہ نہیں کیا۔ حقیقت میں
 تو امن انہی کے لئے ہے اور راہ ہدایت پر بھی وہی ہیں۔
 سورہ قریش میں قریش سے فرمایا گیا ہے۔

فلیعبدوا رب هذا البیت الذی اطعمهم من
 جوعٍ وامنهم من خوفٍ (قریش آیت: ۳-۴)
 پس اُن (قریش) کو چاہیئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک
 سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔
 گویا امن بیت بڑا انعام ربی تھا جو اللہ تعالیٰ نے قریش کو عطا کیا حالانکہ اس زمانے میں پورے
 عرب میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جس کے لوگ راتوں کو حسین سے سو سکتے ہوں کیونکہ ہر وقت
 ان کو دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کوئی غارت گر گردہ اچانک اس پر چھاپا نہ مار دے۔ کوئی قافلہ
 ایسا نہ تھا جو اطمینان سے سفر کر سکے کیونکہ راستے میں اس پر کسی بھی جگہ ڈاکہ پڑ سکتا تھا
 لیکن قریش مکہ میں بالکل محفوظ تھے نہ ان کو مکہ پر کسی دشمن کے حملے کا خطرہ تھا اور نہ
 ان کے قافلوں کو کوئی چھیڑتا تھا۔

اسلام میں انسانی جان کی حرمت پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ کسی ایک انسان کے ناحق
 قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے، سورہ المائدہ میں فرمایا گیا ہے۔
 اِنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْبِ نَفْسٍ اَوْ فسادٍ فی الارض فکانما قتل
 الناس جمیعاً ط ومن احیاها فکانما احیا الناس جمیعاً۔
 (المائدہ آیت: ۳۲)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے
 قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام
 انسانوں کو زندگی بخش دی۔

غرض قرآن پاک کی روشنی میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی معاشرہ
 کے قیام کا اہم مقصد امن و سلامتی ہے اور ساتھ ہی اہل ایمان میں باہمی اخوت اور

اور محبت کا فروغ بھی ۔

محسنِ انسانیت خیر المخلوق صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان اور امتِ مسلمہ کو امن و امان، آشتی اور اخوتِ باہمی کی جس بلیغ انداز میں دعوت دی اور ایک بگڑے ہوئے معاشرے کو جس طرح درست کیا و عزم و استقامت اور جہد و سعی کی ایک ایمان افروز داستان ہے ۔ تفصیل کی تو یہاں گنجائش نہیں البتہ ہم اس سلسلے میں حضورؐ کے طریق کار اور ان زہین اصولوں کا اجمالی ذکر ضرور کریں گے جن کی بدولت فتنہ و فساد اور بدامنی کی آماج گاہ بنی ہوئی سرزمینِ عرب خدا کے نور سے جگمگا اٹھی ہر طرف امن و سکون کی عطر بیز موائیں چلنے لگیں اور وہاں کے باشندوں نے صدیوں کے بعد سکھ چین کا سانس لیا ۔ محسنِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوقِ خدا کے لئے خیر اور بھلائی کے مواء اور کچھ نہیں چاہتے تھے ۔ یہی وہ چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے مخاطب ہو کر فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

(الأنفال آیت: ۲۴)

یعنی اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو ۔

جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے ۔ اس ارشادِ خداوندی کا منشا یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے اصلاح و ہدایت کے جس کام کا آغاز کیا ہے اور تمہیں جس خدمت میں ہاتھ بٹانے کیلئے بلا رہا ہے اسی میں درحقیقت شخصی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے تمہارے لئے زندگی ہے ۔ اگے دل سے رسول اللہؐ کی پکار پر لبیک نہ کہو گے ۔ اور ان برائیوں کو جنہوں نے معاشرے کو اپنی پیٹ میں لے رکھا ہے ۔ برداشت کرتے رہو گے تو وہ فتنہ عام برپا ہوگا جس کی آفت سے کوئی نہ بچ سکے گا خواہ تم میں سے بہت سے ایسے افراد بھی موجود ہوں جو عملاً برائی کرنے اور برائی پھیلانے کے ذمہ دار نہ ہوں بلکہ اپنی زندگی میں بھلائی ہی لئے ہوں ۔

آئیے اب دیکھیں کہ ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زندگی بخشنے والی پکار کیا تھی جس نے نوعِ انسانی کے افکار و خیالات میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا ۔ یوں تو آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار اخلاقِ حسنہ کے تمام شعبوں پر محیط ہے کیونکہ آپ فضائلِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے ۔ لیکن امن و اخوت کے حوالے سے اس پکار کے آٹھ بڑے بڑے اجزاء یہ نظر آتے ہیں ۔

- ۱۔ عقیدہ توحید
 - ۲۔ احترامِ انسانیت اور وحدتِ نسلِ انسانی
 - ۳۔ اتحاد و اتفاق
 - ۴۔ رواداری
 - ۵۔ جہاد فی سبیل اللہ
 - ۶۔ اخوت و مساوات
 - ۷۔ عدل و انصاف
 - ۸۔ امن کی ضامن (حکمت عملی)
- اب ان میں سے ہر عنوان پر ہم الگ گفتگو کرتے ہیں۔

۱۔ عقیدہ توحید

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عقیدہ توحید قطعہ پر یمنہ بن چکا تھا۔ انسانوں نے خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر کبے بشمار معبود بنا رکھے تھے وہ پہاڑوں، پتھروں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح و شیاطین، آگ، چاند سورج اور ستاروں ہی کے سامنے نہیں بلکہ کٹروں، کوروں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا۔ اہل عرب کی جہالت اور ان کے شرک کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کو راستے میں چار منچیر مل جاتے تو وہ تین سے استنجا کرتا اور ایک کو اپنا معبود بنالینا (مسند دارمی)۔ غیر اللہ کی پرستش کے نتیجے میں انسان سخت نوسنی انتشار، توہم پرستی، بزدلی اور بے یقینی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسے خالص اور حیات بخش عقیدہ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ حقیقی خالق کائنات کے سوا ہر ایک سے آزاد اور بے فکر ہو گیا۔ اس میں ایک نئی امنگ اور نئی وحدت پیدا ہوئی اس نے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کار سازِ حقیقی اور نفع و نقصان پہنچانے والا سمجھنا شروع کر دیا اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی وہ اپنے کو اشرف المخلوقات اور صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ سمجھنے لگا۔ یہ گویا انسانی عظمت و شرف کا قیام تھا۔ جس سے پوری دنیا محروم ہو چکی تھی۔ یہی عقیدہ رسولوں، انبیوں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، یومِ آخرت اور جزا و سزا پر ایمان لانے

کی اساس بنا اور نوع انسانی کو ایک نقطہ اتحاد پر جمع کر دیا۔

۲: احترامِ انسانیت اور وحدتِ نسلِ انسانی

(۱) رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے احترامِ انسانیت نام کی کسی چیز کا وجود دنیا میں نہ تھا۔ انسانی جان کی قدر و قیمت مکھی اور بچھر کے برابر بھی نہ تھی۔ ایک انسان کی اور فی خواہش پر ہزاروں جانیں قربان کر دی جاتی تھیں۔ بتوں کے استخوانوں پر انسانی گوشت اور خون کے چڑھاوے چڑھاٹے جاتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی آدم تک یہ ارشادِ خداوندی پہنچایا کہ:

”ہم نے نبی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری اور پاکیزہ

روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی“ (الاسری آیت ۷۰)

آپ نے لوگوں کو بتایا کہ خالق کائنات نے انسان کو اپنا فیض بکھڑایا ہے اور انسان اس کائنات کا سب سے قابلِ احترام اور لائقِ محبت وجود ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سماء سے پاس سے ایک جہازہ گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے اتباع میں کھڑے ہو گئے۔ اس پر ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تو ایک یہودی کی میت تھی۔ آپ نے فرمایا، کیا وہ ایک فرد انسانی نہ تھا؟ اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انسان کی قدر و قیمت اور اہمیت کیا تھی۔ پھر آپ نے لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات بھی بٹھادی کہ انسان گویا خدا کا کنبہ ہیں اور اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)۔

(ب) محسنِ انسانیت کا تیسرا بڑا احسان نوعِ انسانی پر یہ ہے کہ آپ نے اس کو وحدتِ انسانی کا مقہم بالشان تصور دیا جس نے وطنیت، قومیت، عصبیت اور لسانیت وغیرہ کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور عالمگیر امن و آشتی کی عمارت کے لئے بنیاد فراہم کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا خَلَقْنَا كُومَن ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا
وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ط ان اكونكم عند الله اتقوا

(الحجرات آیت - ۱۳)

”لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے“

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے تاریخ ساز موقع پر اس ارشادِ خداوندی کو توضیح یوں فرمائی کہ :-

”لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ کسی عرب کو عجمی پر کسی عجمی کو عرب پر کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بخیر تقویٰ (پرہیزگاری) کے تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے ڈرنے والا ہے تاریخ کے اوراق کھنگالیں تو معلوم ہوگا کہ رنگ، نسل، زبان، وطنیت اور قومیت کی بنا پر دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا یا دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا، ایسا فتنہ عظیم ہے جو بار بار ہوناک جنگوں اور کشت و خون کا باعث ہوا ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحدتِ انسانی کا تصور پیش فرما کر اس فتنے کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ یہ نظریہ گویا ایک پرہیزگار اور تناور درخت ہے۔ جس کے سائے کے نیچے انسان کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے اور وہ اشتراکِ عمل اور تعاونِ باہمی کے اصول پر انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے عصیت کے مکروہ صورت بت کو یہ فرما کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا کہ :-

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصیت کی دعوت دے

اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصیت پر جنگ کرے

اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جس کی موت عصیت پر واقع ہو“ (مشکوٰۃ)

کسی نے عرض کیا - یا رسول اللہ عصیت کیا چیز ہے؟ فرمایا! عصیت یہ ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی ناجائز مدد کرو“ (مشکوٰۃ باب المفاخر)

ایک اور حدیث میں رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی قوم کی ماحق اور ناروا بات پر مدد کرتا ہے وہ اس اونٹ جیسا ہے جو اونچی جگہ سے (کنوئیں میں) گر کر ہلاک ہو جاتا ہے اور پھر دم پکڑ کر اس کو کھینچا جاتا ہے۔ (ابوداؤد عن عبداللہ بن مسعود)

۳۔ اتحاد و اتفاق

کسی بھی ملک یا قوم میں نشنت و افتراق امن کا سب سے بڑا دشمن اور اتحاد و اتفاق امن کا سب سے بڑا حامی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق سے رہنے کی بے حد تاکید فرمائی۔ آپؐ نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا اور فرمایا کہ آپس کی سمدردی، محبت اور شفقت میں مومنین جسمِ انسانی کی مانند ہیں۔ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو باقی اعضائے بدن بھی اس کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اس سلسلے میں رحمتِ عالمؐ کے کچھ اور ارشادات ملاحظہ ہوں۔

- مومن دوسرے مومن کے حق میں عمارت کی مانند ہے جس کے بعض حصے دوسرے حصوں کی مضبوطی اور تقویت کا باعث ہے (بخاری و مسلم)
- خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

● مسلمان بھائی کی خیر خواہی کرنا دین کی اصل ہے۔ (ترمذی)

- مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس پر ظلم نہ کرے اسے نقصان نہ پہنچے دو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا حاجت روا بن جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت اور پریشانی دور کر دے اللہ تعالیٰ قیامت کے مصائب اور غموں میں سے اس کا کوئی بڑا نعم دور کر دے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کا عیب ڈھلکے اللہ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا (بخاری و مسلم)
- مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے اور مومن مومن کا بھائی ہے اسے نقصان سے بچانا ہے۔ اس کے حقوق کی غائبانہ حفاظت کرتا ہے (ابوداؤد - ترمذی)

اگر مسلمان کے دو فریقوں میں کسی بات پر نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو آپ نے ان میں عدل سے صلح کر دینے کو صدقہ قرار دیا ہے (صحیحین)

حضورؐ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے فرمایا، کیا میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں جو روزے نماز اور زکوٰۃ سے بھی افضل ہے صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہؐ۔ فرمایا وہ عمل لوگوں میں مصالحت کر دینا ہے اور ان میں فساد ڈالنا دین کے منہ سے والی حرکت ہے (ترمذی و ابوداؤد)

آنحضورؐ مسلمانوں کے باہمی تنازعات کا سختی سے محاسبہ فرمایا کرتے تھے۔ ان کو ایک دوسرے سے الجھنے کی ممانعت فرماتے تھے اگر باز نہ آتے تو بزورِ دھوک دیتے یا فریقین میں مصالحت کرا دیتے۔

حضورؐ کو اختلاف و تفرقہ سے سخت نفرت تھی اور کفر و شرک کے بعد مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو آپ سب سے بڑا جرم اور گناہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ کئی احادیث میں آپ نے مسلمانوں میں پھوٹ اور تفرقہ ڈالنے والے شخص کو بڑی سے بڑی سزا کا مستوجب ٹھہرایا ہے۔ (مسلم، نسائی، ابوداؤد)

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی ہر وہ قوم جس نے اتحاد و اتفاق کو ترک کر دیا اور تشدد و افتراق میں مبتلا ہو گئی، بہت جلد تباہ ہو گئی۔ اسی لئے حضورؐ لوگوں کو تلیقین فرمایا کرتے تھے کہ آپس میں اختلاف نہ کیا کرو۔ تم سے پہلے لوگ اختلاف (نا اتفاق) ہی کی وجہ سے تباہ ہوئے (صحیح بخاری)۔

۴: رواداری :

انسانی رواداری قیام امن کا ایک زبردست عنصر ہے جبکہ تنگ نظری اور تعصب فتنہ و فساد اور انتشار و بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ قرآن پاک نے جہاں یہ اعلان فرمایا :۔

ان الدین عند اللہ الا سلام
و حقیقت دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔
وہاں یہ بھی واضح فرما دیا :۔
(آل عمران آیت : ۱۹)

لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّينِ

دین میں کوئی زور بردستی نہیں ہے۔

یہی وہ بھی رواداری ہے جو اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے اور باہمی حسد، طعناتی جنگ قومی پیکار اور مذہبی تعصب سے انسان کو نجات دلا کر دنیا میں امن قائم کر سکتی ہے۔ یہی وہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رواداری پر اس قدر زور دیا کہ اس سے روگردانی کر نیوالے کو اپنی جماعت سے خارج قرار دیا۔ (مشکوٰۃ المعاین ص ۱۰۱ باب الجنائز)

آپ نے مملکت کے تمام مسلم و غیر مسلم باشندوں کو رنگ، نسل، وطن یا دنیوی حیثیت کے بغیر وہ تمام بنیادی حقوق عطا کئے جو قرآن پاک نے متعین کئے ہیں مثلاً جان و مال، عزت و آبرو اور بحی زندگی کا تحفظ، مذہبی و لازاری سے تحفظ عبادت گاہوں کا تحفظ، عقیدہ کی آزادی کا حق، حاجت مندوں اور معذوروں کیلئے وسائل ریاست سے متمتع ہونے کا حق۔

اگر کسی بھی غیر مسلم کو کسی مسلمان سے تکلیف پہنچی تو حضورؐ نے اس کا سختی سے محاسبہ فرمایا۔ عسکری مہمات میں فوج کو سختی سے حکم دیا کہ لڑائی میں مذہبی پیشواؤں عبادت گاہوں کے ملازموں اور تارک الدنیا راہبوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے یہی اسلامی رواداری تھی جس نے فتنہ فساد کے سوتے خشک کر دیئے اور بالواسطہ طور پر قیام امن کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوئی۔

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد فی سبیل اللہ کا مطلب ہے وہ محنت اور کوشش جو اللہ کی راہ میں دین حق کی سر بلندی اور استحکام کیلئے کی جائے اس میں مال جان اور اولاد ہر چیز کی قربانی شامل ہے مستشرقین نے جہاد کی جو تشریح و تعبیر کی ہے وہ یہ ہے کہ مذہبی دیوانوں (FANATICS) کا ایک مسلح گروہ غیر مسلموں پر پل پڑتا ہے اور تلوار کے زور سے ان کو حلقہ بگوش اسلام ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ تعبیر و تشریح بالکل غلط اور گمراہ کن ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ فساد کے لئے نہیں بلکہ اصلاح اور قیام امن کیلئے ہوتا ہے۔ اس کی حدود اللہ اور رسولؐ نے مقرر فرما دی ہیں ان سے تجاوز کسی صورت میں جائز نہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ ظالموں اور

مفسدوں کیلئے قہر الہی اور انسانیت کیلئے رحمت و برکت ہے یہ دنیاوی بادشاہوں حاکموں اور قوموں کی خونریز جنگوں کی طرح نہیں جو صرف ملک گیری یا زور مال حاصل کرنے کیلئے لڑتی جاتی ہیں اور ان میں بد عہد ہی، عورتوں اور بچوں وغیرہ کا قتل اور ہر بڑے سے بڑا ظلم روا رکھا جاتا ہے لیکن اسلامی جہاد میں ایسی سب باتیں ممنوع ہیں۔ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت صرف مندرجہ ذیل صورتوں میں ہے،

۱۔ ملک و ملت کے دفاع اور حفاظت کیلئے جب دشمن حملہ آور ہو یا حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا ہو۔

۲۔ فتنہ و فساد اور سرکشی کو ختم کرنے کیلئے۔

۳۔ ظلم و استبداد کے استیصال کیلئے

۴۔ ضعیفوں اور مظلوموں کی مدد کے لئے۔

اس طرح جہاد فی سبیل اللہ ایک افضل ترین عبادت اور مخلوق خدا کو فتنہ و فساد کے چنگل سے نکال کر امن کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کا ایک موثر ذریعہ بن گیا۔ قرآن پاک اور احادیث نبویؐ میں جہاد فی سبیل اللہ کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ حضور صحابہ کو جہاد فی سبیل اللہ کیلئے ہر وقت تیار رہنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے اور اعلان جہاد کے بعد اس میں حصہ لینا آپؐ نے ہر مسلمان کیلئے دینی فریضہ قرار دیا تھا۔ حضورؐ نے ہر مسلمان کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے کی ایسی تڑپ پیدا کر دی تھی کہ وہ اس میں شامل ہونے کو اپنی خوش بختی اور عدم شمولیت کو بہت بڑی محرومی سمجھتا تھا۔ یہ مجاہدین کا جذبہ صادق ہی تھا کہ فتح مکہ اور غزوہ جینن (شہر ہجری) کے بعد سارے عرب نے آستانہ اسلام کے سامنے سر جھکا دیا اور امن و امان کی یہ کیفیت ہوئی کہ ایک محل نشین خاتون تنہا (بسیوں میل دور واقع سرحدی شہر) حیرہ سے مکہ آکر کعبہ کا طواف کرتی ہے اور پھر اسی طرح وطن کو مراجعت کرتی ہے لیکن کسی کو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ یہ وہی عرب تھا جہاں کسی قافلے کیلئے چند میل کا سفر بھی امن و سلامتی کے ساتھ طے کرنا امر محال تھا۔

۶۔ اخوت و مساوات؛ (۱) اخوت اور مساوات دو ایسے اوصاف ہیں کہ اگر ان

کو اپنا لیا جائے تو بلا اشتراک میں فتنہ و فساد کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں مل سکتا۔ خدمتِ خلق، ایثار و کرم، سہان نوازی اور انکسار و تواضع بھی اخوت و مساوات ہی کی نشانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے۔

انما المؤمنون اخوة

بے شک مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں رشتہ دار اخوت میں پروا دیا اور ان کی باہمی عداوتوں کا خاتمہ کر کے دشمنانِ حق کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں مظلوم کی مدد تو بے شک کروں لیکن جیسے وہ ظالم ہے تو اس کی مدد کیسے کروں — آپؐ نے فرمایا، اس کو ظلم سے روکو۔ یہی اس کی مدد ہے (بخاری و مسلم)

یوں تو حضورؐ نے پہلے مکہ میں اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کے باہم ایک مخصوص قسم کا عقدِ موافقہ قائم کر دیا تھا لیکن فی الحقیقت آپؐ نے تمام مسلمانوں میں ایسا جذبہ اخوت پیدا کر دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ مسلمانوں کی اخوت باہمی کی آپؐ کے نزدیک کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ آپؐ کے ان ارشادات سے کیا جاسکتا ہے۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (صحیحین)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو باہم محبت رکھتے تھے۔ مجھے اپنے جلال کی قسم ہے انہیں میں آج اپنے سایہ میں جگہ دوں گا اور آج میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں (صحیح مسلم)

ایک دوسرے سے خدمت کرو اور تناجش مت کرو (تناجش کا مطلب ہے) کہ بازار میں کوئی چیز بکتی ہو اور کوئی اس کو خریدتا ہو تو دوسرے خریدنے کی نیت کے بغیر اس کی قیمت بڑھائے) اور ایک دوسرے سے بغض مت رکھو اور ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو (حقارت سے منہ نہ پھیرو) اور تم میں سے کوئی دوسرے کے سورے پر صودا مت کرے۔ اللہ کے بندو ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ ترکِ مدد کرے اور نہ اس کو حقیر جانے، آدمی کیلئے

یہ بڑائی کافی ہے کہ مسلمان بھائی سے حقارت کرے۔ ہر چیز مسلمان کی مسلمان پر حرام ہے اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت (یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنا یا اس کا مال غصب کرنا یا اس کی عزت کے درپے ہونا۔) (صحیح مسلم)

حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے فرمایا، سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں اور تم سب ایک امت ہو، تمہارے خون مال اور عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کیلئے حرام کر دی گئی ہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگو۔

(ب) انسانی معاشرے میں شدید قسم کی معاشی عدم مساوات، ذات پات کی تیز، حسب و نسب پر گھمنڈ اور ایسی ہی دوسری چیزیں طبقاتی کشمکش اور بد امنی کا باعث بنتی ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو مساوات کا ایسا اعلیٰ اور پاکیزہ تصور دیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دربار رسالت میں امیر و غریب، آقا اور غلام، عربی اور عجمی گویے اور کالے سب یکساں تھے اور تمام مسلمانوں کے حقوق رنگ نسل زبان اور وطن کے امتیاز کے بغیر برابر تھے اگر کسی کو فیصلت حاصل تھی تو وہ صرف تقویٰ کی بنا پر تھی۔ خاندان کا غرور اور دوسروں کے نسب پر طعن کرنا آپؐ کے نزدیک شہر جاہلیت کی نشانیاں تھیں۔ (صحیح مسلم)

آپؐ نے قریش کا غرور نسب اس طرح مٹایا کہ اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن عارثہ سے کر دیا اور اپنی بنت عم صبا بنت زبیر بن عبد المطلب کو غریب الوطن صحابی حضرت مقداد بن الاسود کنہی سے بیاہ دیا دینی اور دنیوی تمام امور میں آپؐ دوسروں کے ساتھ شانہ بشانہ ہو کر کام کرتے تھے اور یہ کبھی پسند نہ فرماتے تھے کہ دوسرے کام کرتے رہیں اور آپؐ بیٹھے رہیں۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر و باغیچہ کی کھدائی دکھ ہو یا سکھ، سفر ہو یا حضر آپؐ ہر حال میں صحابہ کے ساتھ شریک ہتے تھے حدیث کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ نفیس نہار جان ثار آپؐ کے ہم رکاب تھے حضرت عبداللہ ذو البجادینؓ نے وفات پائی تو آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مل کر خود ان کی قبر کھودی اور تدفین کی (سیرۃ ابن ہشام)

آپؐ کی مساوات پسندی اور انکسار و تواضع کے بے شمار واقعات کتب سیر میں ملتے ہیں ان کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ محبوب خلایق سربراہ مملکت ہونے کے باوجود آپؐ نے مساوات کا نمونہ پیش کیا دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ معاشی عدم

مساوات کے اثرات آپ نے اس طرح زائل کئے کہ زکوٰۃ صدقات اور حقوق العباد کی ادائیگی کا ہمہ گیر نظام قائم فرمایا۔ جس کے نتیجے میں ایک دن وہ وقت آیا کہ زکوٰۃ اور خیرات لینے والے مشکل سے ملتے تھے۔

.. عدل و انصاف :

عدل و انصاف کسی بھی معاشرے اور حکومت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس معاشرے میں عدل و انصاف کا فقدان ہو وہ فتنہ و فساد اور بد امنی کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اسلام وین فطرت ہونے کے اعتبار سے عدل و انصاف پر غیر معمولی زور دیتا ہے۔ چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ آپ کا عدل اپنے بیٹے کی دوست دشمن امیر غریب مسلم اور غیر مسلم سب کیلئے یکساں اور بلا امتیاز تھا۔ آپ کی سیرت طیبہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی مقدمہ لایا گیا جس میں ایک ذوق مسلم اور دوسرا غیر مسلم تھا۔ آپ نے شہادتیں سننے کے بعد غیر مسلم کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی طرح جب تک کسی کے خلاف کامل ثبوت نہ مل جائے آپ حد جاری نہیں فرماتے تھے اور پھر جب کامل ثبوت مل جائے تو پھر اجرائے حد میں آپ نہ کسی کی سفارش مانتے تھے اور نہ کسی رو رعایت سے کام لیتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بنو مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ بنت اسود سے چوری کی افہامش مندر ہو گئی اور وہ بدلتی گئیں بنو مخزوم کے لوگ محبوب رسول حضرت اسامہ بن زیدؓ کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی وہ حضورؐ سے اس خاتون کیلئے سفارش کریں۔ حضرت اسامہؓ نے حضورؐ سے التجا کی کہ اس خاتون سے رعایت فرمائیے تو آپ کے ردے ان پر نکتہ دے سے آثار نمودار ہوئے اور آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کے بارے میں گفتگو کرتے ہو؟ حضرت اسامہؓ رزا اٹھے اور عرش کی بارسول اللہ! میرے لئے اللہ سے مغفرت طلب فرمایا۔ نظام ہوئی تو حضورؐ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

”پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی سحرز (یا امیر) آدمی چور کرتا تو اس کو جھوٹے دیتے اور جب ان میں سے کوئی کمزور (مسمولی) آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی

جوتہ ارتقی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ اس واقعہ سے حضورؐ کے معیارِ عدل کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امن کی ضامن۔ حکمتِ عملی

مدنی زندگی میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سربراہِ مملکت کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی تھی گویا آپ ایک وقت اللہ کے آخری رسول بھی تھے اور ایک وسیع و عریض مملکت کے ہمہ مقتدر اور محبوب خلائق سربراہ بھی۔ لیکن یہ سربراہی دنیا کے دوسرے بادشاہوں جیسی نہیں تھی بلکہ تخت و تاج، خدم و حشم، کروڑوں، قصر و ایوان مال و دولت، حاجب و دربان اور پولیس و دفتر سے یکسر بے نیاز تھی اور اس سربراہ کی حکومت ”سید القوم خادمہم“ کے اصول کی آئینہ دار تھی۔ آنحضورؐ نے تبلیغِ حق، تزکیہٴ نفوس، اصلاحِ معاشرہ، اور تعمیرِ سیرت و کردار کے ساتھ ساتھ اسلامی مملکت کی داخلی اور خارجی حکمتِ عملی (POLICY) کی تشکیل جن خطوط پر فرمائی وہ نہ صرف ایک مثالی حکومت کے عکاس تھے بلکہ قیامِ امن کے بھی ضامن تھے ان خطوط کا ایک مختصر سا خاکہ یوں کھینچا جاسکتا ہے کہ:

- ۱۔ آپؐ نے غیر مسلموں سے صلح و امن کے بکثرت معاہدے کئے اور ہمیشہ صلح کو جنگ پر ترجیح دی۔ ہجرت کے بعد آپؐ نے سب سے پہلے یہودِ مدینہ کے ساتھ امن و صلح اور باہمی تعاون کا معاہدہ کیا جس نے یثاقِ مدینہ کے نام سے شہرت پائی اسی میں آپؐ نے یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی دی اور شہرہری و ثقافتی معاملات میں ان کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے۔
- شہرِ مہر میں خیبر، فدک وادی القریٰ اور نیما کے یہودیوں سے صلح و امن کے معاہدے ہوئے۔
- شہرِ مہر میں قریش مکہ کے ساتھ دس سال کیلئے صلح و امن کا معاہدہ ہوا جو تاریخ پر سلیمانہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔
- شہرِ مہر میں بخران، دودھ الجذل، ایلہ، منقذ، جریا، اور حرمین اور یمن کے عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ امن و صلح کے معاہدے ہوئے۔ اسی سال بحرین کے مجوسیوں کو معمولی جزیہ کے عوض ہر قسم کے حقوق دیئے گئے۔
- غرب کے مقتدر قبائل سے بھی حضورؐ نے دوستانہ تعلقات قائم کئے اگر کسی اپنی مدافعت یافتہ و فساد کے استیصال کیلئے ملواریا اٹھانا ناگزیر ہو گیا تو بھی آپؐ نے کوشش کی کہ جانی نقصان کم سے کم ہو۔

عہد رسالت کے تمام غزوات و سرایا کی تعداد ۸۲ ہے ان سب میں مجموعی طور پر ۱۰۱۸ آدمی کام آئے گویا مقتولین کا اوسط ۱۱ فی لڑائی ہے جبکہ حضورؐ کی ہجرت سے وفات تک دوسو چھتر مربع میل روزانہ کی اوسط سے عرب کا علاقہ اسلام کے دامن رحمت سے وابستہ ہوا (بلد دوم رحمۃ للعالمین قاضی سلمان، منصورپوری) فی الحقیقت آپؐ کی داخلی حکمت عملی سراسر امن و صلح پر مبنی تھی اور اس کا مقصد کسی علاقے پر طاقت کے بل پر قبضہ جانا نہ تھا اس حکمت عملی نے تمام اہل عرب کو بالعموم اور مسلمان کو بالخصوص رشتہ جہاد میں پرو دیا اور ملک سے بد امنی کا خاتمہ ہو گیا۔

۲۔ حضورؐ کی خارجہ حکمت عملی کے نمایاں پہلو یہ تھے۔

۱۔ آپؐ نے عرب کی سرحدوں کو بیرونی خطرات سے محفوظ کر دیا اور یمن عمان اور بحرین کو (جو فی الحقیقت عرب کے حصے تھے) بحوسی ایران کیسے پیچھے سے نجات دلائی۔

ب۔ پڑوسی ممالک، (حبشہ، ایران، روم اور مصر) کے بادشاہوں کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی اور کسی قسم کی دھمکی دینے کا سچا ہے ان کو بتایا کہ اگر انہوں نے امن و سلامتی کی یہ دعوت قبول نہ کی تو اپنی رعیت کا دباؤ انہیں کی گزر جائے گا۔

ج۔ بیرونی دشمن کو اپنے ملک میں گھسنے کا موقع دینے کے بجائے آگے بڑھ کر سرحدوں پر اس کا مقابلہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ تنوک کا پیر صعوبت ستر اسی سلسلے میں پیش آیا (۱۰ھ)۔

د۔ سفیروں کی جان کے تحفظ کو اپنی حکومت کا اصول قرار دیا اسی طرح ایبران جنگ سے بہترین سلوک اپنی حکومت کا شعار قرار دیا۔ لڑائیوں میں اپنی فوج کو باغ اور کھیت اجاڑنے، لوٹ مار کرنے کی، بوڑھے، بچے، عورت، ندھی پیشوا، راہب اور معذور کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی۔

اور یہی سطور سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کس زندگی بخشنے والی چیز کی دعوت دیتے تھے، اسلام (سلامتی) کی، ایمان (امن) کی اور اخوت، بھائی چارے، ہمدردی اور پیار و محبت کی کین مبارک سہیلیوں نے اس

زوال وادبار کے غیرت نے انہیں اپنے پنجوں میں جکڑ لیا۔ حق
 یہ کہ جب تک رسول رحمت کی دُعا اور پکار پر لبیک نہ کہا جائے گا۔ دنیا کا یہ انتشار اور ہولناک
 اضطراب کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے درد کا مداوا اسی دعوت پر لبیک کہنے
 ہی سے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا کرنے کی توفیق دے آمین ثم
 آمین۔

ماخذ و مراجع

- ۱۔ قرآن حکیم
- ۲۔ صحاح ستہ
- ۳۔ تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- ۴۔ سیرۃ ابن ہشام
- ۵۔ رحمتہ للعالمین مبلد دوم۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
- ۶۔ رسول رحمت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
- ۷۔ مشکوٰۃ شریف شیخ ولی الدین محمد خطیب عمری
- ۸۔ سیرۃ النبی (جلد دوم) شبلی نعمانیؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دعوت امن و اخوت کا تبلیغی پہلو اور ذرائع ابلاغ سیرت طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر شمس الدین کراچی

تبلیغ و ابلاغ اور دعوت امن و اخوت

تبلیغ اور ابلاغ کے لفظی معنی پہنچانے کے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو اچھا سمجھتے ہیں اس کی خوبی اور اچھائی کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں اور انہیں اس نیکی کی جانب راغب کرنے کی تلقین کریں۔ قرآن مجید میں تبلیغ کا ہم معنی لفظ دعوت ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا اور اس سے متعلق کھلے احکامات دیئے اور آنحضرت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس کی عملی مثالیں پیش کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کیا اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سب کیلئے برابر اور یکساں قرار دیا۔ چنانچہ رسول نے تبلیغ کیلئے قریشی و غیر قریشی عربی و عجمی، حجازی یعنی رومی و ہندو کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان اور ہر گوشہ میں پیغام الہی پہنچانا قرار دیا۔ حکم خداوندی ہوا۔ "اے چادر پوش! اچھے لوگوں کو ذرا پیئے اور اپنے پروردگار

کی بڑائی بیان کیجئے۔ ۱۔ اور یہ کہ ”جو آپ کی طرف آنا لگیا اس کو اوروں تک پہنچائیے۔ ۲۔ (ما انزل ایکس)۔ لوگوں کو دعوت دیتا۔ نصیحت کر کے پیغامِ خداوندی دینا تبلیغ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔ ۳۔ (مصحح مسلم باب خیر)۔

قرآن پاک میں پیغامِ الہی کو بندوں تک پہنچانے کی ذمہ داری رسولوں پر اس طرح رکھی گئی، اے خدا کے پیغام پہنچانے والے تیرے پروردگار کے پاس جو کچھ تیری طرف آتا ہے اس کو پہنچادے اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور تجھ کو خدا لوگوں سے بچائے گا۔ ۴۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر رسول علیہ السلام کو زندگی میں دو کام سونپے گئے کہ وہ بذریعہ وحی اللہ کا پیغام رسول کرے اور پھر اسی پیغام کو اپنے زمانے کے اشاعت کے تمام مروجہ ذریعے استعمال میں لاکر اللہ کی مخلوق تک پہنچائے۔ اس سے یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے پیغام کو فرشتہ کے ذریعے براہ راست وصول کرنا نبوت ہے۔ اور اس پیغام کو بندوں تک پہنچانا تبلیغ ہے۔ ارشاد ہوا کہ ”اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ہتھیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے“۔

وما اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ لِيُنْذِرَ اُولٰٓئِكَ

اور اس کے بعد خود رسول اللہ نے فرمایا ”اے لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں“ (قل يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنِىْ اُخْبِرُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِىْٓ اِلٰهِيْكُمْ يَوْمَ التَّوْحٰٓفِ)۔ ۵۔ (ہذا بلاغ للناس) گویا نبی کی ذات داعی و مبلغ دونوں کی حیثیتیں جمع رہی ہیں اور رسول کے امتی کو بھی تبلیغ میں شریک کیا گیا کیونکہ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تو ہر امتی کیلئے نیکی اور اچھائی کا پیغام پہنچانے کے وظیفے کی انجام دہی کو لازم ٹھہرایا گیا۔ لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینا بنیادی اصول تبلیغ ہے۔ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعے سے بلا اور ان سے غلط فہمی خوش آئند طریق سے کہ ”ادع الی سبیل ربک بالحنوطة واللموعظة“۔

رسول اللہ کے پیرومن کو پیغام الہی لوگوں تک پہنچانے اور ان کو قبول حق کی دعوت دینے کا فریضہ سونپا گیا۔

اللہ کے پیغام کے ذریعے انسان نیکیوں کی طرف راغب اور نیکیوں کو معرفت برائیوں سے اجتناب کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پیغام دنیا کے کسی بھی گوشے میں آباد اور کسی بھی عہد میں زندگی بسر کرنے والے انسان کیلئے ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، پڑھا لکھا ہو یا اُن پڑھ انسان فطرت میں نیکی اور بدی کا ایک مشترکہ شعور موجود ہوتا ہے۔ عقل، احسان، تحمل، برہاری، دیانت محنت، شجاعت، پاکیزگی اور صداقت اور عمل ہر معاشرے میں اچھے اقدار سمجھے جاتے ہیں اور ظلم و زیادتی، بے صبری، جھجھوری، بغاوت، بے ایمانی، خیانت، عداوت اور جھوٹے کو ممنوعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ تمام اچھے اقدار اسلامی اقدار سمجھے جاتے ہیں اور یہی اقدار انسانی اقدار ہیں۔ گویا اسلام کا پیغام انسانیت کی بھلائی کا پیغام ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پیغام اخوت و محبت کی تعلیم دی گئی خود قرآن حکیم نے آنحضرت کے مشن کا تعارف کرتے ہوئے کہا۔

”ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے تمہارا تذکیہ نفس کرتا ہے۔ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔“

اسلام کے پیغام کی بنیاد تطہیر اخلاق کے بغیر انسانوں میں اصل بھائی پارہ کی فضا قائم نہیں ہو سکتی۔ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا: ”مجھے مکرم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے۔“

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اقدار کے فروغ و تحفظ ہی سے انسانی معاشرے کی تعمیر اس طرح ہوتی ہے جس کی بنیاد ”امن و اخوت ہے“ نیکی کا حکم اور بدی سے روکنے کی ہدایت اس وقت ممکن ہوتی ہے جب انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلام کے ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی ڈھالی جائے۔

انسانی اخوت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام مسلمانوں کے مابین کوئی بنیادی قدر مشترک نہ کر لی جائے۔ انسانی معاشروں کے مابین کوئی بنیادی قدر مشترک اس وقت تک دریافت نہیں ہو سکتی جب تک انسان ایک پیدا کرنے والے، ایک پالنے والے اور ایک جان متعین

کرنوالے کی وحدانیت پر متفق نہیں ہو جاتے نظریاتی توحید اسوقت تک قانون اور شریعت کی توحید پر منبج نہیں ہو سکتی جب تک توحید کا سبق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حاصل نہ کر لیا جائے، اسلام کے بصریاح امن و اخوت کی اہمیت کیلئے پیغمبر خدا کا وصیت نامہ (آخری خطبہ) پر غور کریں جس میں آپ نے فرمایا:

”کسی عرب کو غیر عرب کے مقابلہ میں کوئی بڑائی حاصل نہیں۔“

السيرة النبوية ابن ہشام

بخاری باب حجة البنتی

اور اس میں یہ واضح کر دیا گیا ”اور نہ آج سے کسی سرخ رنگ والے کو کوئی فضیلت کسی سیاہ رنگ والے پر ہے اسلام نے آکر بتایا کہ غیر اختیاری نسبتیں وہ رنگ ہو یا نسل، زبان ہو یا وطن افضلیت کا معیار یا پیمانہ نہیں بن سکتیں بندگی کا معیار تو صرف اختیار و اداری، تفکر و تحریک، ایمان و عمل صالح ہے اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو سب سے زیادہ صاحبِ کردار ہو۔“

اگر دنیا اس معیار کو قبول کرے تو کہیں بھی قومی نسلی اور فرقہ وارانہ منگامے اور فساد باقی نہ رہیں گے۔

اسلام کا نظام ایک مکمل منشور انسانیت ہے جو مسلمانوں کے علاوہ سارے عالم کیلئے بھی سرسبز خبر ہے اس میں سب نیکیاں ہیں اور اسلام عبارت ہے عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر سے۔ اس میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور دیگر معاشرتی تلخیصات موجود ہیں جو زندگی میں پاکیزگی، توازن، حسن معاملہ اور رقت قلبی پیدا کرتی ہیں اور معاشرے کو بے آہنگ اور بکرم ہونے سے بچاتی ہیں۔ آنحضرت نے توحید کی جو صدا بلند کی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہ سکا۔ جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کیلئے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت ہے۔ خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے ایلئے جھکایا تاکہ سب سجدے بنی آدم پر حرام ہو جائیں و سمجھ لے کہ جب اس کا رخا نہ قدرت کے کا زندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم اس کو اس دنیا کی کسی چیز کی سامنے جھکنا زیب نہیں دیتا جب سے دنیا توحید کی حقیقت اور انسان اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہوں میں ذلیل ہو گیا۔ اس کو احساس کمتری نے دبوچ لیا۔ آپ کو بعثت محمدی کے بعد اس کے لب و لہجہ میں فرق محسوس ہوگا۔ اب وہ اپنے عمل پر ماراں نہیں وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ

تعمیر کر رہا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے۔ پھر محمد عربی نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت پیدا کر کے دکھائی جس میں سینکڑوں حکومتوں اور ہزاروں لشکروں سے زیادہ طاقت ہے۔ یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رعیت، گناہ سے نفرت اور نفس کی خود احتسابی۔

کسی بھی قوم کی بنیادی طور پر دو ضروریات ہوتی ہیں جن سے یہ ایک لمحہ کیلئے بھی صرف نظر نہیں کر سکتی۔ ایک طرف سے ان اشیاء و مسائل کو ضرورت پیش ہے جو اس کی مادی اختیار جان کر پورے کر دیں جن کے ذریعے وہ اپنی روح اور جسم کے رشتے کو قائم کرے اور بقائے حیات کے مادی تقاضوں کو پورا کرے۔ دوسری طرف وہ اس ہدایت اور رہنمائی کی محتاج ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی اخلاقی اجتماعی اور تمدنی زندگی کی تشکیل صحت مند بنیادوں پر کر سکے اور اس طرح انسانیت کے حقیقی مقاصد کو بوجہ احسن تکمیل کر سکے۔ اسلام کے پیغام میں ربوبیت کا عامہ تقاضہ ہے کہ وہ قوموں کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرے پہلی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں وسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ودیعت کر دیا ہے اور قومیں ان وسائل کے ذریعے اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہیں۔ قوموں کی دوسری ضرورت کا تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام انبیاء کے ذریعے بھیجا تاکہ وہ قوموں کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کر لیں اور انہیں زندگی کے معنی اور اس کے مقاصد سے آگاہ کریں انہیں ان اصولوں کی تعلیم دیں جو زندگی کے اصل مقصد سے ہم آہنگ ہوں اور خدا کی زمین پر ایک صحت مند نظام قائم کریں قرآن شریف میں ارشاد ہے :-

”ہم نے رسول واضح نشانیاں دیکر بھیجے اور ان کے ساتھ قرآن اور میزان عدل اتاری تاکہ انسانوں میں انصاف قائم کریں۔“ ۱۳

اور سورۃ الفتح میں ارشاد ربانی ہے :-

”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام نظام ملے

زندگی پر غالب کرے۔“ ۱۴

اسلام کا پیغام امن و اخوت قوموں کو ایک خاص نبی پر چلا رہا ہے اور ان کی اجتماعی زندگی کو احکامات الہی کا پابند بناتا ہے جو اقوام عالم کو خدا سے دین کی طرف بلا رہا ہے اور انسان زندگی ہدایت ربانی سے منور کرتا ہے۔ یہ پیغام ایک مکمل دین مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی

اور اس کی تمام کوششوں پر محیط ہے۔ پیغمبرانِ برحق نے اس پیغام کو مختلف ادوار میں قوموں نے پہنچایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغام رسال کے طور پر سچوت ہوئے جن کا اصل مشن یہ ہے کہ خدا کی ہدایت لوگوں تک پہنچادیں اور انہیں خدا کی کتاب اور حکمت و دانش کی تعلیم کے ذریعے اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ اپنی پوری زندگی میں کو غالب کریں۔ پھر جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں انہیں ایک، تحریک اور ایک امن میں منظم کریں اور اجتماعی جدوجہد کے ذریعے وہ تہذیب و تمدن قائم کریں جو حیاتِ دنیوی میں اسلام کا مقصود ہے پس اس کے لئے کہا گیا کہ ”اے رسول! جو کچھ تم پر تمہارے رب کی جانب سے آتا رہا اس کی تبلیغ کرو“ رہا اور اس آہ کی دعوت دو اور اس پر استقامت کیساتھ جے رہو جس طرح کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔“ ۱۶

اسلام کے پیغام نے مسلم قوم کو غیر اللہ کی ہر غلامی سے نجات دلا کر اس کی زندگی کو خدا کے لئے خاص کر دیا اس کا عام زندگی ہر شعبہ پر خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی سماجی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا معاشرتی، قومی ہو یا بین الاقوامی، خدا کے حاکمیت قائم کرنا ہے وہ ہر اطاعت پر خدا کی اطاعت اور ہر قانون پر خدا کے قانون کو مقدم ٹھہرانا ہے۔

معاشرتی لطیفے اور بالواسطہ دعوتِ امن و اخوت

ہر انسان خواہ وہ بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد دنیا میں تنہا زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ وہ اپنے بچیاں اور اپنے ارد گرد رہنے والوں سے رابطہ قائم کر کے ایک طبقے یا گروہ کی صورت اختیار کر کے گزار سکتا ہے بلکہ وہ اپنے بچیاں اور اپنے ارد گرد رہنے والوں سے رابطہ قائم کر کے ایک طبقے یا گروہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اکثر اوقات کسی ایک فرد کی پسند اور ناپسند اپنے طبقے کسی پسند یا ناپسند سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اور اس کا عمل اپنے طبقے کے مطابق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فیشن اپیل بستی میں رہنے والوں کی معاشرتی زندگی، رہن سہن لباس اور انداز فکر اندرونِ شہر رہنے والوں کی زندگی سے یکسر مختلف ہوتا ہے اور ان کی روزمرہ زندگی کا اقدار بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اس کی توقع بہت کم ہے کہ فیشن اپیل بستی میں رہنے والے کسی ایسے پیغام سے متاثر ہوں جو اندرونِ شہر کے رہنے والے لوگوں

کو متاثر کرنے کیلئے ترتیب دیا گیا ہو۔ اس طرح ہر طبقہ کے لوگ اپنے لیڈر بھی اپنے ہی ارد گرد تلاش کرتے ہیں جس کی بات وہ قبول اور جنہیں شمعوری یا لاشعوری طور پر اپنا لیڈر تسلیم کرتے ہیں۔ ۱۶

۱ بااوقات کوئی ابلاغ پیغام کثیر تعداد کو براہ راست متاثر نہیں کرتا بلکہ مختلف گروہوں کے رہنماؤں کے ذریعے سے اثر کرتا ہے رہنمائی کا یہ کردار مذہبی، سیاسی جماعتیں مذہبی سیاسی شخصیتیں یا ذرائع ابلاغ کر سکتے ہیں جو لوگوں کی رائے تبدیل کرنے انہیں قائل کرے یا رائے عامہ مہوار کرنے کا کام کرتے ہیں۔ یعنی ممکن ہے کسی طبقے کی اکثریت کو ابلاغ عامہ کے کسی ذریعہ تک، براہ راست حاصل نہ ہو اور وہ اپنے لیڈر کے ذریعے مختلف پیغامات وصول کرتے ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر گروہ میں چیدہ چیدہ افراد کو اہمیت حاصل ہوتی ہے اور لوگ ان کے قول و فعل کو اپنے لئے نمونہ سمجھتے ہیں اس طرح اپنے مقتدین کیلئے جو مختلف آراء پیش کرتا ہے۔ وہ انہیں کو ماننے اور انہیں پر عمل کرتے ہیں۔ ۱۷

آنحضرت کی دعوت اور آپ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے دعوت اسلامی کا کام باقی تمام کاموں پر مقدم رکھا اور ہر حالت میں اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ہمہ تن مصروف رہے اسیلئے آپ اول آخر داعی اللہ ہے۔ اس باہل معاشرے میں حضرت محمد نے اپنے عمل کے ذریعے ایک انقلاب پیدا کیا ایک نئی تہذیب کو جنم دیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ عرب ایک منتشر بے مہار قوم تھے اور معمولی سے معمولی انتقال پر تلواریں کھینچ لیتے اور برسوں لڑتے مرتے رہتے پھر انتقام در انتقام کا سلسلہ چلتا رہتا مثلاً ایک دفع ایک قبیلے کے مہمان کا اونٹ دوسرے قبیلے کے چراگاہ میں جھٹک کر چلا گیا اور چرنے لگا تو یہ واقعہ بنائے فساد بن گیا اور پھر قبائلی جنگ شروع ہوئی تو اس میں فریقین کے خلاف قبیلے بھی شروع ہو گئے یہ جنگ چالیس سال تک جاری رہی اور اس میں فریقین کے مترنہارا افراد مائے گئے اور متحارب قبیلوں کے بنیت و بالود ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ پیغمبر اسلام نے ایسے تند خوار جنگجو قبائل کو ضبط نفس اور ڈسپلن کا اس حد تک پابند بنا دیا کہ وہ میدان جنگ میں بھی ضبط و نظم کے ساتھ صرف ہندیا کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ مختصر عرصے میں عرب بت پرستی سے نکل کر اسلام کی طرف آئے اور ان کی قبائلی ما انسانی اور قومی نفرت ایک ایسی اخوت میں بدل گئی جو ہمہ گیر و مشترک غرض کی بنیاد پر استوار تھی اس سے پہلے وہ جزیرہ نما عرب کی حنود میں محبے ہوئے

سنئے اب یکایک ایسی وسیع سلطنت کے مالک بن گئے جس میں رومی اور ایرانی دونوں سلطنتیں
 تحلیل ہو گئی تھیں پہلے ان کی اکثر آبادیوں میں بد دیت کی سنگدستی چھائی ہوئی تھی۔ اور اب
 وہ ایک ایسی آسودگی و خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے، جو اس سے پہلے ان کیلئے اجنبی تھی۔ یہ
 سب کچھ اس لئے ممکن ہوا کہ اسلام کے پیغام نے مسلم قوم میں عدل و مساوات کی بنیاد رکھی مالداروں
 کو اس خیرات پر سزائش کی جس کے نتیجے میں کمزوروں کو وہ احسان جتنا چٹنا ایذا پہنچائیں اور محتاجوں
 کیلئے مالداروں پر زکوٰۃ فرض کی جس کی ادائیگی محتاجوں کے حق سے تعمیر کی گئی۔

” ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی پیٹم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے
 پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بروہاری اس کی صفت ہے۔ اے ایمان والو !
 اپنے صدقات کو احسان جتنا کہو اور دکھ و بیکر خاک میں نہ ملو “ ۱۹

اور فرمایا ! اگر اپنے صدقات علیحدہ دو تو وہ یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو
 تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے “ ۲۰
 صدقہ کے اس پیغام میں مالی منفعت اور خواہش، انتقام کو نظر انداز کرنے پر زور
 دیا گیا۔

صرف مسلم قوم ہی کیلئے نہیں دوسرے مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کے ساتھ اسلام نے
 جو رویہ اختیار کیا اس کے متعلق ارشاد ہے کہ ” مذہب کے معاملے میں کوئی چسیر نہیں “
 گویا تمام دوسرے ادیان کیلئے پوری آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کے مواقع موجود ہیں قرآن
 کریم میں اسلام نے اپنے پیغام کی تبلیغ و توسیع کیلئے قوتِ بابر باؤ کا استعمال قطعاً ممنوع
 قرار دیا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے عملی کردار سے دوسروں پر محبت و مائت قائم کریں اور
 ان کے سامنے ان ابدی حقائق کو پیش کریں جن کی اسلام نے تعلیم دی اور ان حقائق کو بھی
 جو وسیع تر اور ارتقا پذیر انسانیت کیلئے ناگزیر ہیں۔

قرآن کریم نے پیغام کو فروغ کیلئے چند طریقوں کی اجازت دی ہے اور اس بات پر
 زور دیا ہے کہ مسلمان اپنی تمام کوششوں صرف ان ذرائع کے استعمال تک محدود
 رکھیں چنانچہ ارشاد ہوا ” اے پیغمبر ! لوگوں کو اپنے خدا کے راستے کی طرف حکمت
 و عظمت اور اچھے دلائل کے ساتھ دعوت دیجئے “ ۲۱
 عام طور پر مخالفین مذہبی جھگڑوں میں قابلِ تحکیم انتخاص اور شعار کیلئے نا واجب اور

ماروا الفاظ استعمال کرتے ہیں قرآن پاک نے اس قسم کے غیر مندرجہ جملوں سے منع کیا حتیٰ کہ
مشرکین کے باطل خداؤں، دیوتاؤں کے مطلق بھی برے الفاظ استعمال کرنے سے احتساب
کی تلقین کی گئی، حکم ہوا کہ ”انہیں برا نہ کہو، جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ
کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا
آپ فرمائیے۔ اے کافرو میں ان کی پرستش نہیں کر سکتا جن کی پوجا تم کرتے ہو اور نہ
تم ہی اس کی بندگی کرتے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں میں ان کی پوجا کبھی نہیں کر سکتا جن
کی پرستش میں تم لگے ہوئے ہو اور نہ تم ہی اس کے سامنے سرنگوں ہوتے دکھائی دیتے
ہو جس کی بندگی میں نے اختیار کی ہے“ ۲۱

گویا اسلام کے پیغام میں مختلف عقائد کے پیروں کو مکمل آزادی صداقت اور کذب
واضح ہو چکے ہیں اس لئے اب لوگوں کو سوچنے اور آزادی سے اپنا استدعا اختیار کرنے کا
موقع دینا چاہیے۔ پیغمبر خدا پر واضح کیا گیا کہ۔

”اے رسول! اگر وہ صداقت سے اعراض کریں تو انہیں چھوڑ دو، جب تم نے پیغام پنچا دیام
نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے“ ۲۲

بس اسلام نے اپنے پیغام میں جو روپیہ دوسرے ادیان کے متعلق اختیار کیا ہے اس کی بنیاد تعلیم
پر ہے اور صحیح دین توحید ہے تاہم تمام الہامی مذاہب میں بنیادی اخلاقی اقدار مشترک رہی ہیں۔
تاریخ کے مختلف ادوار میں پیغمبر اور رسول خدا کا پیغام مختلف قوموں کے پاس آتے رہے ہیں۔ جو
انہیں صحیح تعلیم دیتے رہے انہی تعلیمات کے اثر سے تمام الہامی اور دیگر مذاہب میں نیکی اور تقویٰ،
کی قدر یکساں طور پر تسلیم کی گئی ہے اس لئے تعاون کا دائرہ خاص وسیع ہے لیکن جہاں ان سے
متضاد نظریات کا رفرما ہو وہاں تعاون کا حلقہ نسبتاً محدود ہو جاتا ہے۔ دوسرے مذاہب
کے پیروں کے ساتھ اسلام کا رویہ محض سلیمی اور افعالی واداری کا نہیں بلکہ ایجابی افہام و تفہیم
کا ہے اور یہی اسلام اخوت کی بنیاد ہے۔

ذرائع ابلاغ اور پیغام اسلام

کوئی پیغام لوگوں تک بہت سے ذریعوں کی مدد سے پہنچایا جاسکتا ہے پرانے زمانے میں
چھپے ہوئے الفاظ اور تصاویر کی مدد سے یہ عمل تکمیل پاتا تھا اب اخبارات، ماہناموں، ہفت روزہ

رسائل، کتابیں، پمفلٹ، ہینڈ بل، وغیرہ اشاعت کی مدد سے ہونیوالے ابلاغ میں شامل ہیں ریڈیو ایسا ذریعہ ابلاغ ہے جس میں سماعت کا عمل کارنر مانتا ہے جبکہ ٹیلیوژن میں ہم سماعت اور بصارت دونوں کی مدد سے پیغام وصول کرتے ہیں۔ ریڈیو فلم اور ٹیلیوژن ابلاغ عامہ کے جدید ترین ذرائع ہیں۔ یہ تمام ذرائع ابلاغ کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور اکثر و بیشتر اصول اور تکنیکس بھی ان ذرائع ابلاغ میں مشترکہ اور یکساں طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ ذریعہ خواہ کوئی ہو لیکن مقصد سب کا ایک ہوتا ہے یعنی بہتر سے بہتر طور پر لوگوں کی مطلع کرنا اور انہیں نئے خیالات و پیغامات فراہم کرنا۔ ذرائع ابلاغ قوم کی سماجی معاشی، معاشرتی اور مذہبی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

جدید دور میں افکار و نظریات کی جنگ ذرائع ابلاغ کی ذریعہ لڑی جاتی ہے اور اس میدان میں کامیابی کا انحصار دلیل اور زور استدلال کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کی وسعت سمہ گیری اور فنی چابکدستی پر مبنی ہے۔ ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان ذرائع کی ہم گیری قوت تسخیر اور اثر انگیزی میں تدریج اضافے ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس پر منظر میں ذرائع ابلاغ کی مدد سے کسی بھی پیغام کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے اسلام کا جس کی بنیاد توحید، رسالت ہے اور دنیا میں امن و اخوت کی رہنمائی کیلئے کلام الہی اور سنت نبوی کے تحت ممکن ہے لہذا اس بات کی ضرورت ہے کہ زبان و قلم کی مدد سے اخلاق و کردار کی تعمیر کی جائے اور یہ کام انفرادی اور متفرق کوششوں کی بجائے اجتماعی اور متحدہ طریقے پر کیا جانا چاہیے۔ دعوت دین انسانوں کا اللہ کے ساتھ صحیح تعلق قائم کرنے کیلئے دی جاتی ہے اور ذرائع ابلاغ اس دعوت کو عام کرنے کیلئے مؤثر کردار کرتے ہیں کیونکہ ان کی مدد سے ایک فرد کو یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ کسی ایک جگہ بیٹھ کر پوری دنیا سے خطاب کر سکتا ہے اور ان ذرائع سے یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ "کیا ہم نے انسانوں کو دو آنکھیں نہیں دیں ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور دونوں راستے دکھا نہیں دیئے" ۲۴

اور خدا کا یہ پیغام عام کیا جاسکتا ہے کہ سیدھا راستہ کیا ہے نیکی اور بدی کی کیا تمیز ہے اور نیکی کو کس طرح پہچانا جاسکتا ہے اور بدی سے کس طرح بچا جاسکتا ہے۔

"ہم نے سیدھے راستہ کی ہدایت کر دی اب وہ چلے شکر گزار بنے یا ناشکر" ۲۵
اگر ذرائع ابلاغ کی مدد سے اسلام کا یہ پیغام مخلوق خدا تک پہنچا یا جائے کہ:-

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو۔ اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہارے گواہی کا از رو تمہاری اپنی ذات باتمہارے والدین نسبتاً دارد ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ ذریعہ معاملہ خود مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خبر خواہ ہے۔ لہذا ہم اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے مٹو۔ اگر تم نے لگی ہوئی بات کو اپنی سچائی سے پہلو بچا یا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔ (البقرہ : ۱۳۵)

وزج بالا آیات کی روشنی میں اگر ذرائع ابلاغ کی مدد سے انسانوں میں اتفاق و اتحاد اور قسرم و حوصلہ پیدا کرنے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ذرائع ابلاغ نہ صرف عوام تک معلومات فراہم کرنے کا وسیلہ ہوتے ہیں بلکہ عوام میں کام کی لگن اور آگے بڑھنے کیلئے رہنمائی کرتے ہیں ذرائع ابلاغ تعمیر نو میں بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور لوگوں میں باہمی کونکائی اور حوصلہ و ولولہ پیدا کرنے اور احساس محرومی ختم کرتے اور خودی کی روح پھینکتے ہیں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ذرائع ابلاغ کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف اسلامی دین و کردار کی شکل میں اپنا کردار ادا کریں بلکہ اسلامی اقدار اور اخلاقی تعلیمات کو ذریعہ بن کر معاشرے میں اتفاق و اتحاد، ایثار و قربانی، صلح امن و مساوات و انصاف اور خود صداقت کا بول بولایو۔

اسلام جو سنت نبویؐ سے عبارت ہے دنیا کے سامنے بے شمار گرانقدر اصول بیکر آئے ہیں اس نے انسانوں کا ایک ایسا گردہ تیار کر دیا جس کا احساس اعلیٰ انسانی اخلاقیات پر قائم تھا اور اس عقیدے پر قائم تھی جو کائنات کے فرمانے والے اپنی بشری مخلوق کیلئے انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام بنا کر بھیجا ہے اور اس میں ہر چیز کی وضاحت کر دی جس کی انسانوں کو اس جہاں میں ضرورت لاحق ہو سکتی ہے اور ان اعمال کا نقشہ پیش کیا جو آخرت کی زندگی میں سلامتی و نجات کا ضامن ہو سکتے ہیں۔ اسلام کا پیغام امن و اخوت، دشمن، دوست اپنے پرانے سبب کیلئے

ہے۔ کسی قوم کی دشمنی نہیں اس سے بے انسانی پر آمادہ نہ کر دے عدل کو ملحد سے نہ جانے دو کہ وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ ۱۷۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

رسول اکرمؐ کا پیغام

امن و اخوت کا عالمی نظم

سید اسعد گیلانی، لاہور

رسول اکرمؐ کے پیغام کا نتیجہ امن و اخوت کی بنیاد پر ایک عالمی معاشرے کی تشکیل ہے۔
چنانچہ اسلام کی صورت میں جو نظریاتی اصول حضورؐ نے پیش فرمائے۔ ان اصولوں کے
نفاذ کا عملی نتیجہ ایک عالمی معاشرے کا قیام ہے۔

دنیا نے ایک طویل مدت اس طرح گزاری کہ خطہٴ ارض پر انسانی آبادی بہت قلیل،
خشتر اور دور دراز تھی اور آمد و رفت کے ذرائع ریل و سائل بہت قلیل اور سست رو
تھے۔ نتیجہٴ انسانی آبادیوں کے دور دراز کے علاقائی معاشروں کا باہمی میل جول اور ربط و ضبط
بہت کم تھا اور کسی ایک دین یا تصور زندگی کا عالمگیر امکان ناممکن اور ناقابل عمل تھا۔ اس لئے
ان کی بہت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے جدا جدا معاشروں میں ہی انبیاء اکرام مبعوث
ہوتے رہے اور خلق خدا کی ہدایت و رہنمائی اور خدا کی طرف سے انہیں صراطِ مستقیم سے
آگاہ کرنے کا اہتمام ہر انسانی معاشرے کیلئے جدا گانہ انداز پر سوتا رہا۔ کسی انسانی
آبادی میں حضرت لوطؑ آئے تو کسی میں ہودؑ آئے۔ کسی میں شعیبؑ آئے اور کسی
میں یونسؑ، ادریسؑ، ایوبؑ اور داؤدؑ آئے اور کوئی انسانی بستی ایسی نہ رہی
جس میں کوئی نہ کوئی صحیح راہ دکھانے اور پیغامِ حق پہنچانے والا خدا کا فرستادہ ہادی نہ
آیا ہو۔ دیکھی قوم ہار اور ہر قسم کے لئے ایک ہادی ہے۔

انسانی معاشرے اور ہدایت ربانی

اس اصول پر ہر انسانی معاشرے کو راہِ حق سے آگاہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام اور لدنی ارسال کئے جاتے رہے۔ ان کے اصولِ زندگی اور بنیادی عقائد تو ایک ہی تھے تو حید رسالت اور آخرت لیکن روزِ مرہ کی زندگی میں نافذ کئے جانے والے قواعد و ضوابط اور شریعت و قوانین ان کے معاشرتی تہذیبی اور جداگانہ جغرافیائی حالات کی نسبت سے جدا جدا تھے اور یہی فطرت کا ندیکھی تقاضا تھا۔

یہاں تک کہ حیاتِ انسانی نے کرہٴ ارض پر ایک طویل قیام کے نتیجے میں اپنی انفرادی اور اجتماعی عادات تہذیبی اور تمدنی تجربات سیاسی و معاشی حالات، طبعی و ماطبعی اصول اقتصاد اور نظریاتی افکار و خیالات کی روشنی میں اتنی پختگی حاصل کر لی کہ نوعِ انسانی کی یکساں اور مشترک قدیں سرکہیں نمایاں اور معروف ہو گئیں۔ انسان زمین پر اپنی آباد کاری کے شدید محنت و مشقت کے دور سے آگے نکل آیا اور اس پر فراخی اور کشادگی نمایاں ہونے لگی۔ دوسری طرف ذرائع رسل و رسائل نے اتنی ترقی کر لی کہ بری اور بحری راستے تیز رفتار سوار یوں کے لئے آسان اور سہل الحصول ہو گئے اور انسان کیلئے فکری اور فطری طور پر انفرادی اور اجتماعی دائرہ میں اپنے معاشرتی تمدنی اور جغرافیائی حالات کے فرق کو لباس و خوراک و معمولات کے اندر ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ممکن ہو گیا کہ باہمی امن و اخوت کی فضا میں ایک عالمی انسانی برادری کی حقیقت سے رہ سکیں۔

اسلام آخری ہدایت ربانی

جب یہ حالات پیدا ہو گئے اور انسان اپنے دورِ ظلمت و مشقت سے نکل آیا تو اسلام آخری پیغام رسول اکرم کی معرفت بنی نوعِ انسان تک پہنچا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک نوع کے لئے ایک ہی نوعیت کا پیغام ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسول کریم رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے اور آپ نے اپنے آغازِ دعوت کی رعایت سے اپنی مادری زبان عربی میں ہی دعوتِ اسلامی کا آغاز کیا لیکن فی الحقیقت آپ کی دعوت کے بنیادی اصولوں کی رعایت سے آپ نے پوری انسانیت کو مخاطب کیا اور پوری بنی نوعِ انسان کے سامنے اپنی اسلامی دعوت

کہی وما اوسلنت الا رحمة للعلمین (الانبیاء - - - - ۱۰۷)

اور اے محمدؐ ہم نے تم کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ۔

اور چونکہ رسول اکرمؐ کے ذریعے ساری بنی نوع انسان کیلئے خدا کا کامل اور ابدی پیغام آگیا تھا اس لئے فطری طور پر اسے آخری پیغام خدا ہی رہنا چاہیے تھا ۔ چونکہ خدا کی آخری ہدایت جس پر عمل کر بنی نوع انسان سلامتی کا راستہ پاسکتی تھی وہ رسول اکرمؐ کی دعوت کی صورت میں بنی نوع انسان کے حوالے کر دیا گیا تھا اور پھر فرما دیا گیا تھا کہ ۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم

الاسلام ديناً (القرآن) ۔

” آج ہم نے تمہارے لئے اپنا دین مکمل کر دیا اور تمہارے لئے اپنی نعمت کامل کر دی اور تمہارے

لئے اپنا دین اسلام پسند کر لیا ۔ “

اس لئے حضورؐ کے ذریعے خدا نے بنی نوع انسان کو یہ اطلاع بھی دے دی کہ اللہ کی طرف سے بنی نوع انسان کا ہدایت یافتگی کا حق ادا کر دیا گیا تھا چنانچہ اس پیغام کو لانے والا نبی بھی آخری نبی کہلایا جس کے بعد انسانیت کو کسی مزید نبی کی ضرورت نہ تھی ۔

ما كان محمد اباً احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين

وكان الله بكل شيء عليماً (الاحزاب - ۴۰)

ترجمہ : محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے ۔

مزید فرمایا گیا :

وما اوسلنت الا كافة للناس بشيراً ونذيراً ولكن اكثر الناس

لا يعلمون (سبا - ۲۸)

اے نبی ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے ۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ۔

اور دعوت اسلامی کی آخری کتاب قرآن کیلئے فرمایا گیا ۔ ان هو الا ذكرو للعالمين

” بے شک یہ دعوت سارے جہاں کیلئے ہے ۔ “

ظاہر ہے کہ عالمی دعوت، کے دو ہی بنیادی تقاضے ہو سکتے ہیں ایک امن اور دوسرا

باہمی اخوت، امن کے بغیر دعوت پھیل نہیں سکتی اور اخوت کے بغیر مضبوط پایدار اور مستحکم نہیں ہو سکتی۔
اس لئے امن اور اخوت اسلام کے دو بنیادی اصول اور ستون ہیں۔

امن و سلامتی

امن و سلامتی کا مفہوم تو خود لفظ اسلام میں پوشیدہ ہے۔ اسلام کے نظریات کی مزاجی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امن پیدا کرتا اور سلامتی کی فضا بناتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کے درمیان باہمی تعارف، وث اسائی کا اولین لفظ "السلام علیکم" مقرر کیا ہے جس کے ذریعے ایک شخص دوسرے کو سلامتی و رحمت کا پیغام دیتا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں یہی بات دہراتا ہے کہ ہاں تم پر بھی سلامتی و رحمت ہو۔ گویا اس نظریہ کے ماننے والوں کے درمیان ملاقات، کاروبار، کلمہ بھی دعائے سلامتی و رحمت پر مشتمل ہے۔ یہ دعائے سلامتی و رحمت فی الحقیقت ایک ایسی اخوت و برادری وجود میں لاتی ہے جس میں گہرا خلوص و محبت اور قلبی تعلق ہوتا ہے۔
اسلام کی دعوت قبولیت کے نتیجے میں جب امن قائم ہو جائے تو پھر یہ طرز عمل مقرر کیا گیا ہے کہ:-

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها (اعراف - ۳۲)

"کسی سرزمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد پھر بد امنی پیدا نہ کرو"

حضور اکرمؐ نے اپنے خطبہ حجة الوداع میں فرمایا تھا:-

"لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے وہ

آج کے دن اس شہر میں اور اس مہینے میں حرام ہیں۔"

اس ارشاد کے ذریعے حضور اکرمؐ نے پرامن بقائے باہمی کا اصول پیش فرمایا ہے اور

"جیو اور جینے دو" کے بنیادی حق کو تحفظ دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا!

"میں زمانہ جاہلیت کے تمام خون (خون کے بدلتے) آج شارب ہوں اور سب سے

پہلے میں اپنے خاندان میں سے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔"

یہ حقیقت ہے کہ رسول اکرمؐ پیغمبر امن و سلامتی تھے جب دنیا میں فتنہ و فساد کی اندھیری گھاٹوں میں افقِ عالم پر کوئی ستارہ امید نظر نہ آتا تھا۔ ظلم و طغیان کی ہولناک

موجود میں انسانیت کی کشتی چکولے کھا رہی تھی۔ یابوسی اور زنا امیدی کے جھکڑوں میں بنی نوع انسان کے چمن آرزو کی کلیاں بکھرتی جا رہی تھیں تو حضور اکرمؐ انسانیت کیلئے رحمت کا سایہ، امن کا بادل اور سلامتی کا پھیرا بن کر نمودار ہوئے۔

ایران میں دینِ مزدکی نے معاشرے میں صنفی انارکی پھیلا رکھی تھی، یونان و یورپ میں غلاموں کو حقِ زندگی سے بھی محروم شمار کیا جاتا تھا۔ سندھستان نے ذات پات کی تقسیم سے انسانیت کو بے آبرو کر رکھا تھا۔ ارضِ فلسطین میں یہودیوں نے اپنے آپ کو خدا کے ”لاڈلے“ قرار دیکر باقی ساری دنیا کو انسانیت کے درجہ دوم پر رکھا ہوا تھا۔ اور عرب بت پرستی کی پستی اور جنگ و جدال کی آگ میں جل رہے تھے اسوقت حضور اکرمؐ نے امن و سلامتی کے دین اسلام کی رسوت کا آغاز کیا اور باہمی خون کے پیاسوں کو بھائی بھائی اور جنگ و جدال سے جلتے ہوئے خطہٴ عرب کو امن و امان کا گہوارا بنادیا۔ جہاں لوگ عین احاطہٴ حرم میں اچک لیٹے جاتے تھے وہاں حضورؐ نے امن و امان کا یہ نقشہ دکھایا کہ ایک عورت یمن سے تن تنہا زیورہوں سے لدی پھنڈی چلتی اور حرم تک پہنچ جاتی تھی لیکن اسے کسی ڈاکو، لیٹرسے، زہر یا بہ کردار انسان کا ڈر نہ ہوتا تھا۔

غزوہٴ خیبر کے موقع پر رسول اکرمؐ نے جب حضرت علیؑ کو علم عطا فرمایا تو حضرت علیؑ نے اس موقع پر کہا۔

”یا رسول اللہؐ میں ان لوگوں سے یہاں تک لڑوں گا کہ وہ ہماری طرح مسلمان ہو جائیں۔ اس پر رسولؐ اکرمؐ نے فرمایا:

”نہیں، اے علیؑ، تم ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو ان امور سے آگاہ کرو جو ان پر واجب ہیں خدا کی قسم اگر ایک آدمی بھی تمہاری کوشش سے راہِ راست پر آجائے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا۔“ (بخاری)

اور حضورؐ نے لڑنے والوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ:

”جب تم سے کوئی لڑ رہا ہو تو اس کے چہرے پر وار کرنے سے اجتناب کرے“ (بخاری)

سورۃ مائدہ میں دشمنوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

”اس قوم کی دشمنی جو تم کو مسجدِ حرام سے روکتی ہے اس کا باعث نہ بنے۔“

کہ تم زیادتی کرنے لگو۔ آپس میں نیک کاموں اور پرہیزگاری میں مدد کرو۔
سورۃ شوریٰ میں ہدایت دی گئی۔

”برائی کا بدلہ برائی بس اس کے برابر ہے پھر جو معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا اللہ کے پاس ثواب ہے۔ زیادتی کرنے والے اللہ کو پسند نہیں ہیں۔“
سورۃ حلم سجدہ میں کتنی دل نشین بات فرمائی گئی۔

”نیکی اور بدی برابر نہیں۔ بدلہ میں ایسی بات کہو جو اس سے بہتر ہو پھر دیکھو گے کہ جس سے دشمنی مٹتی وہ گہری قرابت والا ہو جائے گا لیکن یہ بات انہی کو ملتی ہے جو صبر و تحمل والے ہیں۔“

آل عمران میں فرمایا!

”اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک یہ عزیمت کی بات ہے“
حدیث سے کہ دشمنوں کے خلاف لشکر روانہ کرتے ہوئے بھی امن و سلامتی پر مبنی ہدایت دی گئی جو شاید دنیا کے کسی کانڈر نے کبھی نہ دی ہوں گی۔

خلیفہ رسول (حضرت ابو بکر صدیق) نے لشکر روانہ کرتے ہوئے حضرت اسامہؓ کو نصیحت کی۔

”دیکھو خیانت نہ کرنا، دھوکہ نہ دینا، مال نہ چھپانا، کسی کے اعضاء نہ کاٹنا اور ٹھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ جلانا پھل والے درخت نہ کاٹنا اور کھانے کی حقیقی ضرورت کے سوا کسی بکری گائے یا اونٹ کو نہ کاٹنا، جو لوگ خالق ہوں میں بیٹھے ہوں ان سے تعرض نہ کرنا۔“

اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا!

”اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کیلئے۔“

سورۃ بقرہ میں فرمایا گیا!

”اور اے ارباب عقل۔ قصاص میں بڑی زندگی ہے“

اسلام نے امن و امان کو تباہ کرنے والے عناصر کی سرکوبی کا بھرپور انتظام فرمایا، سورہ مائدہ میں ڈاکوئل اور لیٹروں کے بارے میں فرمایا۔

”وہ لوگ جو ملک میں فساد پھیلاتے اور خدا و رسول سے رستے ہیں ان کی سزا یہ

ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا جلا وطن کر دیئے جائیں ۔

چوروں کے بارے میں رسول اکرمؐ نے فرمایا :
 ”چوروں کا سکون حرام کر دیتا ہے ۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ۔“
 ہجرت کے بعد حضور اکرمؐ نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ یتیم خانہ کا معاہدہ تھا جو اس
 دامن کے یتیم کی خاطر جملہ قبائل و اقوام سے بین الاقوامی اصول امن و سلامتی کے تحت کیا
 گیا تھا ۔ یہ معاہدہ بعد میں ایک مثالی اسلامی ریاست کیلئے پہلا ماڈل دستور ثابت ہوا اور وہ
 دنیا میں سب سے پہلا تحریری دستور کہلا یا ۔

رسول اکرمؐ نے اسلام کے ذریعے امن و سلامتی کی راہیں مستحکم اور کشادہ کیں خود فتح مکہ
 کے موقع پر رسول اکرمؐ کا طرز عمل امن و سلامتی کی ایک منفرد مثال ہے ۔ اپنے جان
 کے دشمنوں کو جنہوں نے حضور اکرمؐ کو ۲۱ سال تک سخت ترین جان لیوا آزمائشوں سے
 دوچار رکھا تھا جو ان کے دار الحجرت پر بار بار حملہ آور ہوتے رہے تھے اور مختلف تدابیر سے
 آپؐ پر قاتلانہ حملے کر کے آپؐ کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے جب ان پر حضور اکرمؐ
 کو غلبہ حاصل ہوا تو آپؐ نے لا تترب علیکم الیوم و انتسم الطلقاء
 فرما کر سب کو معاف کر دیا حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کی رحمت و محبت اور امن و سلامتی
 کے بارے میں آپؐ کے دشمن بھی مکمل اطمینان رکھتے تھے ۔ چنانچہ جب حضور اکرمؐ نے فتح
 مکہ کے بعد اپنے بدترین دشمنوں کو اپنے سامنے سر جھکا کر شکست خوردہ دیکھا تو آپؐ نے
 ان سے پوچھا !

”تم اب مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو ؟“

انہوں نے کہا ! ”آپ کریم بھائی ہیں اور ہم آپ سے رحم و کرم کے سلوک کی توقع کرتے
 ہیں گو یاد دشمنوں کو بھی حضور اکرمؐ کے اخلاقِ عالیہ سے بہترین توقعات تھیں اور یہ توقعات
 غلط بھی نہیں تھیں اس لئے کہ دوسرے ہی لمحہ حضور اکرمؐ نے فرما دیا تھا کہ جو بات بوسف نے
 اپنے بھائیوں سے کہی تھی میں بھی وہی بات تم سے کہتا ہوں ۔“

”آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے تم آزاد کیئے جاتے ہو اور تم حالت امن

میں ہو ۔“

یہ تھا اسلام کی امن و سلامتی پر مبنی تعلیمات کا نمونہ جو حضور اکرمؐ نے پیش فرمایا اور یہ واحد نمونہ نہیں ہے بلکہ قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ کے صفحات ایسی تعلیمات اور کردار سے بھرے پڑے ہیں۔

اخوت و محبت

اسلام کی تعلیمات اور رسول اکرمؐ کے عالمگیر پیغام کا دوسرا جزو وہ اخوت و محبت ہے جو آپؐ نے تمام مسلمانوں میں قائم فرمائی۔
قرآن نے فرمایا!

انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لعلمکم
ترحمون۔ (الحجرات - ۲۰)

ترجمہ: مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اللہ سے ڈرو، اسیدے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔
اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم ہو جاتی ہے۔ اسی کی برکت ہے کہ کسی دوسرے دین یا مسلک کے پیروؤں میں وہ اخوت نہیں پاٹی جاتی جو مسلمانوں کے درمیان پاٹی جاتی ہے۔

رسول اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں جو مسلمان کو ہدایات دیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی تھی۔
”یہ کہ نماز قائم کروں گا۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا“ تیسرے یہ کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔ (بخاری)۔

چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا!

”مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر۔۔۔ (بخاری)“

حضرت ابو حریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا!

”ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان و مال اور عزت حرام ہے۔ (مسلم کتاب البسر)“
حضرت ابوسمیدہ خدریؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا!

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی
 ”ذلیل نہیں کرتا، ایک آدمی کیلئے یہی شریعت کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی
 کی تحقیر کرے۔۔۔۔۔“ (مسند احمد)

ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا!
 ”مومن کی مثل آپس میں محبت و بستگی اور رحم و شفقت کے معاملے میں ایسی ہے جیسے
 ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہو تو سارا جسم اس پر
 بخار اور بیخوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)“

ایک اور حدیث میں فرمایا!
 ”مومن ایک دوسرے کیلئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے
 سے تقویت پاتا ہے۔“ (بخاری کتاب الادب)

آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں فرمایا گیا۔

”تم سب مل کر اللہ کی رسی (ہدایت) کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا
 اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے
 دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔“

چنانچہ قرآن کے احکامات کو نافذ کرتے ہوئے حضور اکرمؐ نے یہ اسوہ حسنہ پیش
 فرمایا کہ مسلمانوں کو باہمی سمجھداری، محبت، خیر خواہی اخوت اور بھائی چارے کا تلقین کیا۔
 آپؐ نے ارشاد فرمایا!

”مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس کو برابری سے
 پہچانتا ہے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔“ (ابوہریرہ مشکوٰۃ)

حضورؐ نے فرمایا!

”تو اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم“

ایک آدمی نے پوچھا،

”مظلوم ہونے کی صورت میں تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن ظالم ہونے کی صورت
 میں اس کی کس طرح مدد کروں“

آپؐ نے فرمایا!

”تو اسے ظلم سے روک دے، یہی اس کی مدد ہے۔“

اپنے نے مزید فرمایا!

”جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔“

(مسلم)

مزید فرمایا!

”جو شخص مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی

فرمائے گا۔“

حضور نے فرمایا!

”اپنے بھائی کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔“

حضور نے فرمایا!

”اپنے آپ کو بگمائیوں سے بچاؤ، بگمائی کے ساتھ سب سے زیادہ جھوٹی بات

ہی ہوگی“ (بخاری مسلم، ابوسریعہ)

”فرمایا! اللہ کے بندے بنو اور آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔“

حضور نے فرمایا!

”جو لوگ اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے پیچھے پڑیں گے تو اللہ ان کے عیب کے

پیچھے پڑ جائے گا اور اسے رسوا کر ڈالے گا۔“ (ترمذی، ابن عمر)

حضور نے فرمایا!

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ جب مسلمان بھائی ملے تو اسے

سلام کرے، جب وہ دعوت دے تو اسے قبول کرے، اس کی خیر خواہی کرے۔

بیماری میں اس کی عیادت کرے اور مرنے پر اس کے جنازے میں جائے۔“ (بخاری)

حضور نے فرمایا!

”آدمی کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ قطع

تعلق رکھے اور بہتر وہ ہے جو اسلام میں پہل کرے“ (بخاری ابویوب انصاری)۔

حضور نے مزید فرمایا!

”اچھی سیرت کے مسلمان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس کو معاف کر دو سوائے حدود

(ابوداؤد — حضرت عائشہ)

کے ۔

مزید فرمایا !

”ہمیں حد سے بچو“ حد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ۔“

رسول اکرمؐ نے اسلامی اخوت کو پائیدار بنیادوں پر قائم کرنے کا مؤثر اہتمام فرمایا ۔ اور مسلمانوں کے ذہن نشین کیا گیا کہ وہ نسلی اور نسلیتی بھائیوں سے بڑھ کر ایک دوسرے کے نظر مافی بھائیتھے اور ان کے درمیان دنیا و آخرت دونوں کی رفاقت و اخوت تھی ۔

قرآن نے فرمایا !

”دیکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہمی بھائی ہیں۔“

حضورؐ نے فرمایا !

”جس کو مسلمانوں کے مسائل کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں اور جو مسلمانوں کا خیر خواہ مخلص اور وفادار نہ ہو وہ مسلمانوں میں سے نہیں۔“ (طبرانی)

حضورؐ نے تبیین فرمائی کہ

”جس کسی نے کسی مسلمان کو بدنام کرتے اور کرانے کیلئے اس پر جھوٹا الزام لگایا، اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر قید کر دیگا جب تک وہ الزام کی گندگی سے پاک نہ ہو جائے۔“

(سنن ابی داؤد)

حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ !

”جس بندے نے اپنے کسی مسلم بھائی کے خلاف کی جانہوالی غیبت اور بدگوئی کی اس کی تعمیر موجودگی میں مدافعت اور جواب دہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ آتش روزج سے اس کو آزاد کی بخش دے۔“ (رشد ایمان بہیقی)

اسلام میں اس اخوت کا اتنا اقسام ہے کہ اگر ایک مسلمان کسی مخالف قوم سے کوئی معاہدہ کر لیتا ہے تو پوری مسلمان قوم اس کی پابندی کرتی ہے ۔ اگر ایک مسلمان کسی مخالف قوم کے ملک میں چلا جاتا ہے تو پوری قوم اس کی خیر و عافیت کیلئے دعا گو ہوتی ہے ۔ اور اگر اس کے ساتھ کہیں زیادتی ہو جاتی ہے تو پوری قوم اس کا دکھ درد اور تڑپ اپنے سینے میں محسوس کرتی ہے ۔

رسول اکرمؐ کی تعلیم و تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ کسی مسلمان کی غربت قیمی، بیوگی اور سبکدوشی میں اس کی حفاظت اور مدد پوری قوم کرتی تھی اور ہر مسلمان اسے اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا کہ اس دکھ کو دور کرنے میں اپنا حصہ ادا کرے۔ ہمسایہ اگر بھوکا رہ جائے تو مسلم ہمسائے کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو جاتا کہ اس کی موجودگی میں اس کا ہمسایہ بھوکا کیسے رہ گیا۔ غرض اخوت و محبت کی بیش بہا مثالیں اسلامی معاشرے کی تاریخ اور کردار میں موجود ہیں اور اپنے بھائیوں کیلئے اس قدر سحر واد اور غمگسار معاشرہ روئے زمین پر دوسرا کوئی نہ ہوگا۔

اسلامی معاشرے کی فضا برادرانہ اخوت کے مطابق بنائے کیلئے حضور اکرمؐ نے بیش بہا تعلیمات کے ذریعے اس کی تربیت کی اور اخلاقِ فاضلہ کو پیدا کرنے اور اخلاقِ ردیلہ کو ختم کرنے کیلئے بہترین سامانِ تعلیم و تربیت فراہم کیا۔

آپؐ نے فرمایا!

”خبردار بدگمانی کو علوت نہ بناؤ، بدگمانی میں جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ بے بنیاد باتوں پر کان نہ لگاؤ۔ دوسروں کے عیب نہ تلاش کرو، آپس میں بغض نہ رکھو۔ کسی سے منہ نہ پھیرو، اللہ کے بند آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔“ (بخاری ابوہریرہ)

آپؐ نے فرمایا!

”اسیروں کو رات بھر دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ“

اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد مہاجرین کریمینہ منورہ میں آگئی تو حضور اکرمؐ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کرائی جس کے نتیجے میں انصار مہاجرین کی اپنے سگے بھائیوں سے بڑھ کر خدمت گزاری کی اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی کے ہر گھر گھر نے اُچڑے ہوئے مہاجرین کا بوجھ اٹھالیا جس کے نتیجے میں اتنی بڑی مصیبت جو معاشی، سیاسی اور معاشرتی پیچیدگیاں پیدا کرنے والی تھی مل بانٹ کر سب نے اپنے سر پر اٹھالی اور بے شمار اکھڑے ہوئے خاندانوں کا مسئلہ نہایت آسانی سے حل ہو گیا۔ اخوت و محبت کے اس رشتے کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلم معاشرہ جو ابھی نیا نیا ————— وجود میں آیا تھا اس قابل ہو گیا کہ آنے والے برسوں میں دشمنوں کے زخموں میں زخموں کے باوجود نہ صرف اپنی ہستی کو قائم رکھ سکے بلکہ آگے بڑھے کر کفر کی لیگار کے آگے بندھ باندھ کر اسلام کے سیلاب سے ساری بستیوں

کو جل تھل کر دے اور پھر اس پیغام حق کو لیکر اٹھے اور دنیا کے دوسرے معاشرہ پر سراج
کی روشنی مہتاب کی چاندنی اور بارش کی پھوار بن کر چھا جائے۔

اخوت اور بھائی چارہ اسلامی معاشرے کی روح ہے۔ اسی سے اس میں پیوستگی
مضبوطی، استحکام اور شیرینی ہے۔ اسی اخوت کا نتیجہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے
مسلمان کا فطری طور پر سمجھو، بھی خواہ اور خیر اندیش ہو سوتا ہے۔ ابوالریس خولانی بیان
کرتے ہیں کہ میں جامع دمشق میں داخل ہوا تو ایک خوبصورت نوجوان کے گرد لوگ
جمع تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ صحابی رسول حضرت ساد بن جبل ہیں۔ میں اشتیاق کے
ساتھ ان کی مجلس میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور ان سے کہا۔

”خدا کی قسم میں خدا کی خاطر آپ سے محبت رکھتا ہوں“ انہوں نے میری چادر کا کونہ پکڑ
کر مجھے اپنی طرف گھسیٹا اور بار بار دھرایا، کیا خدا کی خاطر۔۔۔ کیا خدا
کی خاطر اور پھر کہنے لگا۔۔۔ خوشخبری حاصل کرو۔ میں نے رسول اکرمؐ
سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے سے محبت
کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہیں میرے لئے ایک دوسرے
سے ملاقات کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں ان
سے محبت کرنا میرے لئے واجب ہے“ (موطأ)

اسی مومنین کو باہمی حسن خلق اور محبت و اخوت کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت
ابوالدرداء سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا!

”قیامت کے دن حسن خلق سے بڑھ کر مومن کے میدان میں اور کوئی چیز وزنی نہ
ہوگی“ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سائے میں
جن سات آدمیوں کا ذکر رسول اکرمؐ نے فرمایا ان میں وہ دو آدمی بھی ہیں جنہوں نے اللہ
کیلئے آپس میں محبت کی اس پر جمع ہوئے اور اسی پر الگ ہوئے۔

یہ وہ تعلیمات ہیں جو رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کو امن و سلامتی اور اخوت و
محبت کے بارے میں دی ہیں یہ تعلیمات کسی خاص گروہ اور علاقے تک محدود نہیں
ہیں ظاہر ہے کہ امن و سلامتی اور اخوت و محبت کی فضا کا بنی نوع انسان میں
سے ہر فرد اور ہر معاشرہ طالب ہے اور ان تعلیمات کا مخاطب اور دائرہ بین الاقوامی،

اور بین الاقوامی ہے ان تعلیمات سے ایک ایسی سوسائٹی وجود میں آتی ہے جن کے درمیان نزاعات کو بجائے حق شناسی، تصادم کی بجائے مفاہمت، مرافقت اور کشمکش کی بجائے تعاون و اشتراک پایا جاتا ہے۔

امن و اخوت کی حامل ایک بین الاقوامی سوسائٹی کو وجود میں لانے کیلئے اسلام نے اپنی بنیادی تعلیمات اور عقائد بھی ایسے مقرر کیے ہیں جن کا نسل، رنگ، زبان، علاقے یا جغرافیائی تقسیم سے کوئی تعلق نہیں ہے ان تعلیمات کا مخاطب عالمی معاشرے کا ہر انسان ہے۔

رسول اکرمؐ نے وحدت اللہ کا تصور دیکر انسان کو علاقائی محدودیتوں سے بلند کر دیا ہے اور مطاہر فطرت کی غلامی اور نفس پرستی سے نجات دلا دی ہے۔ حضورؐ نے ختم رسالت کا تصور دیکر پوری بنی نوع انسان کو ایک عالمی قیادت و رہنمائی و ہدایت کے سرچشمے کی طرف یکسو کر دیا ہے۔ حضورؐ نے ایک والدین سے سارے بنی نوع انسان کے وجود میں آنے کی خبر دے کر ایک عالمی بھائی چارے اور برادری کی بنیاد رکھ دی ہے حضورؐ نے پوری انسانیت کیلئے یکساں انجام اور متعین اقدار کی بناء پر مسئولیت اور جوابدہی کا تصور بیان کر کے پوری انسانیت کو یکسو اور عمل و کردار کی یکسانی و یکسوئی عطا کی ہے۔ حضورؐ نے حقوق و جدوجہد اور نسل و خون میں بنی نوع انسان میں صراحتاً مساوات کا تصور دے کر طبقاتی نسلی علاقائی اور لسانی تفرقات کا قلع قمع کر دیا ہے۔ تمام انسانوں کو عدل و انصاف کا یکساں استحقاق دے کر حضور اکرمؐ نے تمام امتیازات مٹا دیے ہیں اور خدائی قوانین کا تصور دے کر تمام انسانوں کے لئے یکساں ضابطہ حیات عدل و انصاف اور مساوات کے موقع پیدا کر دیے ہیں۔

ان بنیادی عقائد کے ذریعے ایک ایسی عالمگیر ریاست کی بنیاد رکھی جاتی ہے جس کے دائرے میں تمام انسان ایک عالمی ریاست کے عالمی باشندے قرار پاتے ہیں جن کے حقوق مساوی اور فرائض یکساں ہیں۔ ایسی ہی ریاست ہے جو عالمی اخوت و محبت کی بنیاد پر ایک عالمی معاشرہ تشکیل کرتی اور عالمی امن کی ضمانت دے سکتی ہے۔

حضور اکرمؐ نے اپنی دعوت اسلامی کے ذریعے امن و اخوت و محبت اور
 بھائی چارے پر مبنی ایک عالمی معاشرہ کی بنیاد رکھی ہے اسی سمت کی طرف
 اسلام انسان کو لے کر چلتا ہے اور اسی منزل کی طرف تدریجاً دنیا رواں
 دواں ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہادی امن و اخوت صلی اللہ علیہ وسلم

سید اسماعیل رضا فیح ترمذی
(ہری پور شہر)

محمد مصطفیٰ آئے جہاں میں زندگی لے کر
مساوت و اخوت اور صلح و آشتی لے کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ دنیا میں ظلم کا سکہ رائج تھا۔ جنگل کا قانون نافذ تھا۔ حیوانیت سے بھی گری ہوئی تہذیب انسانیت کی علامت بن چکی تھی۔ ہرزور اور کمزور کے گلے پر پھری چلا رہا تھا۔ ہر لمبے باز والا خمیدہ پشت میں چھرا گھونپ رہا تھا۔ مظلوم کی آنکھیں ٹوٹتے دم کے ساتھ آسمان کو حسرت سے تکیں اور ستم زدہ روہیں پرواز کر کے احکم الحاکمین کی حالت میں فریاد کرتی تھیں۔ دنیا تباہی سے دوچار، سفارت کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ انسانیت فنا ہو رہی تھی۔ استحصال کا دور دورہ تھا، اخلاق ناپید، ستم و جانیت مرچکی تھی۔ معاشرہ گندگی کا ڈھیر تھا، زندگی غلیظ اور فضا سے عالم متعفن تھی۔ ظلم کی ظلمت چھائی تھی۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا اور آدمی آدمی کے گوشت کا بھوکا تھا انسانوں پر بھوکے درندے چھوڑ کر انسان کی بے بسی و مجبوری کا تماشا، ہمیت کا بے دردی اور زندگی سے انسانیت کو پیر بھاڑنے کا منظر ان کی دل پسند تفریح اور خون آلود انسانیت کی ٹھپ سے خوش ہوا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔

ہر عمل کا رد عمل ہوتا ہے۔ گندم از گندم بروید جواز جو کے اصول کے مطابق سربراہی کا نتیجہ بھی برا ہوتا ہے۔ اسی لئے خرد مندوں کا کہنا ہے، 'از مکافات عمل غافل مشو' پس

جب انسان اللہ تعالیٰ سے بغاوت کر کے تجتر کا نوگر، طبقاتی تفوق کا عادی اور معائنہ کرتی تفاوت سے ملوث ہوتا ہے تو اس غارت ہوتا ہے۔ طبقاتی اونچ نیچ اور باہم منافرت عروج پاتی ہے۔ یہ سب کچھ نظام فطرت سے روگردانی کا رد عمل ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

فطرۃ اللہ الّٰتی فطر الناس
علیہا ط لا تبدل لخلق
اللہ ذالک الدین القیوم

(۲۱ روم ۳۰)

میں نے قرآن مجید کا حوالہ ثبوت میں اس لئے پیش کیا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ صحیح والہامی کتاب دوسری کوئی نہیں۔ جس کی رو سے معلوم ہوا کہ یہ نوا میں فطرت ایسے غیر متبدل اصول ہیں جو زمان و مکان کی قیود و حدود سے آزاد ہیں اور افراد و قوم کی زندگیوں میں شعوری یا لاشعوری، اختیاری یا اجباری کسی نہ کسی شکل میں ضرور کارفرما ہوتے ہیں۔ عالم الامکان کہ عالم امر ہے جبراً قانون فطرت (احکام الہی) کے تابع ہے اور کسی طرح بھی اس سے آزاد نہیں نہ یہاں والے احکام الہی سے گریز کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسا کہ

علیہا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اٰمرا ما امرہ
”اس (دوزخ) پر سخت کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کا حکم نہیں مانتے اور انہیں جو حکم ہو دسی کرتے ہیں پٹ التحیرم ۶) سے ظاہر ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

لا یشیقونہ بالقول وہو امرہ
بائے میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور

یعملون ہ (پ ۱۴ الانبیاء ۱۴) اسی کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔

ایسے ہی کائنات (عالم کون و مکان) بذاتہ قانون فطرت کی پابند ہے اور قانون قدرت سے سترابی کی جرأت نہیں کر سکتی ارشاد فرمایا:

ثم استوی الی السماء وہی
وہاں فقال لہما وللارض
انتیا طوعا او کرہا ط قالتا
اتینا طالعین ہ

پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے یا ناخوشی سے ان دونوں نے عرض کیا ہم طاعت کے ساتھ حاضر ہوئے۔

ب ۲۴ حم السجدة

اور کائنات میں انس و جن کے علاوہ جو کچھ ہے سب ہی احکام الہی کے سامنے تسلیم خیم کئے ہوئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ اسْلُومٌ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَالْمِيه
مِيْرَجَعُوْنَ (پ ۱۲ عمران: ۸۳)
اور اسی کے حضور سر جھکائے ہوئے ہے جو
آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے اور
مجبوری سے اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔
سورہ رعد میں ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا
(پ ۱۳ الرعد: ۱۵)
اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جنہے آسمانوں
اور زمین میں ہیں خوشی سے خواہ مجبوری
سے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے لزوم کو دوسرے حاضری ترقی یافتہ سائنس بھی تسلیم
کر چکی ہے لہذا اس بحث پر وقت ضائع کئے بغیر میں یہ عرض کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق
میں جن انس کو طاعت و نافرمانی میں کس حد تک مختار بنایا اور اس کو افرار و انکار کی طاقت عطا
فرمائی۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَقِفْ فَمَنْ شَاءَ
فَلْيُثْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ
اَنَا اَعْتَدُ نَارًا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَعْطِ
بِهِمْ سُلٰ دَقَمًا (پ ۱۵ الکہف: ۲۹)
اور کہہ دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے
تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے
ہم نے ظالموں کیلئے وہ آگ تیار کر رکھی ہے
جس کی دیواریں انہیں گھیر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ایک طرف مادہ کی کثافت کے ساتھ خاکساری
و تواضع عطا کی تو دوسری طرف اپنی طرف سے روح پھونک کر ملکوتیت سے نوازا۔ اللہ نے
انسان کو خصوصیت نیابت الہیہ کے اسلحہ سے لیس فرمایا۔ ایک ہاتھ میں وعلو ادم
الاسماء کلہا (اور ہم نے آدم کو تمام اسماء سکھائے۔ ب البقرہ: ۳۱)
کی مشعل اور دوسرے ہاتھ میں الست بریک و قالوا بلی (کیا میں تمہارا رب
نہیں، سب بولے کیوں نہیں۔ ب الاعراف: ۱۶۲) سے ایمان بالتوحید کا پرچم دے کر
تمام کائنات پر فوجیت بخشی، شیطان اس حسد کی وجہ سے انسان کا دشمن ہو گیا اور وہ
اس کو قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی پر اکسانے لگا۔ اگرچہ وہ اللہ کے مخلص بندوں پر قابو

نہیں پاتا پھر بھی وہ انسانوں کو مختلف انداز میں دھوکا دیتا ہے۔ دنیا کے نئے نئے حربے استعمال کرتا ہے۔ دلوں کو نوع بہ نوع خواہشات پر فریب امیدوں، ذہنوں کو طرح طرح کے خیالات اور نئے نئے جھوٹے وعدوں کے سبز باغ دکھا کر بہکا رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے دل کی بات یوں ظاہر کی گئی ہے۔

وقال الشیطان لما قضی الامر ان الله وعدک وعد الحق ووعدتک فاستجبتم لی فلا تلومونی ولوموا انفسکم ما انا بمصرحکم وما انتم بمصرحی ؕ انی کفرت بما اشکرکم من قبل ؕ ان الظالمین لھم عذاب الیم (پہلا سیم ۱۲۰)

اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جوڑا کیا اور تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میری مان لی تو اب مجھ پر الزام نہ رکھو اپنے اوپر الزام رکھو۔ نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں گا نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو گے وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بے زار ہوں بے شک ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

انسان جو اپنی روحانیت اور خلیفۃ اللہ ہونے کے سبب احسن تقویم ہے۔ مادی کفایت اور خباثت کی آلودگی کے سبب اس نفل السالین میں جاگرتا ہے اور اخوان الشیاطین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ البتہ انسانوں میں جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ شیطان کے فریب میں ذرا کم سی آتے ہیں۔

ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون ؕ و اخوانھم یبدونھم فی الغی ثم لا یقصرون ؕ

بے شک وہ جو ڈر رہے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی بھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ جو شیطان کے بھائی ہیں شیطان ان کو گمراہی میں

پہلا عرفان ۲۰۱/۲۰۲

کھینچتے ہیں پھر کمی نہیں کرتے۔ پس عام انسان، خاص طور پر اس مادی دور میں جب کہ روحانی اقدار کی حیثیت ختم

ہوتی جا رہی ہے۔ لذتوں کا رسیا معروفات و منکرات کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مادی ترقی کی چمکا چوند
میں چندھیایا ہوا دوڑے جا رہا ہے جو کسی طرح رحمان کی پیروی کہی جاسکتی ایسی ہی سوت غنیمت کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بزرگ کو ٹوکا۔

يَا بَتَّ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۚ
یعنی اے میرے باپ شیطان کی پرستش نہ کر بے
شک شیطان رحمن کا نافرمان ہے (پ ۱۴۲ یم ۴۴)
اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کسی دوسرے کا کہا کرنا بھی غیر اللہ کی عبادت ہے جس کی اسلام

اجازت نہیں دیتا۔

وَلَا يَتَّخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (پ ۱۴۱ عمران ۶۴)
اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے برابر
رب نہ بنائے۔

اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی خواہشات پر عمل کرنا بھی اللہ کی نافرمانی ہے مشرکین و کفار کی
ان سی خصلتوں کی اسلام نے تنقیص کی، وکذبوا وابتغوا أهواءهم وکل أمر
مستقر (پ ۲۴ القمر ۴) اور انہوں نے مجھلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام مبرا

پاچکا ہے۔

نفس کی تابعداری، خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی طرح پوچنا ہے جس کی قرآن میں اس طرح نشان
دہی کی گئی ہے۔

ارَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۚ (پ ۱۹ الفرقان ۳۷) کیا تم نے اسے دیکھا جس نے
اپنے جی کی خواہش کا اپنا خدا بنالیا۔ نفس کا منہ زور گھوڑا انسان کو اپنی پشت پر ہلاکت کی طرف
بھی لے جاتا ہے۔ اس لئے احکامات کی رگام لگا کر انسان کے ہاتھ میں دے دی مگر نفس پھر
بھی سرکشی کر کے انسان کو دوڑائے پھرتا ہے اور انسان رگام ڈھیلی چھوڑ کر دور پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے اسی سلسلہ میں حضرت داؤد کو وحی کی،

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَظْلُمُونَ عَنِ
اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ (نفس پرستی) تجھے اللہ
کی راہ سے بہکا دے گی بے شک وہ جو اللہ
کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب
ہے۔ اس پر کہ وہ حباب کے دن کو قبول
کر بیٹھے (ان کو منہ کا خوف نہیں رہا)۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَظْلُمُونَ عَنِ
سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ
بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ۚ
(پ ۱۳ - س ۲۶)

جیسا کہ کیفیت عام ہو جاتی ہے تو زمین پر فساد پیدا ہو جاتا ہے جو اللہ سے سرکشی و بغاوت کا رد عمل ہوتا ہے جس کو قرآن نے یوں واضح کیا ۔

ظہور الفساد فی البر والبر ما
کسبت ابدی الناس لیذیقہم
بعض الذی عملوا لہم
یرجعون (پ۱ الروم ۴۱)

خشکی ذری میں زعام روئے زمین پر (فساد پھوٹ
پڑا ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کی
ہیں تاکہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے
نتیجہ کہ وہ باز آجائیں ۔

نطرت کا قانون یہ ہے ۔

لو کان فیہما الہ الا اللہ
لفسدنا

اگر آسمانوں اور زمین میں دو معبود ہوتے تو نظام
کائنات میں ضرور فساد پڑ جاتا (پ۱ الانبیاء ۲۱)

یعنی ایک اللہ کی تابع داری کے علاوہ کائنات کے لئے کسی دوسرے خدا کی تابع داری جائز نہ ہوتی تو
نظام کائنات میں یہ ہم آہنگی نہ ہوتی، بلکہ تباہ ہو جاتا ۔ دراصل اللہ پر ایمان لاکر اس کے
احکام کی پیروی کرنے سے امن و امان قائم ہوتا ہے اور جو قومیں اللہ پر ایمان لاتی اور اعمال حسنہ
پناتی ہیں وہ عالمیں میں جہاں بھی رہیں امن سے رہتی ہیں ۔ ارشادِ ربانی ہے !

من امن وعمل صالحاً فاولئک لہم
جزاء الضعف بما عملوا وہم
فی الخرافات امنون (پ۱ سبا ۳۷)

جو کوئی ایمان لایا اور بھلا کام کیا پس ان کے
لئے ان کے کام کا دونا اجر ہے اور وہ
جہر و کول میں امن سے بیٹھے ہیں ۔

غرض کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسولوں کی تعلیم کو پس پشت ڈالا گیا
ہے اور یہ کیفیت عام ہوئی ہے تو فساد فی الارض پیدا ہوا ہے مثلاً فرعون کے لئے قرآن نے
شہادت دی ۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل
اہلہا شیعا لیستضعف
طایفة منہم یدبح ابناءہم
ولیتخی فیہم لئلا یراہ
من المفسدین

بے شک فرعون نے زمین میں غلبہ پایا تھا اور
اس کے لوگوں کو اپنا تابع بنایا ان میں ایک
گروہ کو کمزور دیکھتا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا
اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا بے شک
وہ فساد ہی تھا ۔

(پ۱ القصص ۲۴)

بنی اسرائیل کو ان کی نافرمانی اور بے راہ روی پر ٹوکتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مَفْسِدِينَ ۝ اور زمین میں فساد برپا کرتے نہ پھرو (پہلے، البقرہ ۶۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَلْيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فساداً طَوَادُّهُمْ لَا يَجِبُ الْمُفْسِدِينَ ۝ اور زمین میں فساد کیلئے

دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فسادپوں کو پسند نہیں کرتا۔

کرس ارض کی اس خرابی کو دور کرنے کیلئے دالمی اسن واماں اور اخوت و مساوات کی فضا قائم کرنے

کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ دنیا تک کے واسطے ادعو الی اللہ کے فرائض کی انجام

دہی کیلئے دنیا میں تشریف لائے اور اللہ کا پیغام سنایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ

وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

پہلے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشنے کی۔

وہ حیات جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس میں کسی احتمالات ہیں اس لئے علمائے تفسیر

نے مختلف اقوال اختیار کئے ہیں۔ سدی نے کہا کہ وہ حیات بخش چیز ایمان ہے کیونکہ

کافر مردہ ہے۔ قتادہ نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے جس میں نیا اور آخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے

مجاہد نے کہا کہ وہ حق ہے۔ ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد جہاد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کو عزت بخشی۔ یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں مراد یہ

ہے کہ ایمان یا قرآن یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور

دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو غفلت و شہوت وغیرہ کے حجابات حائل

ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی غلٹ دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کرے۔ ان تمام

منہومات کو فقط اسلام اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور اللہ کا پسندیدہ دین بھی اسلام ہی

ہے، ارشاد ہے: اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "قف" (پہلے عمران ۱۹) بے شک

اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

اسلام کے لغوی معنی ظاہری و باطنی الٰہی شریعت سے پاک ہونا صلح و امان، اطاعت و

فراموشی اور سپردگی ہیں۔ اصطلاحی مفہوم ان تمام منہومات کو شامل ہے جو بیان کئے گئے ہیں

مگر اس شرط کے ساتھ کہ تمام اعمال و عقیدے خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہوں۔

علامہ نے اسلام کے اسی مفہوم کو مختلف انداز و عبارات میں شرعی معنی کے طور پر بیان کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ "اسلام کے شرعی معنی اس کے لغوی معنوں سے نکلے ہیں اور دونوں میں باہم مضبوط تعلق ہے۔"

لسان العرب میں کی گئی "اسلام کی شرعی تعبیر کا مفہوم یہ ہے کہ "اسلام کا اصطلاحی شرعی مفہوم اطہار اطاعت الہی، تسلیم احکام شریعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمسک ہے۔"

امام فخر الدین رازی نے اپنی تصنیف تفسیر کبیر میں آیت "ان الدین عند اللہ الاسلام" کے ذیل میں اسلام کے چار مفہوم بیان کیے ہیں۔ اولاً یہ کہ اسلام کے معنی اطاعت و فرماں برداری میں داخل ہو جانا ہے۔ "اسلام کے معنی دین اور عقیدے کا خالص کرنا ہے اور مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی عبادات کو اللہ کیلئے خالص کرتا ہے۔" یہ کہ عرف شرعی میں ایمان کا دوسرا نام اسلام ہے۔ چہارم یہ کہ اسلام کا مطلب فرماں برداری اور اطاعت ہے (دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۶۶۹)۔

اس سلسلہ میں محدث دہلوی نے جو حدیث نقل کی ہے وہ معنیاً بہت وسیع ہے اور حدیث احسان کے مفہوم کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، ارشاد گرامی ہے!

الاسلام حسن الخلق یعنی اچھی عادات و اخلاق کا نام اسلام ہے۔
انسان منصب خلافت الہیہ پر فائز ہے اس کے اخلاق حسنہ اس کا حسن کا پرتوا اور صفات الہیہ کا ظل و سایہ ہیں ارشاد نبوی ہے۔ حسن الخلق خلق اللہ الاعظم (طبرانی) یعنی خوش اخلاق اللہ تعالیٰ کا خلق عظیم ہے پس وہی اخلاق اچھے ہیں جو صفات ربانی کا عکس ہیں اور وہی برے ہیں جو صفات الہیہ کے منافی ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا ہے کہ اس کے مبادی و ارکان میں بھی اخلاق فاضلہ کا راز مضمر ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود تھا جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔ بعثت لا تم و مکام الا خلاق، میں مکارم اخلاق کو ان کی بلندی تک پہنچانے کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں، لہذا آپ نے فرائض نبوت انجام دیتے ہوئے سب سے پہلے فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے انسان کو ایک ایسے خدا کی طرف بلا یا جو سب سے بڑے بھٹکا اور لا شرک ہے کیونکہ تمام مفادات کی اساس ہی کثرت الہ اور غلط

تصور الوہیت ہے پس اگر انسان اللہ تعالیٰ کو معبود بے تمنا، علیم وخبیر، قادر مطلق اور اپنی
 شہرہ گ کے قریب نہ جانے۔ اس کی وسعت رحمت کی آڑے کرنا فرمائیاں کرتا ہے۔
 اور ان بطش ربکے لشدید، کی پرواہ ہی نہ کرے۔ کبھی مفیدات سے نہیں بچ سکتا
 جب تک انسان کو یہ ایمان وایقان حاصل نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔
 اور ایک دن اپنے اعمال کے ساتھ اس کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہ ہونا ہے۔ وہ مالک
 یوم الدین ہے۔ حسن عمل پر جزا اور سیئات پر سزا دینے قادر ہے اور دلوں کی
 نیتوں تک سے واقف و آگاہ ہے۔ انسان عذاب الہی سے ڈرنے والا اور رضا الہی
 کیلئے سعی مشکور بجالانے والا نہیں ہو سکتا۔

بے شک اعمال کا ثمرہ نیتوں پر ہے، انما الاعمال بالنیات اعمال کے مدار نیتوں پر ہے اور
 اعمال حسنہ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا اَمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خَلْقًا
 یعنی کامل الایمان وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں (ترمذی)
 جہاں یہ مسلم ہے کہ دنیا میں فساد و بگاڑ کی وجہ اخلاق باختگی ہے وہاں یہ بھی ایک ناقابل تردید
 حقیقت ہے کہ ایمان اور حسن عمل سے دنیا کے ماحول میں باہم محبت و فساد ہوتی ہے۔
 اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لِّمِ الرِّحْمٰنِ وِدًا ۝
 (پاکہ مریم ۹۶) یعنی بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ان کیلئے رحمن باہم محبت
 کا جذبہ پیدا کر دے گا۔

اسلام میں اعمال صالحہ سے مراد صرف عبادت ہی نہیں بلکہ زندگی کے وہ تمام انفرادی و
 اجتماعی اعمال ہیں جن کا مقصد معرفت الہیہ، رضا الہی کا حصول، بندگان خدا کی خیر خواہی،
 حدود سلطنت کا تحفظ، خیرات کی توسیع اور بدی کا قلع قمع کرنا ہے اور مومن کی بابت فرمایا گیا
 ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ
 ثُمَّ لَوْ يَنْتَابُوْا وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
 وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ
 هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝
 (پاکہ الحجرات ۱۵)

یعنی ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ کے رسول
 پر ایمان لائے پھر تنہا نہ کیا اور اپنی
 جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا
 وہی سچے ہیں۔

گویا معرفت الہی، مستجوئے حکمت، ابتغائے فضل کی ہر سعی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ہر اقدام، معرفتِ حقائق سے لے کر سیخڑ کائنات اور جہادِ نفس سے لے کر منکرات کے خلاف جہاد، بدی اور ظلم کے خلاف انفرادی و اجتماعی جنگ اور اللہ کے لئے مالی ایثار و جانی قربانی کرنا صد اقت ایمان کی نشانی ہے۔ پس جب معاشرہ ایمان سے منور ہوتا ہے محبت ذات کا اندھیرا چھٹ جاتا ہے، ماحول اجتماعی محبت و مودت کی خوشبو سے مہک جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں اور وہ اخوت و مودت پیدا ہوتی ہے کہ کسی دوسرے طبقے سے اس سے مستفیض ہونا ممکن نہیں، ارشادِ ربانی ہے۔

لو انفقتم ما فی الارض جمیعاً ما الفت
بین قلوبہم ولكن الله الف
بینہم انه عزیز حکیم
(پ ۱۰، الانفال: ۶۳)
اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے
تو بھی ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے
ان کے دل ملا دیئے بے شک وہی ہے
غالب حکمت والا۔

خاص طور پر مسلمان محبت و اخوت کی نعمت سے مالا مال ہوئے ارشاد فرمایا گیا: والذین قلوبہم اور ان کے دلوں میں محبت والفت کر دی (پ ۱۰ الانفال: ۶۳)۔ اہل عرب خواہ وہ مکہ کے قریش ہوں یا دیگر قبائل، یا مدینہ کے اوس و خزرج اور دوسرے قبائل، مودت و محبت کے جذبہ سے عاری اور شقاق و عداوت کے عادی تھے۔ باہمی قتال و جدال ان کا طرہ امتیاز اور خون ریزی میں قومی افتخار سمجھا جاتا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے ان کو باہم تیسر و شکر بنادیا۔ آپ نے مسلمانوں کو محبت و اتحاد کا درس دیتے ہوئے یہ الہی پیغام پہنچایا۔

واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولا تفرقوا
واذکرو نعمت الله علیکم
اذ کنتم اعداء قالف بین قلوبکم
فاصبہ تم بنعمتہ اخواناً
وکنتم علی شفا حفرة من
النار فانقذکم منہا
کذا لیک یدین الله لکم ایلہ لعلکم
اور اللہ کی رسی کو مضبوط نظام کو سب مل کر اور آپس
میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کے احسان اپنے اوپر یاد
کر و جب تم میں بے سرحدا اس نے تمہارے دلوں
میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس
میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غار و درجہ کے
کنائے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا
اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان کر رہا ہے

تہتندون • دیک ال عمران (۱۰۳) کہ کہیں تم ہدایت پاؤ۔
 آپ نے یہ نعرہ حق اس وقت بلند کیا جب کہ ساری قوم آپ کو جھٹلا رہی تھی اور آپ کی زبان بندی
 کیلئے ہر عرب استنحال کیا جا رہا تھا ان مخالفانہ جان یوں روٹیوں کے باوجود آپ نے سچائی کا علم بلند
 کیا اور دنیا کو تباہ کیا کہ لوگوں کے دُور سے سچائی سے گریز کرنا اور اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا ایمانداری نہیں
 زندگی میں ہر قدم پر اللہ کی خوشنودی چاہنا اور اس کی ناراضگی سے ڈرنا ہی زندگی کا حسن ہے۔
 ارشادِ ربانی ہے۔

وتخشى الناسَ وأهلہ اُحق ان
 یعنی اور لوگوں سے ڈرنا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ اس کا
 تخشہ (پ ۲۲ الاحزاب ۲) زیادہ حق دار تھا کہ تو اللہ سے ڈرے۔

در اصل خشیت الہی ہی انسانوں میں توازن اور رضائے الہی کی لگن اس کی زندگی میں اعمال
 حسنہ کیلئے کشش پیدا کرتی ہے۔ یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی خوبی
 تھی کہ جس نے انسانی زندگی پر ایسے گہرے اثرات مرتب کئے کہ رہتی دنیا تک اس کی ان مٹ
 منائیں جگمگاتی رہیں گی۔

مائن (فارس) کی فتح میں ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھ کسری کا تاج لگا تھا اور وہ اس کو
 اپنے دامن میں چھپا کر امیر افواج اسلامی حضرت سعد بن وقاص کے پاس لایا جیسے کوئی پوری
 کا مال چھپا کر لایا ہے اور کہا "سردار یہ کوئی بہت قیمتی چیز معلوم ہوتی ہے۔ یہ میں آپ
 کے حوالے کر رہا ہوں تاکہ بیت المال میں داخل ہو جائے، پہلے تو مسلمان امیر نے (جو عشرہ
 مبشرہ میں سے ہیں) سپاہی کو سر سے پیر تک دیکھا اور بحیرت میں ڈوب گئے کہ اللہ اکبر
 اس قدر قیمتی حواصات سے مرصع تاج زیریں پا کر اس غریب سپاہی، عرب کے بدو کی نیت
 خراب نہیں ہوئی۔ اس کو یہ خیال نہیں آیا کہ اس کو یہاں لانے کے بجائے اپنے حمہ میں
 لے جا کر رکھ دے۔ امیر نے کہا "آپ کا نام" اس نے دروازہ کی طرف منہ کر کے اوپٹھ پھیر
 کر جواب دیا "جس کی ذات کی خوشنودی کیلئے میں نے یہ کام کیا وہ میرا نام جانتا ہے۔ یہ کہہ کر
 وہ روانہ ہو گیا۔

کائنات میں امت اسلامیہ کا ہر فرد خصوصاً و عمال و حکام اس جذبہ سے سرشار ہو جائیں اور
 ایسا ایمان بالغیب رکھیں تو کیا یہی پلٹ جائے دراصل ظلم و گناہ کا ماحول ختم کرنے، پاکیزہ فضا
 ستھرا ماحول اور نظام امن و مساوات قائم کرنے کیلئے افراد معاشرہ میں ایسے جذبہ کی ضرورت

ہوتی ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد اصول مساوات اور مناسبتہ اخلاق کا محافظ اور ایسا معاون نفاذِ قانون بن جائے کہ خود اپنی ذات پر بھی نافذ کرنے میں استقامت رکھے اور ارتکابِ جرم کرنا نہ خود ہی نفاذِ قانون کیلئے اپنے کو قانون نافذ کرنا کے ادارہ کے سامنے پیش کر دے اور وہ من تو آخرت کی سزا، جہنم کے مقابلہ میں دنیاوی سزا چاہے وہ کتنی ہی سخت و جان لیوا کیوں نہ ہو آسان سمجھتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کسی درخشندہ مثالیں موجود ہیں مثلاً۔

حضرت ماغر بن مالک کا واقعہ کہ وہ جانتے تھے کہ زنا قابل سزا جرم ہے یہ فعل ان سے سرزد ہو جاتا ہے کوئی ان کے اس جرم کو دیکھنے والا نہیں لیکن ان کے ایمان تھا کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے دوسرے وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اگر دنیا میں لوگوں کی لاعلمی کے سبب میں سزا سے بچ بھی گیا لیکن قیامت کے دن اللہ کے یہاں مجھے ضرور سزا ملے گی۔ یہ ان کا ایمان تھا کہ قیامت کی سزا کے مقابلہ میں دنیا کی سزا نہایت سی آسان ہے اور پھر یہ کہ نلوں ایمان کے سبب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور و انظار کردار کے ساتھ پیش ہونا گوارا نہ کرتے تھے اس جرم کی سزا کیلئے خود کو دربار رسالت میں پیش کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت ماغر بن مالک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے دوسری طرف آکر یہی عرض کیا آپ نے پھر منہ پھیر لیا، الغرض انہوں نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا تب حضور نے ان کے واسطے سنگساری کا حکم فرمایا (ابن ماجہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے افراد ملت میں خشیتِ الہی کا وہ جذبہ پیدا کیا کہ ہر ایک نے شریعتِ محمدیہ کو اپنی جان پر نافذ کر دیا یہاں تک کہ اگر ان سے اتفاقاً کوئی جرم سرزد ہو گیا تو خود کو آلودگی جرم گناہ سے پاک ہونے کیلئے سزا کیلئے پیش کر دیا اور ثابت کر دیا کہ ایک مسلمان گناہ آلودہ حالت کی بجائے اپنے خالق کے حضور قیامت میں پاک و ستھر پیش ہونا اچھا سمجھتا ہے کیونکہ وہ یقین رکھتا ہے۔

ان الذین یخشون ربہم بالغیب
لہم مغفرة واجر کبیر
بے شک وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے
ڈرتے ہیں ان کیلئے بخشش اور بڑا
تواب ہے۔ (پ ۲۹ الملک ۱۲)

آج کل کے مسلمان وہ بھی جو جب چاہتے ہیں قتل عام سے خون کی ہولی کھیلتے ہیں امن کو تباہ اور فساد پر پا کر دیتے ہیں قانون نافذ کرنا بے عاجز و بے بس نظر آتے ہیں، پتہ نہیں اللہ پران کا ایمان کیسا ہے، وہ اس کو علیم و خبیر، حاضر و ناظر جانتے ہیں یا نہیں۔ کیا آخرت اور یوم حساب کو بھول گئے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے سخت وعید فرمائی ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ
ورسولہ ویسعون فی الارض
فساداً ان یقتلوا ویصلبوا
او تقطع ایدیہم وارجلہم
من خلاف او ینفوا من الارض
ذالک لہم جزا فی الدنیا
ولہم فی الآخرة عذاب عظیم

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور
ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ
یہی ہے کہ گن گن کر قتل کئے جائیں یا سولی
دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ
اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں
یہ دنیا میں ان کی رسوائی اور آخرت میں ان
کیلئے بڑا عذاب ہے۔

(پٹ المائدہ ۳۳)

کاش وہ امن آشتی کے اخلاق کا خود اپنے ہاتھوں گلانا نہ گھوٹیں، دین اسلام کے
خیر خواہی کے اصولوں پر عمل کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخوت و مساوات کی
تعلیم فراموش نہ کریں۔ اللہ اور رسول کی بغاوت کی موت کے بجائے ان کی اطاعت
و فرماں پذیری کی زندگی اپنائیں جس کی طرف آپ نے بلایا اور فرمایا۔

من عمل صالحاً من ذکر او انثی
و هو مومن فلنحییہ حیوۃ
طیبۃ ولنجزینہم
اجرہم باحسن ما کانوا یعملون

جو اچھا کام کرے مرد ہو عورت اور ہو مسلمان
تو ضرور اس کو اچھی زندگی جلائیں گے
اور ضرور انہیں اچھا بدلہ دیں گے جو ان
کے سبب سے بہتر کام کے لائق ہوں۔

(پ ۱۲ النحل ۹۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں نصیحت فرمائی۔
بھیڑ بکری کی طرح انسان کے بھی بھڑیے ہوتے ہیں اور انسان کا بھی بھڑیا شیطان
ہے۔ دور اور کٹا سے پہننے والی بکری کو بھیڑ یا اٹھائے جائے لہذا تفریق سے بچو اور

جماعت سے عوام سے اور مسجد سے وابستہ رہو۔
اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھنا بہترین عمل ہے اور
فرمایا !

”مومن وہ ہے کہ وہ دوسروں سے اور دوسرے اس سے مانوس ہوں۔ جس
میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں وہاں کون سی خیر ہو سکتی ہے۔“
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دین نام ہی یہی خواہی کا ہے۔ لوگوں نے پوچھا
کس کی یہی خواہی کا، آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی، اس کی کتاب کی اور ادلی الامر کی اور
مسلمان تو دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس کی امداد سے پہلو تہی کرتا ہے نہ اس سے
جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ تم میں ہر شخص دوسرے کا آئینہ ہے لہذا
جب اُسے تکلیف میں دیکھے تو اسے دور کرے (ترمذی)۔

بخاری و مسلم نے روایت کی کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا
ہے نہ اُسے ہلاکت میں جانا دیکھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی
کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی ایک تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ ہر روز حشر اس کی
ایک تکلیف دور فرمائے گا اور جو اس کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ ہر روز قیامت
اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (شیخین)

شیخین سے مروی ہے کہ مومن مومن کیلئے ایسی عمارت ہے جس کا ایک جزو دوسرے
سے مضبوط جڑا ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو فرماتے وقت
تمثیل کیلئے اپنے پنجے کو دوسرے پنجے میں ڈال لیا۔

ترمذی میں منقول ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کی مدافعت کرے گا
اللہ تعالیٰ ہر روز قیامت اس کے چہرے سے آگ دور کر دے گا۔

سنن ابو داؤد میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان
کی بے عزتی یا بے حرمتی ہو رہی ہو اور دوسرا مسلمان اس کی مدد نہ کرے تو دوسرے موقع
پر جب کہ اس کی مدد کو ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے گا اور جب کسی مسلمان
کی بے حرمتی یا بے عزتی کے موقع پر دوسرا مسلمان اس کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی
دوسرے موقع پر جب خود اسے امداد مطلوب ہو اس کی مدد فرمائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے دینی اخوت کے رشتہ کو خوب نبھایا ہے اس کی قابل تقلید روشن مثالوں سے اوراقِ حدیث بھرے ہوئے ہیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا میں بڑا دکھی فقیروں ۔ ” آنحضرتؐ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے پاس کہلا بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو تو ایک ایسے حاجت مند کیلئے بھیجو) وہاں سے جواب ملا کہ قسم اس ذاتِ بات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے سہائے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز یا پانی کے سوا نہیں ہے ۔ پھر آپؐ نے اپنے کسی دوسرے گھر کہلا کے بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب ملا پھر ایکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں کہلا کے بھیجا اور ان سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے) ۔ اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد آپؐ نے صحابہؓ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا : تم میں کون اس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوگی ۔ انصار میں سے ابو طلحہ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں ، چنانچہ وہ اس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور پیوی سے کہا ، کیا تمہارے ہاں کچھ ہے ۔ پیوی نے جواب دیا ہاں بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے ابو طلحہ نے کہا تو پھر لیا کر دو کہ بچوں کو کسی چیز سے بہلا کر سلا دو اور جب سہارا مہمان گھر میں آجلے تو اس پر ظاہر کرنا اور ایسا رکھنا کہ ہم بھی کھائیں گے ۔ پھر جب وہ کھانے کیلئے ہل سقہ بڑھائے تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جا کر اس کو گل کر دینا چنانچہ پیوی نے ایسا ہی کیا پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان نے کھایا اور دونوں میاں پیوی نے بھوکے رہ کر رات گزاری ۔ پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان کا اور ان کی پیوی بچوں کا نام لے کر ان کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندہ کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا (بخاری و مسلم)

اسلام واحد مذہب ہے جس نے محبت و اخوت ، سمدیدی اور مہربانی سے آراستہ معاشرہ کو جنم دیا ، باہم موانست و الفت پیدا کر کے ایک خوشگوار اور پر امن ماحول پیدا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انس و محبت کو خاص ایمانی صفات بتایا ہے اور کیوں نہ ہو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انس و محبت کا پیکر تھے اور آپؐ کی ہر خصلت بلاشبہ ایمانی حقیقت ہے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور اس سے دوسرے الفت نہیں کرتے“
پس بندہ مومن کو انس و محبت کا مرکز ہونا چاہیے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں۔ اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں ہے نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے۔ ہاں! مومن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ کیلئے اور اللہ کے احکام کے تحت ہونا چاہیے اسی کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

ان احب الی اعمالی اللہ تعالیٰ
الحب فی الیہ والبغض فی اللہ۔
(ابوداؤد)

بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ
محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کیلئے ہو اور وہ
لبغض و عداوت سے جو اللہ کے لئے ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام اشد اعلیٰ الکفار و حمائم بیہم
کی مجسم تفسیر تھے اور باہم محبت و الفت کے پیکر تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخوت
و مساوات کی تعلیم کا ہی اثر تھا کہ مہاجرین مکہ و انصار مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
قائم کردہ مواخاۃ کا وہ مؤثر و روشن اسوۂ قائم کیا کہ امت مسلمہ کے علاوہ کسی اور ملت کی تاریخ
میں یہ کردار نظر نہیں آتا۔ قرآن مجید نے ان کی اس اخوت کا بیان اس انداز سے کیا۔

ان الذین امنوا و ہاجرنا و جاہدوا
باموالہم و انفسہم فی سبیل
اللہ و الذین اؤوا و انصرنا و اولئک
بعضہم اولیاء بعضہم

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ
میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں
نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ
لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔

(پ انفال - ۱۰)

حیرت نگار رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد مہاجرین
و انصار میں رشتہ و اخوت قائم کیا تاکہ مہاجرین غریب کی وحشت اور اہل عیال کی مفارقت
محسوس نہ کریں اور ایک دوسرے سے مدد ملے مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو فریق سے دو دو کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ درحقیقت بھائی بن گئے چنانچہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف قرشی زہری اور حضرت سعد بن ربیع خزرجی انصاری میں رشتہ برادری قائم کر دیا تو حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمن سے کہا کہ انصار میں میرے پاس سب سے زیادہ مال ہے میں اپنا مال آپ کو بانٹ دیتا ہوں میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کو جو آپ پسند کریں میں طلاق دیتے دیتا ہوں عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا ”آپ کے اہل اور آپ کا مال آپ کو مبارک ہو۔ کیا یہاں کوئی بازار تجارت ہے انہوں نے نوفیقہ کے بازار کا رستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمن نے کچھ گھٹی اور پیسہ خریدا اور تمام کے وقت تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو بہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ مٹی پر ہاتھ ڈالتا ہوں موبان جاتی ہے ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لے کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تھا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ حضرت ابوسریہ کا بیان ہے کہ عقد برادری کے بعد انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارے نخلستان ہمارے (مہاجر) بھائیوں اور ہم میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے فرمایا ”نہیں“ یہ سن کر انصار نے مہاجرین سے کہا کہ کام تم کیا کرو ہم تمہیں چل میں شریک کر لیا کریں گے اس پر سب نے کہا ”لبس و چشم“ یہ ملاقات کی صورت تھی مگر بعض نخلستان محض مینجہ کے طور پر دیئے ہوئے تھے جن میں کام بھی خود انصار کرتے تھے البتہ مہاجرین کو پیداوار کا نصف دیتے تھے۔ (میرت البنی شہلی بحوالہ بخاری)۔

جب مکہ میں بنو نضیر حلا وطن ہوئے اور ان کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار کو بلا کر فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو میں بنو نضیر کے اموال تم میں اور مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں اور اگر تم چاہتے ہو تو اموال مہاجرین میں بانٹ دیتا ہوں اور وہ تمہارے گھروں اور اموال سے بے دخل ہو جائیں گے۔ حضرات سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اموال آپ مہاجرین میں تقسیم کر دیجئے وہ ہمارے گھروں اور اموال میں بدستور شریک رہیں گے۔ یہ سن کر تمام انصار بولے ”ہم یا رسول اللہ ہم اس پر رہنی ہیں“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خدا یا تو انصار اور انہارے انصار پر رحم فرما۔ اس طرح حضور علیہ السلام نے اموال بنی نضیر صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیئے۔

شہر میں جب خیبر فتح ہوا تو مہاجرین کے حصہ میں اس قدر مال آیا کہ ان کو انصار کے نخلستان کی حاجت نہ رہی اس لئے انہوں نے وہ نخلستان جو بطورِ اباحت ان کے پاس تھے انصار کو واپس کر دیئے۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیتے جو نخلستان کی صورت میں تھے واپس کر دیئے۔“

شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن المحضرؓ کو بصرہ میں تبلیغ و لایت بکھریں بھیجا مندر بن ساوی حاکم بحرین اور دہل کے تمام عرب ایمان لائے باقی اہل بحرین (مجوس اور انصار و یہود) نے جزیرہ پر صلح کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا تاکہ بحرین کا جزیرہ و خراج انصار کے لئے لکھ دیں مگر انصار نے عرض کیا ”ہمیں! اللہ کی قسم ایسا نہ کیجئے یہاں تک کہ حضور ہمارے قرشی بھائیوں کیلئے بھی اتنا ہی مال نہ لکھ دیں (بخاری فضائل انصار)۔ انصار کے اسی جذبہٴ ایثار کو سراہتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ يَجْعَلُونَ مِنْ دُخَانٍ
الْيَمِينِ وَلَا يَجْعَلُونَ فِي صُلُوبِهِمْ
هُوَ حَاجَةٌ مَّا أَوتُوا وَلَوْ
تَرَوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ
كَانَ بَصِيرَةٌ خَاصَّةً (قف)
وَمَنْ يُوَقِّ شَيْخَ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ (پ ۱۸ الحشر ۹)

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر (مدینہ) اور ایمان میں گھر بنا لیا جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے ان کو دوست رکھتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس چیز کو جو دیئے گئے کوئی حاجت نہیں پاتے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو شدید محتاجی ہو اور جو کوئی اپنے نفس کو لاپرواہ سے بچا گیا وہی کامیاب ہیں۔

اخوت کی یہ روح اسلامی معاشرے کے تمام اعمال و مظاہر میں منعکس ہے اس سے وہ محبت و مساوات پیدا ہوئی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

ابو جہم بن حذیفہ کہتے ہیں کہ جنگ یرموک میں معرکہ ختم ہونے کے بعد میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا جو معرکہ میں شریک تھے میں نے پانی کا ایک مشکیزہ ساتھ لیا کہ مبادا وہ زخمی ہوں اور پیاسے ہوں تو ان کو پانی پلاؤں۔ اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جان کنی کی کیفیت شروع تھی۔ میں نے پوچھا پانی

کا گھونٹ دوں " انہوں نے اثبات میں اشارہ کیا اتنے میں دوسرے صاحب کے کراہنے کی آواز آئی جو قریب ہی پڑے ہوئے تھے اور مرنے کے قریب تھے 'میرے چچا زاد بھائی نے یہ آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا ' میں ان کے پاس پانی لے کر گیا وہ ہشام بن ابی العاص تھے میں ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے پاس پڑے ہوئے ایک اور صحابی کے کراہنے کی آواز آئی وہ بھی دم توڑ رہے تھے - ہشام بن ابی العاص نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا ' میں ان تیسرے صاحب کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے - ان کے پاس سے جب ہشام کے پاس واپس آیا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی ' افسوس و ملال کے عالم میں اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی اس عرصہ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے -

حضرت زبیرؓ سے مروی ہے کہ غزوہ اُحد میں اس مقام کی طرف جہاں شہداء کی نعشیں پڑی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آ رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! عورت کو روکو - حضرت زبیرؓ کہتے ہیں میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ (حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب) ہیں میں جلدی سے روکنے کیلئے بڑھا مگر وہ قوی تھیں ' ایک گھونسہ میرے ماٹا اور کما پر سے ہٹ گیا میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ' تو وہ فوراً کھڑی ہو گئیں - (روایت یہ بھی ہے کہ آپ کو اجازت مل گئی تھی اور آپ نے اپنے بھائی حضرت حمزہ کی نعش کو دیکھا اور دعا کی) اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کیلئے لائی تھی کہ میں ان کے انتقال کی خبر سن چکی تھی ان کپڑوں میں ان کو کفنا دینا ہم لوگ وہ کپڑے لیکر حضرت حمزہ کو کفنا نے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سہیل تھا ان کا بھی کفار نے یہی حال کر رکھا تھا جیسا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) حضرت حمزہ کا تھا ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ کو دو کپڑوں کا کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو - اس لئے ہم نے دونوں کیلئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا لیکن ان میں ایک کپڑا بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا - تو ہم نے قرعہ ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا حق کے حصہ میں آجائے گا وہ ان کے کفن میں لگایا جائے - قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل کے حصہ میں آیا اور چھوٹا حضرت حمزہ کے حصہ میں آیا جو ان کے قدم سے کم تھا کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک کر پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو -

یہ دو جہانوں کے بادشاہ کے چچا کا کفن ہے وہ بھی اس طرح کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب اپنے بھائی حمزہ بن عبدالمطلب کے کفن کے لئے دو کپڑے دیتی ہیں۔ جذبہ اخوت اور حق مساوات کے تحت یہ گوارہ کیا گیا کہ قریب ہی پڑی ہوئی انصاری بھائی کی نفش بے کفن ہے اس کو کفن دیا گیا اور اس امتیاز کے بغیر کہ چھوٹے کپڑے میں انہیں اور بڑے کپڑے میں حضرت حمزہ کو کفنانے جب کہ حضرت حمزہ اس ترجیح کا حق بھی رکھتے تھے مگر یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل سے انسانیت کو یہ سبق سکھایا کہ جب معاشرہ کا ہر فرد اور ہر طبقہ کا ہر فرد ہر نفس ایک دوسرے کا خیال رکھے گا ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرے گا اور انسانی مساوات کے نظریہ پر عمل پیرا رہے گا تو نہ طبقاتی کشمکش پیدا ہوگی نہ معاشرتی برائیاں جنم لیں گی۔ ایک طرف اگر آپ نے یہ تعلیم دی کہ اللہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ بندہ اپنے اصحاب میں خود کو (اونچا) نمایاں دیکھے تو دوسری طرف چشم عالم نے دیکھا کہ انسانیت کا لہڈہ (ہادی) امت کا سردار اور وقت کا رسول اپنی قوم کے ساتھ اینٹ گارا اور پتھر مٹی اٹھا رہا ہے اور مسجد قبا کی تعمیر کی جارہی ہے، علامہ شبلی نے لکھا ہے۔

حضرت کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی یہی مسجد ہے جس کی نشان میں قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

لمسجد اسس علی التقویٰ من اول
یومئذ احق ان تقوم فیہ فیہ
رجال یحبون ان یتطہرون واللہ
یحب المطہرین (نوبہ ۱۳)

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پر ہنگامی میں
رکھی گئی وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے
کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں ایسے لوگ
ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور خدا صاف
رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ بیماری بھاری پیڑوں
کے اٹھاتے وقت بسم مبارک نم ہو جانا سقا عقیقت مندا آتے اور عمر من کرتے ہمارے ماں
باپ آپ پر فدا ہوں آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے، آپ ان کی درخواست قبول فرماتے
لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے (بحوالہ طبرانی کبیر)
حضرت عبداللہ بن رواحہ شاعر تھے وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح

مزدور کام کرنے کے وقت ممکن ٹٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ یہ اشعار پڑھتے جلتے تھے۔
 اَفْلَحَ مَنْ يَعْلَجُ الْمَسَاجِدَ - وَلِقِرْءُ الْقُرْآنِ قَائِمًا وَقَاعِدًا - وَلَا يَبِيتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا
 وہ کامیاب رہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً حصہ لیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں لکھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے اور مٹی سے آپ کا شکم مبارک آلودہ ہو جاتا تھا جب صحابہ کرام یہ دیکھتے کہ حضور خود بہ نفس نفیس اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں تو وہ بھی کام میں خوب کوشش کرتے اور یہ ترانہ پڑھتے جاتے تھے۔ لَيْسَ قَعْدَنَا وَالنَّبِيُّ يَجْمَلُ ذَاكَ إِذَا عَمِلَ الْمَضْلُ (یعنی ہم بیٹھے رہیں اور نبی کریم کام کرتے ہیں ایسا بیٹھنا یقیناً گمراہ کرنے والا عمل ہے) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں پر رکھ کر اینٹیں لاتے تھے اور فرماتے تھے۔

اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْأَخِرَةِ اے رب آخرت کی نیکی سے بہتر کوئی چیز نہیں
 فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

دوران سفر بھی جب قافلہ کہیں پڑا کرتا تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سردار قافلہ ہوتے ہوئے مسند نشین بن کر بیٹھا پسند نہ فرماتے بلکہ طعام و قیام کے امور مل جل کر انجام دیتے اور ہم سفروں کا ہاتھ بٹاتے جیسے ایک دفعہ ایک سفر کے دوران ایک پڑاؤ پر کھائے پکانے میں ہاتھ بٹانے کیلئے آپ نے فرمایا ”میں جنگل سے لکڑیاں ملاؤں گا“۔ شریک سفر صحابہ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کا محبوب قائد کام کرے اور وہ اس پر راضی نہ ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم سب خود یہ کام انجام دے لو گے مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ میں ممتاز بن کر بیٹھ رہوں اور اللہ بھی اس کو پسند نہیں کرتا۔
 اسلام میں باہم مساوات کی تعلیم محض مسلمانوں کیلئے مخصوص نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے تمام انسانوں میں مساوات کا سلوک کر کے انسانی اخوت کا درس دیا۔ غزوہ بدر میں جب مسلمانوں نے مشرک امیران بدر کو باندھ کر قید کر لیا جب رات ہوئی عباس بن عبدالمطلب کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں جو دوسرے مشرک امیران بدر کے ساتھ قید تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کرسٹ کی آواز سن کر نیند نہیں آرہی تھی۔ صحابہ نے عرض کیا، ”آپ کو نیند کیوں نہیں آرہی؟“ آپ نے فرمایا، ”چچا عباس کے کراہنے کی وجہ سے“ ایک انصاری صحابی نے اس خیال سے کہ آنحضرت استراحت فرمائیں عباس کے بند ڈھیلے کر دیئے اور عباس سو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے پوچھا کیا بات ہے میں عباس کے کراہنے کی آواز نہیں سنتا۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ان کی بندشوں کو ڈھیلہ کر دیا گیا ہے۔ مساوات انسانی کے علمبردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اسیروں کی بندشیں ڈھیل کر دی جائیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی اسیروں کو سکون ملا جب وہ سو گئے تب رحمۃ للعالمین نے استراحت فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی مسلمان نے ایک ذمی اہل کتاب کو قتل کر دیا۔ آنحضرتؐ کے حضور مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا یہ آنحضرت کی تعلیم کا ہی اثر تھا کہ عہد صحابہ میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری و مساوات کا سلوک کیا جاتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک بوڑھے ضعیف ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس کو ساتھ لے کر گھر پر آئے اور کچھ نقد و یکے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کیلئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ یہ کوئی ایک محض واقعہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا امتیاز مذہب و ملت اور نسل و رنگت اتفاق فی سبیل اللہ کا جامع طریقہ رائج فرمایا اور وسیع القلبی سے عمل پیرا ہونے والوں کے جذبہ کو سراہا ارشاد ہے۔

وِیَطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حَبْلٍ مُّسْكِنًا وَ یَتِمُّوْنَ اَسْیَاسًا ۚ اِنَّمَا نَطْحَمُکَہٗ لَوَجْہِ اللّٰہِ لَا نَرِیدُ مِنْکُمْ حِزْبًا ۚ وَلَا شُکُورًا اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمَ اَعْيُوسَا ۚ قَمَطَرِیًّا ۚ فَوْقَاہُمْ اللّٰہُ شَرَّ

اور کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت پر مکیں یتیم اور امیر کو ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خالص اللہ کیلئے کھانا دیتے ہیں اور تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے نہ تنگ پنچب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے

جو بہت ترش نہایت سخت ہے تو انہیں
اللہ نے اس دن کے شر سے بچالیا اور
انہیں تازگی و تندرستی دی ۔

ذَٰلِكَ الْيَوْمَ وَلَقَّاهُمْ نَضْوَةٌ
مِّنْ رَبِّهِمْ (پ ۲۹ الاحزاب ۴۱)

وحدت نسل انسانی :

انسان ایک معاشرتی مخلوق ہے اس کو باہمی میل جول سے رہنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے تفادوت و تفوق
کی خواہش اس کیلئے زیر قائل ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا مقصد اولین یہ ہے
کہ انسانی معاشرہ کسی بد امنی و ناہمواری کا شکار نہ ہو اور ہر طرح مساوات سے ہم آہنگ رہے ہر طبقے کا ہر
فرد باہمی اخوت و بھائی چارہ کی محبت سے سرشار رہے اس لئے ہر طرح کی نفرت و فرق کی بیخ کنی کر کے
ہرے کا رشتہ دھاریا گیا ۔

اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس سے تم
کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا
جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے مرد اور عورتیں
پھیل گئیں اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس اللہ کے
ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور
رحمہوں (رشتہوں) کی نگہداشت کرو اور اللہ تم پر
نگہبان ہے ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا
وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ
بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
دَقِيبًا (پ ۲ النساء)

اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے اور تفریق بین الناس کا شدید مخالف ہے 'قوم نسل'
رنگ و زبان کے امتیازات کا استیصال کرتا ہے نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ اسلام کے علاوہ
کسی دوسری تہذیب میں نظر نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ اسلام کا یہ نظریہ اس کی بنیاد موصوں پر
دائمی اخوت و مساوات کی مستحکم تعمیر کرتا ہے یہی وحدانیت معبود کا مندرجہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ
بلا تشرکت غیر سے واحد و یکتا سب جہانوں کا رب ہے ۔ اللہ معبود ہے اور تمام انسان اس کے
بندے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان العباد كلهم اخوة
اللہ کے بندے (تمام انسان) آپس میں بھائی ہیں (احمد ابو داؤد)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو یہ بات ذہن نشین کرانی کہ زندگی ضرورتوں

اور کفالتوں میں جملہ نوع انسانی ایک خاندان کی طرح ہے اور ان میں باہم کسی کو کسی پر کوئی بڑائی حال نہیں۔ قبیلوں اور خاندانوں کے ناموں وغیرہ میں اختلاف محض شناخت کیلئے ہے ورنہ کسی کو کسی پر کوئی تفوق نہیں ہے۔ سب ہم جنس ہیں رنگ و نسل وغیرہ کے امتیاز کے بغیر مساوی ہیں۔

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و
انثیٰ و جعلناکم شعوباً و قبائل
لتعارفوا ان اکرہکم عند اللہ
اتقاکم (پ ۱۱ ہجرت ۱۳)۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد (آدم) اور ایک
عورت (حواء) سے پیدا کیا پھر مختلف قومیں
اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت
کر سکو اللہ کے نزدیک معزز و مکرم وہ ہے
جو اپنے دل میں سب سے زیادہ خدا کا خوف
رکھتا ہو اور صاحب تقویٰ ہو۔

اسلام نے اگرچہ تشریف دکر امت کو تقویٰ کی بنیاد پر تسلیم کیا ہے مگر یہاں طبقاتی کتری و برتری کو کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ عمل مواخاۃ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (عم رسول اللہ) کو حضرت زید انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت خارجہ بن زید کا اور حضرت خالد بن ولید کو حضرت بلال حبشی کا بھائی ٹھہرایا گیا گو بایزیدہ رہنے پھولنے پھلنے کائنات سے استفادہ کرنے اور اپنا مقام بنانے میں کسی کو بڑائی یا کتری حاصل نہیں۔ سب ہی کائنات میں پھیلی ہوئی نعمتوں سے اکتساب کر سکتے ہیں۔ یہ ایک معاشرتی نصب العین ہے کہ زندگی کی ضرورتوں اور کفالتوں میں جملہ نوع انسانی ایک برادری کی طرح ہے جس میں سب ہی کو زندہ رہنے پھلنے اور پھولنے کا مساوی حق ہے۔ اس سے معاشرتی زندگی کی ایسی تنظیم ہوتی ہے جو افراط و تفریط سے محفوظ اور رنگ و نسل اور علاقے کے تعصب سے بالا اور قبائل و شعوب کی بنا پر برتری و فوقیت سے پاک ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اسلامی معاشرہ میں سربراہ آوردہ لوگوں کے مقابلہ میں غلاموں کو اور گوروں کے مقابلے میں کالوں کو بڑے بڑے ناصب پر فائز دیکھتے ہیں، یا غلام و آقا اور امرد و اسود کو ایک ہی مسند پر بیٹھا پاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند فقہ کا صدر نشین ان کے غلام حضرت نافع، حضرت عباس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کے مکتب علم کے صدر نشین ان کے غلام حضرت عکرمہ اور فن قرأت کا امام حضرت ام سلمہ کے غلام حضرت ابی سمیون کو پاتے ہیں۔

اسلامی تہذیب سے رونما ہونیوالے انسانی مساوات کے تائید ساز واقعے ماضی

میں بھی مشعلِ رام ہے آج بھی روشن و تابندہ ہیں اور مستقبل کیلئے بھی اسی طرح منارِ نو
 بنے رہیں گے کہ دنیا ان کی افادیت سے انکار نہ کر سکے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
 فقیہ المثال صحابی مسلمانوں کا صاحبِ جاہ و جلال امیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حضرت
 بلال حبشی سے جو دنیاوی اعتبار سے کالے کلوٹے عام حیثیت کے غلام ہیں ملاقات کرتا
 ہے۔ تو ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی طریقہ فروگزاشت نہیں کرتا اور یا سیدی یا سیدی
 کے عظیم کلمات زبان پر ہیں۔ ————— یہی عظیم المرتبت امیر المومنین جب اپنے
 غلام کے ساتھ بیت المقدس کا سفر کرتے ہیں تو زمانے چشم حیراں سے دیکھا کہ
 غلام کے اصحاب کے باوجود اپنی باری پر اپنے غلام کو اونٹ پر بٹھا کر سواری کے اونٹ کی
 ٹیکل پکڑے بیت المقدس میں داخل ہو رہا ہے۔ (ایسی سی روایت الفاظ کے اختلاف
 کے ساتھ امام مالکؒ نے بھی بیان کی ہے) چشم عالم نے اس لشکر کو بھی دیکھا کہ جس
 کے سپہ سالار مولیٰ البنی زید بن حارثہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی
 حضرت جعفر بن ابی طالب اور سینٹ اللہ خالد بن ولید جیسے صاحب مرتبت اشخاص ان کے
 ماتحت لشکر تھے اور وہ لشکر بھی دیکھا کہ (باصطلاح دنیا آنحضرت کے غلام زادے) حضرت
 اسامہ بن زید کی امارت میں ترتیب دیا گیا جس میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی
 اللہ عنہما جیسے اکابر و مہاجر و انصار کو حضرت اسامہ کا تابع بنایا گیا۔ حضرت خدیفہ کے غلام حضرت
 سالم کے متعلق حضرت عمر فاروق نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا اگر آج سالم مولیٰ خدیفہ زندہ
 ہوتے تو میں ان کو خلافت کیلئے نامزد کرتا۔ یہ سب اسلام کی انسانی مساوات کے مظاہر ہیں۔

سنو ارا ناہر و باطن خرد کو روشنی بخشی

مساوات و محبت کی جہاں کو زندگی بخشی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے ”اے لوگو! میں نے تم کو تمہارا رب ایک ہی تمہارا باپ ایک
 ہے عربی کو عجمی پر، سرخ کو کالے پر اور کالے کو سرخ پر کوئی فیصلت نہیں مگر تقویٰ کی۔ پس
 اسلامی معاشرہ میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب ہی برابر ہیں۔ نہ تو امارت کسی
 کیلئے وجہ تکریم ہے اور نہ غربت وجہ ذلت، نہ کوئی نسل کے لحاظ سے سندِ صدارت
 پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کسی منصب پر فائز ہونے سے انسانوں
 سے ممتاز ہستی بن سکتا ہے بلکہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد انسان ہونے کے لحاظ سے

سے احترام کا مستحق ہے، ارشادِ الہی ہے: "لقد کرمنا بنی آدم" ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت کے قابل بنایا ہے۔

عصر حاضر کی فضا میں امن مسموم کرنے والی اہم وجہ قومی، لسانی، نسلی اور طبقاتی تفریق بھی ہے ہر طبقہ تفاخر و تفوق کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ ہر قوم خود کو دوسری قوم سے افضل سمجھتی ہے، گروہ بندی میں ذیبا تقسیم ہو کر رہ گئی ہے، ہر گروہ دوسرے گروہ پر مسلط ہونے کیلئے ہر سر پیکار ہے اور کسی نہ کسی انداز میں غلام و محکوم بنانے کی تگ و دو میں ہے۔ اسلام اللہ اور قانون الہی کی پابندی کے سوا ہر قسم کی آزادی دلاتا ہے۔ آزادی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ انسان مختار ہے، ہمارے بچے نیکیوں کا پیکر بن جائے، یونانی مفکر فیثا غورث سے دریافت کیا گیا کہ آزاد آدمی کون ہے اس نے جواب دیا جو نیکی کیلئے وقف ہو۔ اسلام ہر فرد کو حدود و ترسعت میں رہ کر تمام انسانی حقوق سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ یوں تو آج کل انسانی حقوق کا اعلان بڑے زور شور سے کیا جاتا ہے مگر ہر جگہ انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائے انسانیت کو جو مساوات انسانی کا درس دیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں خود کو ترقی کی بلندیوں کا مسند نشین سمجھنے والے اس کا عشرِ عشر بھی انسانی حقوق کی ادائیگی نہ کر سکے۔ اس اعتبار سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایسا حیات بخش نظام دیا جس کا مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے مشہور مستشرقین بڑا ڈٹنا نے کہا۔

”میں نہایت ہی وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ بشریت اور انسانیت کا نجات دہندہ اگر کوئی دین ہو سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔“

یورپ کا مشہور مورخ فلپ ہیٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ نظام حیات کے بارے میں لکھتا ہے۔

عرب کی تاریخ میں یہ پہلی کوشش تھی کہ انہیں مذہب کے نام پر متحد کیا جا رہا تھا اس سلطنت کا حاکم اعلیٰ اللہ ہے اس لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے روحانی فرائض کے علاوہ نظام سلطنت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے ان کی ملت کے افراد سب کے سب قبائلی رشتوں اور پرانے تعلقوں سے یکسر منقطع ہو کر اصولاً بھائی بھائی بن گئے (تاریخ ہیٹ)

مشہور مستشرقین مسٹر رینڈ لیروگ نے کہا، ”بنی عربی اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب

کے بانی ہیں جس کا سرِ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا انہوں نے ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرہ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل و احسان کے اور کسی قانون کو رائج نہیں ہوا تھا ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات، باہمی تعاون اور عالم گیر اخوت تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی اخوت و مساوات اور عالمی امن کا آئینہ دار جو نظام زندگی انسانیت کو دیا وہ دنیا کی رائج تمام تہذیبوں میں کم از کم چار خصائص کی وجہ سے ممتاز ہے۔

اولاً اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر ایمان لانا اور غیر اللہ کی تابعداری سے گریز کرنا کیونکہ عقیدہ توحید یعنی ایک معبود کی بندگی و اطاعت ہی نسلِ انسانی کے شیرازے کو مستحکم کرتا ہے۔ نسلِ انسانی کی وحدت کے استحکام کیلئے روحانی دعوت کو خاص اہمیت دی گئی ہے کیونکہ صرف مادی وسائل کے ذریعہ جو شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ وہ یقینی نہیں ہوتی۔ انبیائے کرام روحانی عقیدوں کے ذریعہ انسانی وحدت و تنظیم کا کام کرتے ہیں۔ اس انسانی وحدت سے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا۔

ان هذه اُمتكواُمة واحدة وانا ربك و فاعبدوني (پہلا انبیاء ۹۲)

و انا هذه اُمتكواُمة واحدة وانا ربك و فاعبدوني (پہلا المؤمن ۵۲)

تثانیاً۔ بنیادی انسانی ضرورتوں میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المخلوق عیال الله فاحب المخلوق الى الله من احسن الى عیاله

تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور مخلوق میں وہی اللہ کو محبوب ہے جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ بہتر سلوک کرے (شیخین)

ثالثاً۔ رنگ و نسل، قبیلہ اور ذاتِ پات کی بجائے تقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دینا۔

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکر مکرم عند

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا اور شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک

اللہ التذاکیر (پہلی ہجرت ۱۳)

مجھ سے مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ
پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

رابعاً: باہم اتحاد و اتفاق رکھنا اگر کہیں اختلاف کی صورت ہو جائے تو اس کی اصلاح کرنا
خواہ اس کے لئے جان کی بازی لگانی پڑے۔

وَأَنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا
فَصَلَحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنْ بَغَتْ
أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ فِئْتَانِلَا
الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفْزِيَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ
فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْلَحُوا بَيْنَهُمَا
بِإِجْبَادٍ وَأَقْسَطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (پہلی ہجرت ۹)

اور اگر مسلمانوں کے دروہ آپس میں لڑیں تو
ان میں صلح کرادو پھر ایک دوسرے پر زیادتی
کرے تو اس زیادتی کو نیولے سے لڑو یہاں
تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے تو
انصاف کے ساتھ ان میں صلح کرادو اور عدل
کو بے شک عدل والے اللہ کو پیارے
ہیں۔

صلح کی یہ تعلیم صرف مسلمانوں کو ہی دینی چارہ کی بنا پر نہیں دی گئی۔ غیر مسلم متحاربین کے
بارہ میں بھی مسلمانوں کو فرمایا گیا۔

وَأَنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا
تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ۝ وَأَنْ يَرِيدُوا أَنْ
يَخْرُجُوا فَوَلَّيْنَاكَ اللَّهُ
(پہلی انفال ۶۱-۶۲)

اور اگر وہ (غیر مسلم) صلح (امن و سلامتی) کی
طرف جھکیں تو تم بھی جھکو (صلح کرو) اور اللہ
پر بھروسہ رکھو بے شک وہی ہے۔ منتقاماً
اور اگر وہ تمہیں فریب دیا چاہیں تو بے شک
اللہ تمہیں کافی ہے۔

غیر مسلم متحاربین کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی کفایت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔
وہ (مسلمان) جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں کے
تمہارے لئے جتنا جوڑا تو ان سے دروہ۔ تو
ان (مسلمانوں) کا ایمان زیادہ ہوا اور بولے
اللہ ہم کو کافی ہے اور اچھا کارساز ہے پس
وہ اللہ کے احسان اور فضل سے اس حال
میں نوحے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ

الذین قال لهم الناس ان الناس
قد جمعوا لكم فاخشوهم
فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا
اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانْقَلَبُوا
بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمَسَّ مِنْهُمْ
شَيْءٌ وَلَا وَاتَّبَعُوا رِضْوَانُ اللَّهِ

واللہ ذو فضلٍ عظیمہ انما ذالک الشیطان یخوف اولیاءہ فلا تخافوہ و خافون ان کنتم مؤمنین ہ (پہ ال عمران ۱۷۴، ۱۷۵)

کی خوشی پر چلے ۔ اللہ بڑے فضل والا ہے وہ تو شیطان ہی ہے کہ اپنے دوستوں سے دھمکاتا ہے تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ (اللہ) سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ نے اپنے ایماندار بندوں کو قیامت تک سر بلند کی سند دے دی، ارشاد فرمایا!

اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تم پر غالب آؤ گے اگر تم اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے ہو۔

ولا تصنوا ولا تحزنوا وانتم الا علون ان کنتم مؤمنین ہ

پہ ال عمران ۱۳۹

ساتھ ہی ان کے بارے میں جو اللہ کے بندوں سے متحارب نہیں ہیں، صلح و کشتہ اور محبت کی تعلیم دی گئی، ارشاد ہے :-

لا ینہ کوا اللہ عن الذین لولیتا لکوم فی الدین ولو حیزوکم من دیارکم ان تبروہم ونقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین ہ

اللہ تمہیں منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکال دے ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کرو جبے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں (۲۸ الممتحنہ)

غرض اسلام نے تمام انسانوں کو باہم میل جول اور ربط و مدارت کی تلقین کی ہے کہ اس سے دشمنی بھی باہم مودت میں بدل جاتی ہے، ارشاد ہے :-

عسی اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادیتہم مودۃً واللہ غفورٌ رحیمٌ ہ

قریب کے اللہ تم میں اور ان میں جو ان میں سے تمہارے دشمن ہیں دوستی کر دے اور اللہ قادر ہے اور بخشنے والا مہربان ہے۔

(پ ۲۸ الممتحنہ ۷)

پس اس مودت کا مظاہرہ چشم عالم نے دیکھا کہ مسلمان اپنے جیسے کا حق کا تحفظ کرتے ہوئے جس ملک میں فاتحانہ داخل ہوتے وہاں کے لوگ مسلمانوں کے اس قدر گریہ ہو جاتے کہ اختلاف مذہب کے باوجود ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے جیسے بقولصر علامہ شبلی بریلوی کے معرکہ میں جب مسلمان شام کے اضلاع سے نکلے تو وہاں کے تمام عیسائی رعایا نے پکارا "خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے اور یہودیوں نے توراۃ مٹھ میں لے کر کہا"

ہمارے جتنے جی اب فیصر یہاں نہیں آسکتا ۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پر اسن فضا اور مساوات و محبت سے مزین ماحول کے حصول کے لئے ایک ایسے معاشرہ کی تاسیس فرمائی کہ جس کا ہر فرد صالح اور متقی ہو۔ صالح اور متقی سے وہ انسان مراد ہے جو اللہ کے خوف سے گناہ کی ہر شکل سے اجتناب کرے اور ان تمام اعمال صالحہ بجالانے کا سعی ہو جن سے روحانی پاکیزگی معاشرہ میں نیکی اور زندگی کے نیک مقاصد کو ترقی حاصل ہو سکتی ہے اور یہ مکمل ضابطہ حیات اسوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے ۔

دیکھو گے جس طرف بھی پاؤ گے روشنی کو

پر اسن اس فضا میں پر لطف زندگی کو

وما علینا الا البلاغ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت دُاعی امن و اُخوت

برگینہ ٹیٹو گلزار احمد، راولپنڈی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ
إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ
وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ هـ

اے ایمان والو
اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لبیک کہو
جب وہ تمہیں ایسے کام کیلئے بلائے ہیں جو تمہیں زندگی
بخشتا ہے اور جان لو کہ اللہ
انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا
ہے اور یہ بھی (یاد رکھو) کہ تم نے اسی کی طرف لوٹ
کر جمع ہونے ہے۔

الأنفال ۸: ۲۴۱

محمد رسول اللہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم خالق کائنات کی طرف سے بنی نوع انسان کے
آخری نبی اور رسول کی حیثیت سے مبعوث ہوئے ہیں ۱۔ اب قیامت تک صرف آپ کی حیات طیبہ
ہی نسلِ انسانی کو صراطِ مستقیم کی طرف رہبری کر سکتی ہے ۲۔ اللہ العلیین نے یہ کائنات
اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ نہ کھیل تماشے کیلئے پیدا کیا ہے ۳۔ اور نہ ہی یہ سب

۱۔ مَا كَانَ مُحَمَّدًا ابًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ ط

الأحزاب ۴۳: ۴۰

۲۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

۲۱: ۳۳

۳۔ مَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْغَيْبِ

الأنبياء ۲۱: ۱۶

کچھ بے مقصد ذائقہ تخلیق کیا ہے۔ اظہار ہے کہ جس آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اتباع کا حکم دیا ہے وہ سیرتِ انسانیت کو حق و صداقت اور امن و اخوت ہی کی طرف رہبری کر سکتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سیرتِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے کون کون سے پہلو درج بالا آیت کریمہ کی روشنی میں اللہ پر ایمان لانے والوں کو حقیقی اور کامیاب زندگی صراطِ مستقیم دکھاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هو الذي ينزل على عبده آية
بينت ليخرجكم من الظلمات
الى النور وان الله بكم
لرؤف رحيم ۝

وہی تو ہے جو اپنے بند پر واضح (مطابقت کی) آیات نازل کرتا ہے تاکہ تم لوگوں کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی میں لے آئے بے شک اللہ تم لوگوں پر نہایت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

(الحیدر ۹:۵۷)

اور اندھیروں سے اجالے میں پہنچانے کا یہ منصب پوری انسانیت کیلئے مقرر کیا گیا ہے نہ کہ کسی خاص دور، خاص علاقے، خاص قوم یا کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کیلئے اس لئے جب سرورِ عالم کی رحمت و شفقت اور آپ کے لئے سوائے سلامتی کے دین کا ذکر ہوتا ہے تو وہ پوری انسانیت کیلئے ہوتا ہے۔

وما أرسلناك الا كافة
للناس بشيراً ونذيراً
(سبا ۲۸:۳۴)

اور (اے محمد) ہم نے تمہیں تمام انسانیت کیلئے روانہ کیا ہے۔ خوشخبری سننے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

اور یہ حق و صداقت پر مبنی کتاب دلوں کو بلکہ قلب و نظر دونوں کو شفاء عطا کرتی ہے اس لئے کہ اس کتاب کے مطابق گزارمی جانیوالی زندگی کے ذریعہ افراد کے قلب کی تطہیر ہو چکی ہوتی ہے۔

يا ايها الناس قد جاءكم
موعظة من ربكم
وشفاء لما في الصدور

اے نبی نوعِ انسان تمہارے لئے ایک نصیحت آپکی ہے تمہارے رب کی طرف سے اور جو کچھ (بیماری) دلوں میں ہے اس کے

وهدی ورحمۃ للمؤمنین ۵
لئے شفا ہے۔ اور ایمان لایوالوں کیلئے ہدایت بھی
ہے اور (اللہ کی) رحمت بھی۔ (ایونس ۵۷:۱۰)

پوری انسانیت کیلئے یہ وعظ و نصیحت ہے اور جب وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور اپنی زندگی
اس کتاب کے مطابق اور اس کتاب کی عملی تفسیر یعنی سیرت داعی، امن و اخوت کے مطابق اپنے
شب و روز کو ترتیب دیتے ہیں تو ان کو مزید ہدایت عطا ہوتی ہے اور وہ اللہ کی رحمت کی
چھاؤں میں انتہائی پرسکون اور پریشانیوں سے مصفا زندگی گزارتے ہیں۔ اس لئے کہ اس
کتاب کا حکم ہے کہ ایمان لانے کے نتیجے میں تم سب بھائی بھائی بن گئے ہو اور بھائیوں کے
درمیان حسد، کینہ، دشمنی اور خوف سے پاک زندگی بسر کرنی چاہیے اور جہاں کہیں دلوں
میں میل آجائے قرآن اور سیرت کی روشنی میں اسے دور کرو۔

انما المؤمنون اخوة
فصلحوا بین اخویکم
(یقیناً) ایمان لانے والے سب بھائی بھائی ہیں
پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کر دیا کرو۔
(الحجرات ۱۰: ۲۹)

یہ احکام اجتماعی زندگی کیلئے صحت مند اور شفا کا مقام رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کے مابین اسی اخوت اور بھائی چارے کی زندگی
استوار فرمائی تھی۔ جب مہاجر اصحابؓ مدینہ پہنچے اور نئے ماحول میں ان کے پاس گزر بسر کے
لئے کچھ نہ تھا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر صحابی اور ایک انصار صحابی کے درمیان
موافقات کیلئے اخوت کا ایک نظام قائم کیا جو عالم انسانی میں اس طرح کی واحد مثال ہے۔ حضرت
انس بن مالک جو اس وقت وٹس سال کے تھے، ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے۔ مہاجرین
کی تعداد پچاس تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا:
یہ تمہارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم
بھائی بھائی ہو اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی ستھے۔

قرآن حکیم میں حق و صداقت کے آنے کے اور باطل کے نابود ہونے کے ذکر کے بعد
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وننزل من القرآن ما هو شفاء
ورحمۃ للمؤمنین ۶
اور ہم قرآن کے ذریعے سے دہشتے نازل کرتے
ہیں جو مومنوں کیلئے شفاء اور رحمت ہے۔

یہ اخوت جو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان قائم فرمائی ہے یہ قیامت تک قائم رہنے کیلئے اس ہدایت کا نتیجہ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو نزولِ قرآن کے ذریعہ عطا فرمائی۔ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے والوں پر اس احسانِ عظیم کو دیکھ کر منہ سے بے اختیار نکلتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى
عَبْدِهِ ۖ يَكُونُ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۚ
خدا نے غرورِ اجل انتہائی بابرکت ہے جس نے
اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن نازل فرمایا
تاکہ یہ اہل عالم کیلئے ہدایت کر لے رہا
(الفرقان ۱:۲۵)

حسین و کریم اللہ نے آپ کی ذاتِ بابرکات کو ایمان والوں کیلئے امن و اخوت کا مرکز قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے :-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُمْ حَرِيصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ سَرُّهُ وَوَرَحِيمُهُ
(التوبہ ۹:۱۲۸)
دے لوگو تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول
آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان لوگوں کو گراں
معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت
خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت
کرنے والے اور مہربان ہیں۔

مستشرقین نے قرآن کا بغور مطالعہ کئے بغیر یا خبیث باطن کے نتیجے میں یہ رائے پیش کی ہے کہ آغاز اسلام کے وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت صرف عربوں کیلئے تھی۔ اور عالمی سطح تک اس پیغام کو پہنچانے کا خیال مدینہ کی ریاست کے قیام کے بعد ہوا اگر وہ مکی سورتوں کا مطالعہ نیک نیتی سے کرتے تو وہ ہرگز یہ اعتراض نہ کرتے۔ مستشرقین کا تربیت یافتہ مجید خضوری لکھتا ہے :-

یہ درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسلام کے عالمی پیغام ہونے کا دعویٰ مکی دور میں نہیں کیا مگر مدنی سورتیں اور احادیث اس پیغام کے عالمی ہونے کا بین ثبوت ہیں۔^{۱۹}
۱۹: یہ ایہ کہ یہ بھی مکی دور کی آیت ہے۔ مستشرقین کس طرح کہتے ہیں کہ اوائل میں حضور اقدسؐ صرف عرب کو مخاطب کرتے تھے ۱۰ اس امر کو دوبارہ زیر غور لایا جائے گا۔
۲۰: مجید خضوری، The Years of Peace & War، یوزک لندن ۱۹۴۱ء، صفحہ ۴۔

یہ غلط رائے ولیم میور سے شروع ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے۔

اسلام کی تمام تر دعوت کا عالمی ہونا بعد کا خیال ہے۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی دنیا عرب تک محدود تھی۔ اور اسلام اسی کیلئے محدود تھا۔ شروع سے آخر تک یہ دعوت صرف عربوں کو دی گئی تھی۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ حسب معمول یورپی مصنفین غلط رائے اس لئے دیتے ہیں کہ ان کے قاریوں نے ان کی درس کردہ رائے کو غیر جانبدارانہ سمجھ کر کبھی دیکھنا اور پرکھنا ہی نہیں۔ مکی آیات شروع سے اللہ کی جانب سے آنی والی اس آخری دعوت کو عالم انسانی کو مخاطب کرتی ہیں اور اللہ پر ایمان کو مضبوط کرنے کا حکم پہنچاتی ہیں۔

صرف چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے قبل بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا عَرَّبْتُ بِكَ الْكَبِيرَ
(الافتخار - ۶۱:۸۲)

اے انسان تجھ کو بے پردہ و گار کر مگر کتر کے بارے میں کس بات نے دھوکے میں ڈالا ہے۔ ہم نے تم پر یہ کتاب عالم انسانی کیلئے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ۔
(الزمر - ۴۱:۲۹)

(اے محمد) ہم نے تم کو تمام انسانیت کیلئے بھیجا ہے۔ خوشخبری شانے والے اور ڈانے والے کے طور پر

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سبا - ۲۸:۱۲۲)

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔

یہ شاید باور نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی اس قلبی گمراہی کا اعتراف کرتے ہیں

میور اپنی کتاب "حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتا ہے۔

"قرآن کو عربی زبان میں صرف مکہ والوں کیلئے اور اس پاس کے لوگوں کیلئے بنایا گیا اور ماقبل کی کتابوں کی تائید میں بھیجا جانا بتایا گیا۔"

۱: ولیم میور *Annals of Early Caliphate* ستمائندہ کمپنی لندن ۱۸۸۳ء
صفحہ ۶۱، بحوالہ مجید خضوری ج ۱ ص ۱۲۰

ظاہر ہے کہ قرآن جس خطے میں نازل ہو رہا تھا اسی کی زبان میں اُسے اُتار جانا تھا اور سب سے پہلے مخاطب بھی اسی خطے کے لوگ ہونے لگے مگر یہ کہنا کہ مکی دور کی آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا نسل انسانی کیلئے ہدایت کے طور پر نازل ہونا مدنی دور کا فیصلہ ہے۔ یہ جیسا کہ درج بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے اور اس کے شاگردوں کی عمدہ حقیقت کو چھپانے کی ناکام سعی کوشش ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم المرسلین ہونا اور کافۃ للناس کے لئے مبعوث ہونا مخالفین اسلام کا بنیادی ہدف رہا ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ حضورؐ کی عالمی حیثیت قبول کر لیں تو پھر شریعت اسلام کو ثبوت کے طور پر قبول کرنا ان کیلئے لازم ہو جاتا ہے۔ آپؐ کا تمام عالموں کے محنت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے لئے جوئے قوانین اور آپؐ کی سیرت پر زمان اور ہر مکان کیلئے قابل عمل ہے۔ اور عالم انسانی کیلئے امن و اخوت کا واحد ذریعہ ہے۔ مکی اور مدنی دور کی حدود رسالت میں فرق بتا کر وہ اس اہم پہلو کو نظروں سے اوجھل رکھنا چاہتے ہیں۔ علاوہ بریں اگر محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف عربوں کیلئے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کسی وقت بھی کرتے تو جس طرح ماقبل کے پیغمبروں سے متعلق واقعات کے ساتھ ان کو اپنی قوم کی نسبت سے یاد کیا گیا ہے یہاں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جاتا، مغربی مفکرین انسان اور انسانیت کے مقام کو نہیں سمجھ سکے اسی لئے وہ ختم نبوت کے فلسفہ تک نہیں پہنچ پائے۔ وہ انسانیت جو اوائل میں "کان الناس اُمةً واحدة" (البقرہ ۲: ۲۱۳) کا مقام رکھتی تھی وہ ایک بار پھر امت واحدہ صرف ختم نبوت کی بنا پر بن سکتی ہے اور عالم انسانی کے اندر امن اور اخوت کا دور دورہ صرف اللہ کے آخری دین کے عطا کردہ قوانین کے مطابق زندگی گزارنے کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جب پوری انسانیت کو یہ کہا گیا :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ
مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ
لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى
لِأَنْتَ انْصَرَفْتَ عَنْ رَأْسِكَ
وَأَنْتَ انْصَرَفْتَ عَنْ رَأْسِكَ
وَأَنْتَ انْصَرَفْتَ عَنْ رَأْسِكَ

قوم نوح ۹۹: ۱۰ / اِلَى الْقَوْمِ لَوْ ۵ / اِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ ۶: ۱۳

ورحمة للمؤمنين ۵
 یہ شفا ہے اور جو (اس پر) ایمان لائے
 ہیں ان کیلئے یہ ہدایت بھی ہے اور (اسی لئے)
 رحمت بھی۔

قلب و ذہن کی شفا کا سلسلہ جاری ہے گا اور بالآخر انسانیت خاتم الرسل کے عطا کردہ طریق امن و اخوت کے ماحول میں ان تمام علوم پر عبور حاصل کرے گی جن کے بغیر تسخیر ارض و سما کی منزل تک پہنچنا نہیں جاسکتا۔ امن و اخوت کی ضرورت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی ریاست قائم کی اور اسے ایک آئین عطا فرمایا۔ تو اس میں دنیا کیلئے یہ اعلان کیا کہ ”مسلمانوں کا امن ایک ہے“ یعنی اسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کیلئے یہ اعلان تھا مگر امت کیلئے یہ حکم ہے کہ اسے مسلمانز تمہارا امن اور تمہاری جنگ کو باطل نہیں جاسکتا۔ تمہارے لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ جب کسی سے صلح کر دو تو اکھٹے ہو کر کرو اور جب جہاد فی سبیل اللہ واقع ہو تو سب اس میں شریک ہوں اور چونکہ تمہارا امن غیر منقسم ہے اس لئے آپس میں جنگ مت کرنا ورنہ دشمن نہیں ایک ایک کر کے ختم کر دے گا۔ عالمی سطح پر امت مسلمہ امن و اخوت اسی وقت قائم کرنے کی طرف قدم بڑھا سکتی ہے جب خود اس امت کے اندر امن و اخوت موجود ہو یعنی وہ یتاق مدینہ کی تحریر کے مطابق ”وان سلم المؤمنین وحدة“

اللہ العلیین نے بار بار حکم دیا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (۴) اس لئے انہیں یتاق مدینہ کی اس شق پر عمل کرتے رہنا چاہیے تھا کہ مسلمان اس کے باوجود امن بین المسلمین کو تباہ کرتے ہیں، اسی وجہ سے وہ کرفہ ارض پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطابق امن و اخوت کی فضا قائم نہیں کر سکے۔

درج بالا آیت کریمہ جس کی روشنی میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے مطالعہ سے آپ کا دائمی امن و اخوت واضح ہوتا ہے۔ اس سے پہلے حصہ میں اللہ اللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر لبیک کا حکم ہے اس حکم کے ساتھ جن مواقع پر لبیک کہنے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے وہ امت کو زندگی عطا کرنے کے اہم مواقع ہیں۔

۱۹: شق ۱۹ یتاق مدینہ، ابن ختم، بیروت البی ۲ المجزئانی مطبع حجازی قاہرہ، صفر ۱۲۱ - ابن اسحاق،

۲۲۲: انگیزی ترجمہ از گیلوم، آکسفورڈ پریس کراچی ۱۹۶۸ صفحہ - ۲۲۲

۲۱: معنون کے معنوں میں پروردگار آیت کریمہ۔

یایہا الذین امنوا استجیبوا
 لله وللرسول اذا دعاکم
 لما یحییکم
 اے ایمان والو! اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ
 وسلم کے حکم پر لبیک کہو، جب وہ تمہیں
 ایسے کام کیلئے بلا تے ہیں جو تمہیں زندہ کر
 دیتا ہے۔

کس قدر بلند و بالا مقاصد کا حامل ہے یہ حکم اللہ اور اس کے رسولؐ کا وہ بلاوا وہ دعوت
 وہ پکار جو امت کو زندگی عطا کرتے ہیں اس پر فوراً لبیک کہنے کا حکم ہے۔ خیال سے کہ
 حکم کسی اور کو زندگی نہیں بخشتا بلکہ اس پر غفل کرنے سے خود عمل کرنے والے کو زندگی
 عطا ہوتی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! اپنے اندر حرارت، حرکت، توانائی اور زندہ
 رہنے کی خواہش پیدا کرو۔

حضور رحمت للعالمین نے اپنے دین اور اپنی ریاست کے خلاف بغاوت کرنے والے قبیلہ
 بنو قینقاع کے خلاف جنگی کارروائی کی مگر جب انہوں نے غیر مشروط صلح کیلئے ہتھیار ڈال
 دیے تو رحمت عالمؐ نے انہیں مدینہ شہر سے تمام منقولہ سامان (سوائے ہتھیار جنگ)
 سمیت چلے جانے کی اجازت دے دی اور ان کے کسی فرد کو سسرانہ دی۔ اسلام کے خلاف
 یہ پہلی اندرون مملکت بغاوت تھی۔ اس دور میں تحریف شدہ تورات کے مطابق بغاوت
 کی سسرانہائی سخت تھی مگر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باغی قبیلے کو
 اپنے ساز و سامان، سونا چاندی حتیٰ کہ مکانوں کے دروازوں تک اونٹوں پر لاد کرے جانے
 کی اجازت دے دی۔ ان پہلے باغی "حشر اول" کے جانیوالوں کے متعلق ہی
 قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ ان کے خیال میں ان کے قلعے ان کو غدا سے بچالیں گے۔
 مگر وہ!

یخسر لوب بیوتہم باید لهم
 اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اجاڑنے
 (لگے) الحشر ۲: ۵۹

اس بخشش کے بعد بھی جو یہودی ابھی مدینہ منورہ میں رہے تھے وہ بھی فتنہ و فساد کی راہ پر
 قائم رہے ان کے بعد دوسرے قبیلے بنو نضیر نے پہلے تو الو سفیان کو مدینہ شہر کے دفاع
 کی معلومات ہم پہنچائیں اور پھر مثنیٰ مدینہ میں موجود اشتقاق کی خلاف ورزی کی یہاں تک
 کہ حضورؐ اقدس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کے قلعہ کا بھی محاصرہ ہوا اور ایمان

والوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس محاصرہ کو کامیاب بنایا اور ایک بار پھر آپ کی جانب سے بروقت اقدام کے نتیجے میں مدینے کے اندر امن و سکون برقرار رہا۔ اس مرتبہ بھی آپ نے باغی قبیلے کی جان بخشی کی اور انہیں اپنی تمام منقولہ اشیاء لے جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس بار بھی اللہ کا وعدہ سچ ثابت ہوا۔

ان ینصرکوا اللہ فلا غالب لکم اور اگر اللہ تمہارا مددگار ہوگا تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (ال عمران ۱۶۰:۳)

اور چوں کہ انہوں نے اللہ کی مدد کی تھی اللہ نے بھی ان کی مدد کی اور ان پر یہودی غالب نہ ہو سکے ایک بار پھر اس آیت کریمہ کے اس حصے پر عمل کیا جا چکا تھا۔

استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم
لما یحییٰکم

افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو امن و اخوت کی فضا ہر سو مد نظر رہا کرتی تھی وہ اس لئے تھی کہ رحمت عالم خود امن چاہتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوست و دشمن ہر ایک امن و اخوت سے مستفید ہوتا رہا۔

زیر مطالعہ آیہ کریمہ کو پوری طرح سمجھنے کیلئے سورۃ انفال کی پندرہ دوسری آیات کو بھی دہن میں لے کر مطلب و مفاد سامنے آجاتے ہیں۔ اس لئے کہ جس امن و اخوت کی تعلیم خاتم المرسلین نے دی ہے اس کو قلب و دہن میں جاگزیں کرنے میں ان آیات کریمہ سے مدد ملتی ہے۔ اس سورہ کی پہلی آیت سے ایمان والوں کے اندر امن و اخوت کی فضا قائم رکھنے والا حکم حاصل ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کے اندر یا جنگ کے دوران خود اپنی فوج کے اندر اخوت و یگانگت موجود نہ ہو تو فتح ممکن نہیں ہوتی۔ افواج کے اندر صلح اور دوستی کو تباہ کرنے والی شے مال غنیمت ہوا کرتا ہے، اس پہلی آیہ کریمہ کے الفاظ غور طلب ہیں۔

یَسْلُونَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ
الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَصْلَحُوا ذَاتَ بَیِّنَکُمْ

(اے محمد) لوگ تم سے مال غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے۔

وَاطِيعُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (الانفال ۱۸)

پس اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس میں صلح قائم رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع رہو۔

اس حکم نے ہمیشہ کیلئے ایک ایسا نظام قائم کیا جس کے نتیجے میں فوجوں کا انضباط مضبوط ہو گیا عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں اس سے قبل مالِ غنیمت اس کا حق سمجھا جاتا تھا جو اس پر قبضہ کر لیتا تھا۔ جب دست بدست رطائی ہوئی تو مقتول کی زرع اس کی تلوار اور اس کی پوشاک یا وردی بھی قتل کرنے والے کا مال سمجھا جاتا تھا مگر اس دستور کے نتیجے میں رطائی میں تعطل واقع ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ قرینِ عدل و انصاف نہ تھا کہ تیر انداز اور دوسرے دستے جو فوج کا دفاع و سرسختیاں کر رہے ہوتے انہیں مالِ غنیمت سے محروم رکھا جائے یا وہ لوگ جو دشمن کے تعاقب میں دوڑ نکل جاتے اور مالِ غنیمت جمع نہ کرتے انہیں بھی محروم رکھا جاتا۔ بعد کے ادوار یا آج کے دور کو دیکھیں جہاں فوجوں کا پھیلاؤ میلوں بلکہ سینکڑوں ہزاروں میلوں پر محیط ہوتا ہے وہاں مالِ غنیمت کو یکجا کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہو سکتا اس طرح مالِ غنیمت کو اللہ اور اللہ کے رسول کا مال قرار دے کر باہمی رنجشوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہ رہا۔ اگر فوج مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہو جائے تو جتنی ہوئی رطائی بھی ہاتھوں سے نکل جاتی ہے جس کا تلخ تجربہ میدانِ احد میں ہوا۔

میدانِ جنگ میں زرد و جاہر کے انبار نہیں ہوتے مگر وہاں اسلحہ ہوتا ہے، زرع و بکتر، تیشہ و سنان ہوتے ہیں جو سپاہی کو بڑے مرغوب ہوتے ہیں مگر انہیں اٹھالینے سے وہ ناکارہ چھوٹا ہے۔ ضرورت سے زائد اسلحہ سنبھالنا نہیں جاسکتا اور وہ دشمن کا ہدف بن جاتا ہے۔

اس موضوع پر اسی سورہ میں ایک اور آیت بھی ہے جس کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ احکامِ قرآنی کس طرح زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہیں۔ فرمانِ الہی ہے۔

وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ
فَاِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ
وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
وَابْنِ السَّبِيلِ (انفال ۴۸)

اور جان لو کہ جو شے تم نے مالِ غنیمت کے طور پر حاصل کی ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا ہے۔ اور اہلِ قربانیت اور یتیم، مسکین اور مسافروں کیلئے ہے۔

دور نبوی میں سپاہی اپنے سپہیار اور اسلحہ اپنی گروہ سے خرید کر لانا تھا۔ اسے تنخواہ نہ ملتی تھی۔ اس کو راشن نہ ملتا تھا، اس کی سواری اپنی ہوتی تھی، اس لئے اس دور کے مجاہدوں کو مجموعی طور پر غنیمت کے چار حصے ملتے تھے۔ اور پانچواں حصہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت قرار دیکر اہل قرابت، ملت کے یتیموں، مساکین اور مسافروں، مہمانوں کیلئے رکھ لیا جاتا تھا۔ اللہ کے اس حکم کے مطابق آپ مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے۔ بالیف قلوب کیلئے اسی خمس سے زخم خراج کی جاتی تھی۔ آج سپاہی کو تنخواہ، راشن، دروی اسلحہ اور سواری لینے پر سرشاریہ ریاست کی طرف سے ملتی ہے اس لئے مال غنیمت آیہ کریمہ (۱۰۸) کے مطابق تمام کا تمام ریاست کا ملکیت پاتا ہے، آج پوری دنیا اللہ کے اس عطا کردہ حکم کے مطابق مال غنیمت کا استعمال کرتی ہے۔

دور نبوی کے مجاہد شمع رسالت کے ایسے پروانے تھے کہ جو ا

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى
الرَّسُولِ تَرَىٰ أُعْيُنُهُمْ تَفِيضُ
مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ ۸۳:۸۵)

یہ اس امت کے افراد تھے جس کو اللہ العلیق نے بہترین امت کا خطاب دیا ہے۔
کنتم خیر امتی اخرجت للناس
جتنی امتیں انسانوں کی وجود میں آئیں ان میں سے تم بہترین امت ہو۔

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ -
تم نیک کام کا حکم دیتے ہو اور برائی سے
روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(ال عمران، ۱۱۰:۱۱۲)

عالم انسانی کے اندر نیکی کا حکم دینے اور بدی سے ظالم کا ہاتھ روکنے کیلئے مضبوط ہاتھوں کی گرفت کو آہنی پنجے کی مانند ہونا ہوتا ہے۔ امن اور اخوت قائم ہی اس صورت میں ہو سکتے ہیں جب کوئی طاقت بدی کو ختم کر سکے اور نیکی کی طرف لوگوں کو لینے دوسری امتوں کو ہٹل کرے۔ یہ کردار صرف وہ امت ادا کر سکتی ہے جس کے پاس طاقت ہو اور جو اللہ اور اللہ کی طرف سے دی گئی زندگی بخش دعوت پر لبیک کہہ کر میدان میں اترنے کی محنت رکھتی ہو۔ اس کی بنیادی شرط اللہ پر مکمل ایمان ہے۔ اپنی طاقت کو امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر کیلئے وہی امت استعمال کر سکتی ہے جو اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتی ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست قائم کی اسے بنیادی قانون یعنی، آئین مملکت عطا کیا اور پھر اس مملکت اور اس ریاست کو طاقت و بنایا۔ مگر اس طاقت کا استعمال امر بالمعروف کیلئے استعمال کیا۔

آج کا فلسفہ یہ ہے کہ طاقت کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کیا جائے ایک مغربی منکر لکھتا ہے۔ "طاقت کا حصول اور اس کا استعمال ایک خاص مقصد کا محض ذریعہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم طاقت کس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ جواب ہمیشہ کی طرح آج بھی یہی ہے کہ ہم طاقت کے ذریعے اپنا سیاسی مقصد حاصل کر سکیں۔" را

طاقت کے اس مقصد کا موازنہ طاقت کے اس مقصد کے ساتھ کیا جائے جو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کو توڑنے والوں کے خلاف کیا تھا۔ نبوکمر جنہوں نے صلح حدیبیہ کے وقت اعلان کیا تھا کہ وہ آئندہ مکہ کے حلیف ہوں گے۔ انہوں نے مکہ کی مدد سے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا جو مدینہ کے حلیف تھے ظلم کی انتہا یہ تھی کہ حدود حرم کعبہ تک ان کا پیچھا کیا گیا۔

جب بنو خزاعہ شکایت بیکہ حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے طاقتور ہونے کے باوجود اہل مکہ کو خون بہا ادا کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ارکار کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ پھر صلح حدیبیہ کو ختم کرنے کا اعلان کرو۔ اہل مکہ نے کہا کہ جہاں تک ان کا تعلق ہے صلح ختم ہو چکی ہے۔ اب مکہ کے خلاف کارروائی عمل میں آئی۔ خارجیت کا ارتکاب کرنے والے کو رد موقع دیئے گئے کہ وہ امن و صلح کو قائم رکھے مگر اپنی طاقت کے نشے میں مدھوش تھے۔ اور جب خارج دشمن امن قائم کرنے سے منکر ہو گیا تو آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فلسفہ کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے ایسی فتح حاصل کی کہ دشمن مرنگوں ہو گئے۔ جی چاہتا ہے کہ "خیر امتہ اخرجت للناس" کے فلسفہ پر مبسوط تحریر

۱۔ Rear Admiral کا کتاب Military Concepts and Philosophy Henry E. Eccles.
پبلش پونیورسٹی پریس، نیوجرسی ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۱۔

صبح و شام پیش ہوتی رہیں اور ہر بار "صلو علیہ وسلم" کی صلابت ہوتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کیلئے رؤفے رحیم اور رحمۃ للعالمین کے خطاب خود خالق کائنات نے عطا فرمائے ہیں۔ وہی دنیا کی واحد ہستی ہے جن کی بیست طاقتور انسان کو اور طاقتور ریاست کو صراطِ ستیقیم پر قائم رکھ کر خیر امتیہ کے اعزاز کے قابل بنا سکتی ہے۔

آج اس بہترین امت کے ناعلفِ اخلاف پر چہار سو ظلم و ستم دیکھتے ہوئے اور خود اپنے اوپر ظلم و ستم پایا ہوتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کو تو کہا گیا تھا کہ کسی مظلوم کی آہ سنو تو دستِ شمشیر کو بلند کرتے ہوئے میدانِ کارزار کا رخ کرو۔

وما لکم لا تقابلون فی سبیل اللہ
والمستضعفین من الرجال والنساء
والولدان الذین یقولون دینا
آخر حنا من ہذہ المقریۃ
الظالم اہلہا۔
واجعل لنا من لدنک ولیاً
واجعل لنا من لدنک نصیباً

اور تم نہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں
قتال نہیں کرتے ہو اور ضعیف اور بے بس
مرد عورتیں اور بچے موجود ہیں جو پکارتے
رہے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس بستی سے
نکال جس کے سببے دے ظالم ہیں۔
اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور
اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

النساء ۱۲۷

اگر بہترین امت موجود ہو اور اس میں طاقت ہو

استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ۸: ۲۴

پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو وہی مظلوموں کی پکار پر پہنچ سکتی ہے۔

جب نو خزانہ کی مظلومیت کی پکار ریاستِ مدینہ کے سربراہ اور اللہ کے آخری نظامِ حیات کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تو وہ ظلم کو ختم کرنے کیلئے اور ظالم کے ہاتھ ظلم سے روکنے کیلئے مظلوم کے حامی اور مددگار ہو کر پہنچے اور پھر اس سرزمین میں سبیلوں تک ظلم کا لہر بلند نہ ہو سکا۔ اس طرح کی طاقت کے وجود کو عصرِ حاضر کا ایک معروف مینا دان بھی مانتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

وہ لوگ جو امن چاہتے ہیں اور امن سے محبت رکھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ صلح

کیلئے اتنی ہی طاقت استعمال کریں جتنی وہ اپنی فتح کیلئے کرتے ہیں اور عدل و انصاف کے لئے اتنے ہی کوشاں رہیں جتنا کہ وہ امن کیلئے کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ کریں گے تو ان کو نہ عدل حاصل ہوگا۔ اور نہ امن۔ امن کے بھی سکے کی طرح دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک رخ وہ ہے جو طاقت کا ہوتا ہے اور دوسرا رخ قیام امن کا ہوتا ہے۔ امن اور عدل کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ طاقت دلس نے جو کچھ کہا ہے اس کو عملی طور پر صرف امت مسلمہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم کی رہبری میں ادا کیا ورنہ اس معروف سیاستدان کے الفاظ کو مستند یورپ آج تک عمل کا جامہ نہیں پہنا سکا۔ سندھ کے ساحل پر ایک مظلوم لڑکی کی آواز پر ہزاروں میل دور سے اللہ نے ٹلک بھیجا اور اس پکار کے جواب نے کئی مظلوموں کی آزاری دLANے کے علاوہ اس برصغیر پر نور کی شمعوں کی باریش شروع کر دی ۲۔ مگر اس وقت امت کا امن منقسم نہ تھا۔ جب مسلمانوں کا امن منقسم ہو گیا تو رفتہ رفتہ انہوں نے جہاد سے بھی موڑ لیا اور وہ بھول گئے کہ جہاد فرض ہو جانے پر اس سے غفلت کا انجام سختی کے متعلق اللہ نے شروع سے باخبر کر دیا تھا۔

الا تنصرف ابعذ بکم عذابا الیما
و یستبدل قومًا غیرکم
(التوبہ ۳۹:۹)
اگر تم (میدان جنگ کو) کوچ نہ کر گے تو تمہیں
بڑا سخت عذاب دے گا۔ اور تمہاری جگہ
دوسری قوم سے بدل دے گا۔

حملہ آور جارح کا مقابلہ نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ حسن قوم یا ملت پر حملہ ہو رہا ہے وہ اپنے دفاع کی طرف غفلت برتتے رہے ہیں اور اب شکست کے خوف سے بغیر لڑے تنہا ڈالنے پر تیار ہیں۔ یہ نردلی اور موت کے خوف کا نتیجہ سوا کرتا ہے موت سے وہی انسان خوف کھاتے ہیں جنہیں اللہ پر ایمان نہیں ہوتا اور اس دنیا کی زندگی کو کشتیوں میں وہ اس قدر منہمک ہو چکے ہوتے ہیں کہ انہیں یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ موت تو بہر معنی آتی ہے۔ میدان جنگ کی طرف کوچ کرنے سے انکار یا وہاں سے بھاگ

۱۔ جان فامسٹرڈس۔ جنگ اور امن WAR & PEACE میک کلن کینی، نیویارک ۱۹۵۱ء

۲۔ محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی فتح کا واقعہ

۳۔ قل مناع الدینا قلیل (النساء ۷۷:۱۲)

آنے سے موت مل نہیں سکتی۔ موت تو مستبوظ قلعوں کے اندر بھی پہنچ جاتی ہے۔ عدا
اس لئے جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیتے ہیں :-
اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ تُوَّاسِ وَقْتُ اس دُعوت پر لَبِیک لَبِیک کہتے ہوئے
ان کے حکم کی تعمیل کرو اور پھر اس تعمیل حکم کے انعام کے طور پر آزاد زندگی بسر کرو۔ ایسی
آزاد زندگی جس میں تم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی عطا کردہ شریعت کے مطابق اپنے شب
وروز گزار سکو گے۔ ورنہ اگر جہاد سے منہ موڑو گے یا کمزوری کے باعث دشمن سے
اس کی شرائط پر صلح کی درخواست کرو گے تو اللہ کی عبادت سے بھی محروم کر دیے جاؤ گے
اس لئے اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہوئے صلح کی درخواست مت کرو۔

مکہ اور مدینہ کی جنگ میں پہل مکہ کی جانب سے ہوئی تھی۔ مسلمان تعداد میں کم اور
جنگی وسائل کے اعتبار سے انتہائی طور پر کمزور تھے۔ مگر اس کے باوجود رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کے صلح کو قبول فرمایا۔ اس کمزوری کے باوجود تعمیل
حکم خداوندی کے سلسلے میں اللہ نے انہیں فتح فرمائی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ
اذِلَّةٌ ۖ
اور اللہ نے بدر (کی لڑائی) میں تم لوگوں
کی مدد کی تھی اور جب تم انتہا درجہ تک
بے سر و سامان تھے۔ (آل عمران ۱۲۳:۳)

گو شروع میں چند لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں پر خوف طاری ہو گیا تھا اور وہ ایسے سفر پر
جانے سے ڈر رہے تھے جس کے دوران جنگ کا خطرہ ہوا۔ اہل طاع مل چکی تھی کہ مکہ والوں
کے دو گروہ مکہ سے باہر ہیں۔ ایک قافلہ اور دوسرا لشکر۔ اس لئے بعض افراد اس سفر
سے جان بچانا چاہتے تھے۔ اس واقعہ کو یاد دلانے ہوئے اللہ العلیمن نے فرمایا ہے۔

کَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ
وَأَنْتَ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
لَكُرْهُونَ ۚ يَجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ
بَعْدَ مَا بَيَّنَّ كَأَنَّمَا لِيَاقُوتُ
أَلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۚ
(الأنفال ۸: ۵-۶)

جب اللہ نے (اے محمد) تم کو حق کے ساتھ
گھر سے روانہ کیا تھا اور مسلمانوں کا ایک
گروہ اس کے خلاف تھا وہ لوگ حقیقت
معلوم ہونے کے بعد بھی تمہارے ساتھ جھگڑ
رہے تھے۔ جیسے وہ نظر آتی ہوئی موت
کیطرف دھکیلے جا رہے تھے۔

میں تیار کئے مگر نہ سہی اختلافات کی وجہ سے ایران کے حکمرانوں نے انہیں اپنی بندرگاہوں سے پانی نہ لینے دیا اور وہ دونوں پیڑے ختم کر دیئے گئے اس کے نتیجے میں یورپی قزاقوں کو کھل کر کھیلنے کا پورا پورا موقع ملتا رہا۔ "ان قزاقوں کی دونوں اقسام (ایک آزاد اور دوسرے اپنی حکومت کی طرف سے فرستادہ) مسلمان جہازوں کو نشانہ بناتی تھیں۔ مسلمانوں کے یہ جہاز سندوستان اور خلیج کی بندرگاہوں کے مابین تجارت کرتے تھے۔ آزاد قزاق اور وہ جہاز جو قزاقی کیلئے چارلس اول، کارڈینل رچو اور سان مائو اور سان اوریباں کے تاجرانِ عرب سے لیس کر کے روانہ کرتے تھے وہ سبھی مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتے تھے۔ "عرا ایک ایک جہاز سے لاکھوں روپے اور دوسرا سامان لوٹا جاتا تھا۔ اوسطاً ساڑھے تین ٹن سونا ہر سفر کے بعد یہ جہاز مسلمانوں سے لوٹ کر یورپ لے جاتے تھے۔ یہ اس لئے کہ اب زندگی بخش دعوت پر عمل مسلمانوں کے بس کی بات نہ رہی تھی۔ اگر یہی دولت جوان سے لوٹ لی جاتی تھی وہ جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کرتے تو ان کی تجارت اور حکومت بھی قائم رہتی صرف سمندر پر سر ہا نہیں خشکی پر بھی مسلمان ظلم سہہ رہے تھے۔ مگر اتحاد امت کی طرف کسی سمت سے دعوت بلند نہ ہوتی تھی۔ "ہزاروں مسلمان جو عیسائی بننے سے انکار کرتے تھے وہ پاک عدالتوں (Holy Inquisitions) کے رحم و کرم کے حوالے کئے جاتے اور سخت عذاب کے بعد قتل کر دیئے جاتے تھے۔ "یہ سزا انہیں اس لئے دی گئی تھی کہ انہوں نے متحد ہو کر کفار کے مقابلے کیلئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بخش دعوت پر لبیک کہنے سے انکار کیا تھا۔ مسلمانوں نے قتلوں کے خلاف جہاد کی تیاریاں ختم کر دی تھیں۔ حالانکہ حکم ہے!

وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ط

اور جب تک فتنہ ختم نہ ہو ان کے خلاف رٹائی جاری رکھو اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

(البقرة ۱۹۳:۲)

۱۔ چارلس گرسے *Pirates of the Eastern Seas* مارشون لندن ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲۔
۲۔ ڈاؤنڈ میکاری *The Khalifate of the West* مارشل ہیملٹن اور کینٹ اینڈیکینی لندن۔

سیرت طیبہ مجہ وقت ملت اسلامیہ کے لئے رہنی چاہیے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاست مدینہ پر جب تیسری بار قریش مکہ نے حملہ کیا تو ان کے ہمراہ خیبر کے یہودیوں کا ہزاروں پر مشتمل لشکر بھی موجود تھا۔ اس حملے کے نتیجے میں مدینہ اور خیبر کے درمیان حالت جنگ (State of War) کا قانونی طور پر آغاز ہو چکا تھا۔ پھر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر قریش مکہ کے ساتھ صلح کر لی۔ اس معاہدے کی ایک شق میں واضح طور پر دوسرے لوگوں کو بھی اجازت دی گئی تھی کہ وہ مدینہ یا قریش مکہ میں سے ایک کے حلیف بن جائیں۔ اس شق کے اعلان ہونے پر بنو خزاعہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حلیف بننے کا اعلان کیا اور بنو بکر اہل مکہ کے حلیف بنے۔ اگر خیبر کے یہودی اس شق سے فائدہ اٹھا کر مدینہ کے ساتھ حالت جنگ (State of War) ختم کرنا چاہتے تو جنگ ختم ہو سکتی تھی۔ مگر انہوں نے جنگ ختم کرنے کی بجائے بنو غطفان کے ساتھ مل کر ایک بار پھر مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اس کے نتیجے میں غزوہ خیبر عمل میں لایا گیا مگر شکست خوردہ دشمن کو معاف فرما کر ان کی زمینوں پر ضرر کی حیثیت سے رہنے کی ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت فرمایا خیبر کے یہودیوں کی شکست کے نتیجے میں اپنے غزوہ خیبر کے زندگی بخش عمل کے نتیجے میں اس نقطہ میں مکمل امن وامان قائم ہو گیا۔

آج کی جنگوں سے جو غیر تسلی بخش نتائج برآمد ہوتے ہیں اور جس طرح ایک جنگ کا خاتمہ دوسری جنگ کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اگر ان کا موازنہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے ساتھ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آج کی جنگ کبھی نہ ختم ہوئی والی جنگ ہو کر رہی ہے۔ قتال کے ختم ہو جانے پر سرد جنگ اور اقتصادِ جنگ شروع ہو کر پوری نوعِ انسانی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ دوسری طرف غزوات نبیؐ کا ہر غزوہ اور ہر سربہ اس خطے کو امن وامان اور صلح و اخوت کی گراں بہا دولت عطا کرتا تو مغرب کے ایک مفکر نے جنگ کے بعد ایامِ صلح کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اگر تم اپنی توجہ صرف فتح پر مرکوز کر دو گے اور جنگ کے بعد نتائج پر توجہ نہ دو گے تو شاید تم جنگ جیتنے تک اس قدر کمزور ہو چکے ہو گے کہ اپنی فتح سے فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔"

یہ صورت حال دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کو پیش آچکی تھی۔ صلح حدیبیہ اور پھر فتح خیبر کے بعد کی صلح کو دیکھا جائے تو کس قدر فرق معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بخش دعوت پر لبیک کہنے والوں نے کس طرح خیرۃ العرب میں امن اور اخوت کے بحال ہوئے تھے جو صدیوں تک اپنے پھل دیتے رہے۔

اگر یہ زندگی بخش دعوت وقتاً فوقتاً نہ دی جائے اور اللہ پر ایمان رکھنے والے جہاد فی سبیل اللہ کا عزم نہ کریں تو دنیا فتنہ و فساد کے کبھی نہ ختم ہونے والے تسلسل کا شکار ہو جائے جیسا کہ گزشتہ صدیوں کے دوران ہوا رہا ہے۔ ایک مورخ نے لکھا ہے: ”۹۰۱ عیسوی سے لے کر اب تک روس نے اوسطاً ہر صدی کے چھیالیس سال جنگ کرنے میں گزارے ہیں۔“

اور اس کے نتیجے میں لاتعداد معصوم جانیں ضائع ہوئی ہیں اور متعدد مسلمان ریاستوں کے اندر اللہ کا نام لیا ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ اللہ العلیین کا ارشاد ایسے موقعوں پر یاد آنا چاہیے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهَادَمَتْ صَوَامِعُ وَبُيُوعُ
وَصَلَوَاتُ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ
فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ
وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ ۗ

اگر اللہ انسانوں کو ایک دوسرے سے نہ
بچاتا تو
اور عبادت خانے اور مسجدیں توڑ دی جاتیں
جن میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے۔
اور جو اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ بھی اس کی مدد
کرتا ہے۔

اور چونکہ مسلمان اللہ کی مدد کرنے سے غافل رہا اللہ نے اس کی مدد نہ کی اور اس کی مساجد
پر تلے ڈال دیئے گئے۔ اس زندگی بخش دعوت کا حکم ماننے سے بعد جہاد کی تمام آزمائشوں
پر پورا اترنے میں اللہ تعالیٰ مسلمان کو پوری پوری مدد عطا فرماتا ہے۔ ذات الہ العلیین
ہی تو ہے جو انسان اور اس کے خوف کھاتے ہوئے قلب کے درمیان حائل ہو کر اسے
جنگ کی تمام آزمائشوں میں سرفراز کرتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبه وانہ الیہ تحشرون ۵

اور (سب لوگ) جان لو کہ اللہ حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے قلب کے درمیان اور یہ بھی (یاد رکھو) کہ (بالآخر)

(الانفال: ۸۰-۸۱)

تم سب اس کے رد و جمع کئے جاؤ گے۔ اور انسان کا قلب اللہ کی جانب سے مضبوط اسی صورت ہو سکتا ہے کہ انسان کو قیامت پر ایمان ہو اور اس کا دل گواہی دیتا ہو کہ قیامت کے دن مالک کل وہ جل شانہ ہو گا جو طاقتور سے طاقتور دشمن کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور اسے کئے قلب کو مضبوط رکھتا ہے اور اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں ہوتی۔ اللہ جل جلالہ انسان کے ذہن کے منتشر خیالات اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کا مقابلہ اللہ پر ایمان ہی کے ذریعے کر سکتا ہے، ایک مغربی مفکر کہتا ہے۔

”ایمان بہت بڑی چیز ہے، زندگی بخش، اس کے ذریعے قوموں کی تاریخ ترمیم ہو جاتی ہے۔ اس سے روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔“^۱

یہ ایمان کی دولت ہی تو تھی جس نے باز نطین حبیبی طاقتور سلطنت کو سرنگوں کیا۔ اس دور کی باز نطینی فوج کی تعریف میں ایک عسکری مورخ لکھتا ہے۔

”جرات میں وہ اپنے دشمنوں کے برابر تھی، انضباط، تنظیم اور اسلحہ میں وہ ان سے طاقتور تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے پاس ردی تزیورات (strategy) اور تدبیرات (Tactics) کی مکمل تعلیم موجود تھی۔“^۲

ایسی فوج کو مسلمان مجاہدوں کے ایمان ہی نے شکست دی تھی۔ ورنہ مسلمان تعداد اور اسلحہ میں باز نطینیوں سے بہت کم تھے۔ آج اسلام ایک بار پھر مغرب کا مقابلہ کر رہا ہے مگر اب اس کی پلیٹ دیوار کے ساتھ ہے اور وہ دفاع کر رہا ہے اس بار حالات پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف ہیں۔ صلیبی جنگوں کے وقت سے بھی زیادہ سے اسلحے کہ دور جدید کے مغرب کے پاس بہتر اقتصادی وسائل اور عسکری طاقت موجود ہے۔^۳

۱۔ کرنل جیارج اسلا Sea Land & Air strategy جان مرے لندن ۱۹۱۴ء صفحہ ۳۱۱

۲۔ او من The Art of War in the Middle Ages کارل یونیورسٹی پریس نیویارک ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۲

۳۔ ٹائمن بی Civilization on Trial آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۸۷۔

یورپ کی اس برتری کا مقابلہ بھی وہی دولتِ ایمان کر سکے گی جو اللہ اور اللہ کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے کے نتیجے میں اللہ ایمان والوں کے درمیان اور ان
کے قلوب کے درمیان حائل ہو کر ان کے تمام قوا کو مضبوط کر دیتا ہے اور ان کو پائے
ثبات عطا فرماتا ہے۔ یہ دولت انہیں عطا ہوتی ہے جو اس پر بغیر جیل و حجت ایمان
بالغیب سے مشرف ہوتے ہیں۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ البقرہ ۲:۲۱
مگر اس لاریب کتاب کے ذریعہ ہدایت انہیں نصیب ہوتی ہے جو متقی ہوں اور مزید یہ بھی
فرمایا ہے کہ:

ومن یؤمن باللہ یصلہ قلبہ
التغابن ۱۱:۶۴
اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس
کے قلب کو ہدایت بخشتا ہے۔

اور جب قلب ہدایت حاصل کرنے کی جانب مائل ہو جاتا ہے تو پھر انسان کیلئے ہدایت حاصل
کرنے کا دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو اللہ کے قائم کردہ حدود کے اندر
رکھے فرمایا ہے:-

الذین یستمعون القول فیتبعون
احسنہ اولئک الذین ہداهم
اللہ واولئک ہم اولوالالباب
النمر ۱۸:۲۹
وہ لوگ جو (نصیحت کی) بات سنتے ہیں
اور اس کے بہترین حصول پر عمل کرتے
ہیں وہی لوگ ہیں جن کو خدا ہدایت بخشتا
ہے اور یہی لوگ ہیں جو عقل والے ہیں۔

اور وہ لوگ جو اللہ کے وجود سے ہی انکار کرتے ہیں انہیں وہ ہرگز ہدایت کے قابل
نہیں سمجھنا۔

واللہ لا یصلی القیوم
الکفرین ۵ (البقرہ ۲:۲۶۴)
اور اللہ کفر (انکار) کرنے والوں کو
ہدایت نہیں دیتا

ایمان والے اللہ کی جانب سے ہدایت حاصل ہونے پر اللہ کا شکر بجالاتے
ہیں اس لئے کہ مشکل اوقات میں جب سحرِ حق و باطل بپا ہو تو اس ہدایت سی کا کوشش
ہوتا ہے کہ اللہ ان کے اور ان کے قلوب کے درمیان حائل ہو کر ان کو ثابت قدمی
کے قابل بناتا ہے۔

وَلْتَكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
البقرة ۱۸۵ : ۲

اور تم اللہ کی اس کی بزرگی کی نسبت سے یاد
کرد اس لئے کہ اس نے تمہیں ہدایت
بخشی ہے اور اس کا شکر ادا کرو۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ ہدایت ہی انجام
کار نفع بخش ثابت ہوتی ہے۔

قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ فَمَا لَهْدَىٰ
الْبقرة ۱۲۰ : ۲

کہہ دو اللہ کی رہی ہوئی ہدایت ہی ہے (اصل)
ہدایت ہے۔

فلسفہ جہاد کے مطابق عمل ہی کے ذریعہ امن و امان اور سلامتی و اخوت کی فضا پیدا کرنے کا یقین
اہل ایمان کر سکتے ہیں۔ مستشرقین بعض اوقات عمداً اور بعض حالات میں جہالت کی وجہ سے
فلسفہ جہاد کو سمجھنے سے باز رہے ہیں۔ مثلاً ان کو شکایت ہے کہ اسلام ایک ہی بار ضابطہ اور
قانون کے طور پر کیوں نہیں آیا، مجید خضوری کہتا ہے۔

”اسلام ایک مکمل ضابطہ کے طور پر نہیں آیا، اس کو آغاز کے طور پر حضرت محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی جانب سے ایک انتباہ (نذیر) کے طور پر پیش کیا اور اللہ کے رسول
پر ایمان لانے کے سوا اور کسی بات کا تقاضہ نہ کیا،“

اس سے شاید اس کی مراد یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا
صرف لفظی سا اقرار مقصود تھا اور اس کے بعد نیک اعمال کی ضرورت نہ تھی حالانکہ ایمان کے
ساتھ اعمال صالحہ کا حکم بار بار آیا ہے۔

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا
اور نیک عمل کئے۔

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ۝
البقرة ۶۲ : ۲

ایسے لوگوں کیلئے اجر ان کے اللہ کے پاس
ہے ان کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ
غمناک ہوں گے۔

اہل ایمان کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ

انہا المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ
وجلّت قلوبہم
واذا قلت علیہم آیتہ
زادتهم ایماناً وعلیٰ ربہم
یتوکلون ۵ (الانفال ۲:۸)

ایمان والے تو ایسے ہیں جب اللہ کا ذکر موتا
سے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔
اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی
جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

یہی وہ مسلمان تھے جو جہاد کی زندگی بخشش دعوت پر مکرراتے ہوئے اور شہادت کی تمنا
کرتے ہوئے اور اپنے خون سے اس کرہ ارض کی آبیاری کرتے ہوئے بنی نوع انسان کیلئے
امن و اخوت کی زندگی کو ممکن بنا کر رخصت ہوئے تھے اگر وہ یہ نہ کرتے تو ظالم لوگ اپنے کمزور
پڑوسوں کو ان کے گھرؤں سے نکالتے رہتے۔ اس لئے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے۔
اور جب ان گنتی کے ایمان والوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بخشش
دعوت کے حکم کو قبول کیا۔ جب وہ عین دشمن کے دروازے پر تاحد شہادت رٹنے کے
بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے بہت راضی ہوا :-

لقد رضی اللہ عن المؤمنین
اذ یبایعونک تحت الشجرۃ
فعلم ما فی قلوبہم فانزل
السکینۃ علیہم
واثابہم فتحاً قریباً ۵
الفتح ۱۸:۲۸

اللہ ایمان والوں پر بہت راضی ہوا
جب وہ تم سے درخت کے نیچے بیعت
کر رہے تھے اور جو (صدق) ان کے دلوں میں
تھا اللہ اس کو جانتا تھا تو اس نے ان پر تسلی
نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عطا کی۔

”تاریخ شاہد ہے کہ ان اللہ پر ایمان لانے والوں نے صحیح معنوں میں زیر مطالعہ آیہ کریمہ
پر عمل کر دکھایا اور وہ لوگ جنہوں نے ان کیلئے حرم کا راستہ بند کر دیا تھا اللہ کے حکم کے مطابق
ان کے معاملوں میں بھی نہ صرف انصاف قائم رکھا بلکہ ان پر رحم و کرم کی بارش بھی کر دی۔
اللہ نے حکم دیا تھا۔“

ولا یجزم منکم شنان قوم
ان صدوکم عن المسجد الحرام
ان تغتدوا۔ (المائدہ ۲:۵)

اور لوگوں کی دشمنی اس بنا پر نہیں
اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں حرم جانے سے
روکا ہے کہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اس حکم کو مانتے ہوئے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کاراستہ روکنے والوں کو جب مکمل طور پر شکست دی تو فرمایا: لا تشرب علیکم الیوم۔ انتم الطلقاء۔ اور ان کے لئے امن اور اخوت کے مہمذروں کے راستے کھلے گئے آج بھی اگر عالم اسلام دکھوں اور مظالم کی ستانی ہوئی نسل انسانی کو امن و اخوت کی فضا سے مستفیض کرنا چاہتا ہے تو اسے اس حکم کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

اذا دُعَاکُمْ لِمَا یحییٰکُمْ
واعلموا ان اللہ یمول
بین المرء و قلبہ و انه
الیہ تتشرون ۵
الانفال ۲۴: ۸

جب وہ تمہیں ایسے کام کرنے کیلئے بلاتے ہیں جو تمہیں زندگی بخشتا ہے اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی (یاد رکھو) کہ تم نے اسی کی طرف لوٹ کر جمع ہوا ہے۔

کتابیات

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(عربی) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اردو - عربی
۱۔ شبلی نعمانی
۲۔ ابن ہشام

انگریزی:

The Laws of Peace & War in Islam

۱۔ مجید غنوری

Annals of early caliphate

۲۔ ولیم میور

Life of Mahomet (S.A.W.).

۳۔ ولیم میور

Life of Muhammad (S.A.W.).

۴۔ ابن اسحاق (انگریزی ترجمہ)

Military concepts & Philosophy

۵۔ مہری۔ اسی۔ ایکلاس (ایڈریل)

War and Peace.

۶۔ جان فاسٹر۔ ڈلس

Islam at the Cross Roads.

۷۔ محمد اسد

Pirates of the Eastern Seas.

۸۔ چارلس گرے۔

The caliphate of the West

۹۔ ڈانلڈ میکائنری

Thoughts of War.

۱۰۔ لڈل ہارٹ

The Causes of War.

۱۱۔ جیافری ملے فی

Sea Lands & Air strategy.

۱۲۔ کرنل، جیارج اسلا

The Art of War in the Middle Ages.

۱۳۔ امین

Civilisation on Trial.

۱۴۔ ٹامس بی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بختِ پیغمبرِ امن عافیت

پروفیسر سیح اللہ قریشی، جھنگ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر معلوم دنیا کی تہذیبی صورتِ حال کو قرآن مجید نے بہت مختصر الفاظ میں مگر بے حد جامعیت کے ساتھ پورے واقعہ کے دیباچہ کے طور پر یہ کہتے ہوئے سمیٹ لیا کہ :-

ظہر الفساد فی البر والبحر (الروم: ۴۱)

پوری زمین میں جہاں جہاں انسان کا تسلط اور رسائی تھی، ایک تہذیبی انتشار اور فتنہ و فساد کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی کی معلوم دنیا کے بارے میں جو قرآن نے حکم لگایا "ہر سچ اس کی مصدق ہے۔ مثلاً ایران میں مانی نے عیسائیت اور مجوسیت کے امتزاج سے ایک ایسے فلسفہ زندگی کو رواج دینے کی کوشش کی جس میں اثناعِ نسل اور تہذیب گریز رویہ اختیار کرنے کو ترجیح دی گئی تھی اور مزدک نے عورت کیلئے مال پیٹی اور بیوی کے رشتوں کا امتیاز ختم کر کے معاشرتی انارکی کو رواج دیا تھا۔ ایران اور روم کے سیاسی جھگڑوں کی زد میں عراق، ایران، مصر اور شام کے بے گناہ عوام حرف غلط کی طرح مٹائے جا رہے تھے۔ مشرقی روم ایرانی حملوں کی پے درپے یلغار سے تھس تھس ہوتا رہا اور مغربی روم بحیرہ من و حشری ٹوٹتے رہے۔ مذہبی اتہری اس پر مستزاد تھی۔ حضرت عیسیٰ کی بشریت کو جبہ الوہیت میں ڈھالا جا چکا تھا۔ عیسائیوں کے مختلف فرقے آپس میں دست درگتے رہاں تھے۔ مذہبی رہنمائی بدکار پادریوں کے ہاتھوں میں آچکی تھی۔ جس سے بے چارے عوام کا ذہنی اور باطنی سکون بھی درہم

برہم تھا۔ یہ جملہ جارج کیل کا ہے کہ :

”اس زمانے میں گر جا کے پادریوں نے مذہب کو پارہ پارہ کر رکھا تھا اور امن، محبت اور نیکی مفقود ہو چکے تھے۔ انصاف اعلانیہ فروخت کیا جاتا اور ہر طرح کی بدعنوانی ہوتی تھی۔“

بالائے عرب ایران اور رومی علاقوں میں اس ناگفتہ بہ بے سکونی کے علاوہ ہمایہ ملک مصر یک وقت ایرانیوں اور یونانیوں کی دست برد کاشکار تھا اور مصری عوام احمق اور اقوام کے ہاتھوں چوپایوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ بت پرستی کی کثرت نے شرف انسانی کو مجروح کر رکھا تھا۔ دور پرے برصغیر میں اس زمانے کی تاریخ ایک نازک دور سے گزر رہی تھی۔ اری دت نے اپنی مشہور کتاب ”سندوستان قدیم“ میں تسلیم کیا ہے کہ اس عہد میں یہاں تین کروڑ دیوتا پوجے جا رہے تھے اور بد اخلاق پرستوں کے ہاتھوں عوام کا ذہنی سکون برباد ہو چکا تھا۔ چھوٹ چھات اپنے عروج پر تھی۔ تباہیوں پر آوارہ گرد اور جرائم پیشہ گروہ موجود تھے۔ جینی بامنی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ ایک عورت یک وقت کئی مردوں کی پوی شمار ہوتی تھی۔ چین میں سن خاندان کے خاتمے کے بعد یک وقت تین خاندانوں میں خانہ جنگی برپا تھی۔ بیچ میں سوئی خاندان نے چین کو کسی قدر سنبھالا بھی دیا اور امن قائم کرنے کی کوشش کی مگر پھر مائی سنگ خاندان کے ہاتھوں صورت حال ابتر ہو گئی۔ ساتھ ہی ساتھ کنفیوشس کی تعلیمات میں بگاڑ نے رسمیات کو اس قدر پھیلا یا کہ معاشرہ ذہنی عذاب میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔

خود جزیرہ نمائے عرب جہاں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اجداد مکہ کی آبادی میں دو ہزار سالوں سے بھی زیادہ عرصہ سے نسلاً بعد نسل سرداری کر رہے تھے اور اس پاس کی عرب آبادیاں جو شام اور عراق سے چین تک کہیں کہیں موجود تھیں۔ ہر جگہ انسان ذات کے اندر اور ذات کے باہر کے سکون کو کھو چکا تھا۔ سود، جوئے اور شراب کی غارت گری نے پوری عرب آبادی کو گھن کی طرف چاٹ لیا تھا۔ چوری چکاری اور جنگ و جدل کے بازار ہر طرف ہر وقت گرم رہتے تھے۔ پورے خطے کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالت دگرگوں تھی۔ قبائل کی نہ ختم ہونے والی جنگوں نے پورے عرب کا امن و سکون تباہ کر رکھا تھا۔

عربوں کے پاس تو کوئی الہامی ہدایت پہلے سے موجود نہ تھی۔ مگر چرچ اس بات پر ہے کہ موجود مذہبی کتب کی تعلیمات بھی قیام امن کی بجائے غارت گری اور فتنہ و فساد پر ہی اگسانے کی تعلیم دیتی تھیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب ”سام ہید“ میں درج اس ہدایت پر پورا پورا

عمل کیا جاتا رہا کہ :-

”اے ویدک دھرمی راجاؤ ! اور دوسرے ویدک دھرمیو ! تم شمشیر جیسے بن کر رعیتوں کو کھاؤ اور چیتے جیسے بن کر اپنے دشمنوں کو باندھ کر جکڑ لو۔ پھر اس کے بعد اپنی مخالفت کرنے والوں کے سامنے سے الگ کھانے تک اٹھالو۔“

یہودیوں کی مقدس کتاب ”تورات“ کے باب استشار میں زیر نگین آجائیوالی قوموں کے بارے میں لکھا ہے کہ :

”جب خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور محروم کیجیو۔ نہ ان سے کوئی عہد کیجیو اور نہ ان پر رحم کیجیو۔“

اور یہ بھی لکھا ہے کہ !

”تم کنعان میں گھس پڑو اور ان کی قوموں کو شکست دیکر اس علاقے میں اپنی قوم کو آباد کرو۔“

ظاہر ہے کہ تورات جو وحی الہی تھی اس میں یہودی ربیوں نے یہ ظالمانہ اور امن دشمن تعلیم تحریر کرنے ہوئے داخل کر دی تھی اور یہودی اقوام اس پر باقاعدہ عمل پیرا ہی تھیں وہ ”انجیل“ میں یہ لکھا ہے کہ :

”اگر کوئی تیرے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو تو اپنا بائیں گال بھی اس کے سامنے کر دے“ اسی میں متی کی انجیل میں یہ بھی درج ہے کہ :

”یہ ست سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔“

اور یہ بھی متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ :

”جس کے پاس تلوار نہیں اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے“

اس بارے میں قرآن حکیم کی تعلیم جو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وحی الہی اور اپنے اسوہ حسنہ سے دی وہ ان مذہبی کتابوں کی تعلیم سے مختلف ہے۔ امن کی خاطر جارحیت کا مقابلہ کرنے کی تعلیم ہے۔ اسلام جو صلح جوئی پر اکسالتا ہے اور لڑائی کی صورت میں بھی امن عامہ کی تباہی کے رویے کی نفی کرتا ہے۔ دنیا میں انسانی آزادی کی حفاظت کیلئے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی روشنی میں منطلعموں اور ایسی قوموں کو جن کے خلاف دشمن پہلے اعلان جنگ کر دیتا ہے۔ جنگ کی اجازت دی ہے۔ مگر یہ قیام امن کی دفاعی کوشش ہے، جارحیت ہرگز نہیں۔ یہاں اگر دشمن ہتھیار ڈال دیتا ہے یا صلح کی درخواست کرتا ہے تو فوراً محض قیام امن کی خاطر جنگ سے ہاتھ روک لینے کا حکم دیتا ہے اور تنبیہ ہے کہ دشمن سے ساتھ بھی زیادتی نہ کی جائے، احادیث میں بے شمار ایسی ہدایات موجود ہیں جن کا لفظاً حالت جنگ سے تعلق ہے مگر جن سے مقصود محض معاشرتی عافیت ہے مثلاً دشمن کا مثلہ نہ کیا جائے یعنی مقتولوں کے اعضاء الگ الگ کر کے لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے (مسلم)۔

بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے گریز کیا جائے (مسلم)

نہ سہی رہنما قتل نہ کیئے جائیں (بخاری)

بوڑھے، بچے اور عورتوں کو نہ مارا جائے، ہمیشہ صلح اور احسان کو مدنظر رکھا جائے (ابوداؤد) مسلمان رٹائی کیلئے نکلیں تو دشمن کے علاقے میں خوف نہ پھیلائیں، اور عوام پر سختی نہ کریں۔ (مسلم)

ایسی جگہ پڑاؤ نہ ڈالا جائے جہاں مقامی آبادی کو تکلیف پہنچتی ہو اور کوچ کے وقت مقامی آبادی کو تکلیف نہ ہونی چاہیے۔ (ابوداؤد)

جنگی قیدیوں کو ان کے رشتہ داروں سے واسطہ رکھنے کی اجازت باقی رہنی چاہیے۔ (ابوداؤد)

(ترمذی)

ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔

امن و عاقبت کی زندگی سے مراد ایک ایسی زندگی ہے جو جامد ہونہ منفیت اور زوال کی طرف رجحان رکھے بلکہ اس کا تہذیبی رخ نمو کی جانب ہو اور معاشرہ اس میں ہمیشہ ارتقاء پذیر رہے۔ عافیت اور امن واقعاً صرف ایسے ہی معاشرے کو نصیب ہو سکتے ہیں چنانچہ اول تو اس دین کا مزاج اس کے نام ہی سے واضح ہو جاتا ہے۔ جو سرچند کہ اساسی طور پر وہی ہے جو سابقہ تمام انبیاء دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔ مگر جو صرف عیسائیت اور یہودیت جیسے ناموں سے پہچانے گئے۔ جبکہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دین کو اپنی مکمل ترین شکل میں محمدیت کے نام سے پیش نہیں کیا بلکہ صرف اسلام

کے نام سے دنیا کے سامنے رکھا اور اسلام کا لفظ سلم سے ماخوذ ہے۔ جس کے ایک معنی امام راعب نے اپنی مفردات میں امن و عافیت کے بھی ثنائے ہیں۔ جبکہ ایمان اس دین میں شمولیت کی پہلی شرط ہے اور یہ لفظ بھی امن کے مادہ ہی سے مشتق ہے اور سلامتی اور پناہ کے معنی اس میں شامل ہیں۔ اسمائے حسنیٰ میں ایک نام السلام کے معنی بھی امن اور سلامتی عطا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام المؤمن بھی ہے جس کے معنی بھی امن عطا کرنا ہے۔ قرآن مجید میں:

ادخلوا فی السلم كافة (البقرة ۲۰۸) سبیل السلام (المائدہ ۱۶)

اور دار السلام کی جملہ ترکیب اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے جس بات کے اظہار کیلئے استعمال کی گئیں، وہ یہی ہے کہ سب کے سب امن و سلامتی والی زندگی کے دائرے میں آجائیں اور چاہیے کہ انسان سلامتی اور امن کے گھر تک پہنچنے کیلئے امن کے راستے تلاش کریں۔ قرآن مجید کی لغت کے یہ جملہ الفاظ اور ترکیب اس پیغام کی ایک خاص روح کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بحیثیت پیغمبر امن و عافیت اس دنیا میں لے کر آئے اور آپ نے جس اجتماعی لمحے میں دنیا بھر کے لوگوں کو خطاب کیا۔ قرآن اس کا گواہ ہے۔ تاریخ انبیاء میں آپ وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کا مخاطب کسی ایک قوم، قبیلے، نسل، گروہ یا انسانی اور جغرافیائی وحدت سے نہیں ہے بلکہ پوری نوع انسانی سے ہے۔ اور دنیا بھر کے انسانوں کو آپ نے ایک پُر امن بنیاد پر جمع کرنے کیلئے انہیں ایک ہی آدم کی اولاد قرار دیا۔ تاکہ رنگ و نسل اور زبان و خط سے تعلق رکھنے کے باعث جو اختلافات ابھر کر دنیا بھر کے امن کو تباہ کر سکتے ہیں ان کی جڑیں کٹ جائیں اور ان امتیازات کی بنیادوں پر جو فسادات ابھرتے ہیں انہیں وحدت انسانی کے رشتے کا احساس ختم کر سکے۔ یہ خطاب پوری نسل انسانی کو بحیثیت پیامبر امن و عافیت آپ ہی کا تھا کہ

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا دیکم الذی خلقکم من نفس واحدة

(النساء)

اور یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ سارے انسانوں کا خالق ایک ہے اور وہ سب ایک ہی انسان کی اولاد ہیں اگر وہ حیاتیاتی اعتبار سے ایک ہی نوع سے متعلق ہیں تو پھر باہمی فساد اور انتشار کیوں برپا ہو۔ یہ درست ہے کہ آبادیوں اور نسلوں کے پھیلاؤ میں نسل حقوق کے

احاسات بھی ابھرتے ہیں جو باہمی نزاع کا باعث بن جاتے ہیں۔ مگر قرآن مجید ان نسلی اور قومی گردنوں کے وجود کو بھی کسی باہمی فوقیت کی بنیاد نہیں بتاتا۔ بلکہ اس کا موقف یہ ہے کہ اونچے نیچے کا کوئی باہمی تصور ان سے قائم نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ تو صرف باہمی شناخت اور پہچان کی ایک صورت ہے چنانچہ اسے اپنی مدد کے اندر رہنا چاہیے۔ اس سے ذات پات کا وہ تصور بہر حال نہیں ابھرنا چاہیے جو بالآخر معاشرتی امن کو تہہ وبالا کر دینے کا باعث بنتا ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ:

وَجَعَلَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ
(الحجرات)

انسانی معاشرے میں بالعموم فسادِ خلق کی ایک صورت اس وقت بھی پیدا ہو جاتی ہے جب انسان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر اتر آئے۔ قرآن نے اس رویے کو بھی ایک مثبت شکل دے دی ہے اور برائی کا جواب برائی کے بجائے نیکی اور حسن سلوک سے دینے کی تعلیم دی ہے۔ جو ہر چیز کے ایک شکل کلم ہے مگر اسلام جو انسان دنیا میں کھڑے کرنا چاہتا ہے ان سے اس مشکل ترین کام کی نہ صرف توقع کرتا ہے بلکہ انہیں اس کی تربیت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے کہا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ه
يَلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يَلْقَاهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ه
(حد السجدہ)

قرآن نے زبانِ رسولؐ بڑی خوبصورت بات یہ کہتے ہوئے ادا کی ہے کہ نیکی اور بدی کبھی ہم پلہ نہیں ہو سکیں۔ برائی کا جواب حسن و سلوک سے دینا چاہیے۔ اگر لوگ یہ وطیرہ اپنائیں تو انسانوں کے تجربے میں یہ بات آئے گی کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا ولی دوست بن جائے گا۔ یہ درست ہے کہ انسانیت کے اس بہت اعلیٰ مقام پر وہی پہنچ سکتا ہے جسے اپنے وجود پر قابو اور گرفت ہو اور جس کے مقدر میں خیر اور سعادت کا بڑا حصہ بھی ہو۔

تاریخِ عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کچھ ادارے ہمیشہ ایسے چلے آئے ہیں جنکے باعث انجام

کارِ فسادِ خلق اور امن عامہ کی اتہری کی صورت ہی پیدا ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے ایک بادشاہت یا آمریت ہے جس سے انسان کی خدائی کا مکروہ تصور ابھر کر انسان کو غلامی کے درجے پر لا کھڑا کرتا رہا۔ قرآن المملکۃ اللہ کا تصور پیش کر کے اس ادارے کی نفی کرتا ہے اور مشاورت کی بنیاد پر قیام امن کی خواہش رکھتا ہے۔ دوسرا ادارہ سرمایہ داری کا ہے کہ اس میں پھر انسانوں کی اکثریت کیلئے دولت کے سامان ہیں۔ قرآن پھر دولت کو سرمایہ داروں کے ماپیں گردش کرتے رہنے کے رجحان کی نفی کرتا ہے اور اس کی بجائے اسے عامۃ الناس میں گردش کے مواقع مہیا کرنے کے احکامات واضح کرتا ہے جس سے معاشرتی امن خود بخود قائم ہونے کے سامان پیدا ہونے لگتے ہیں۔ پھر نسلی گردہ بندی کا ادارہ ہے جس سے استیلا اور ماردھار اور تغلب کا رواج ملتا ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربی اور عجمی کا فرق ہی ختم کر دیا اور فرمایا!

”لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قومیتوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں، یہی عصبیت ہے۔“

اور عصبیت ہی وہ زہر ہے جو قوموں کو جنگ اور بد امنی پر اکساتا ہے۔“

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا! اس کا ہم سے کیا واسطہ جو عصبیت پر اصرار کرے۔“

مذہبی غلو اور شدت پسندی بھی ایک ایسا رقیب ہے جو بلاشبہ معاشرتی امن کا دشمن ہے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے سابقہ ادیان، ان کے نبیوں کے مساوی احترام کا حکم دیا۔ بلکہ اس رقیب کو اسلامی ایمانیات کا لازمی حصہ بنا دیا گیا تاکہ ممکن حد تک ایک دوسرے کے احترام کی صورت پیدا ہو سکے اور مذہبی مسافر کو ہرانہ ملے۔ قرآن نے یہاں تک کہہ کر مذہبی بنیادوں پر قیام امن کے رقیب کو عام کیا کہ:

”لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ“

یعنی دینی معاملات میں اپنوں بیگانوں کے ساتھ جبر اور اکراہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سیرت نبویؐ میں کم از کم دو ایسی مثالیں واضح طور پر موجود ہیں جب تبدیلی مذہب کے سلسلے میں ایک ذرا سی دخل اندازی کا سوال اٹھا تو آپؐ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے دوسروں کو جبراً اسلام کی طرف لوٹانے سے روک دیا۔ ایک موقع پر

جب ابو الحیسن انصاری کے دو جوان بیٹوں نے بعض عیسائی عرب تاجروں کے خیالات سے متاثر ہو کر عیسائیت قبول کر لی اور ان کے ساتھ شام چلے گئے۔ باپ نے حضورؐ سے انہیں لوٹا لانے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل یثربی عربوں میں رواج تھا کہ کسی عورت کے بچے پیدائش کے بعد زندہ نہ رہتے تو وہ نذر مانتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اُسے یہودی بنا دے گی چنانچہ ایسے کی نو جوان مدینہ میں موجود تھے جو عرب یہودی تھے اور بنو نضیر کے ساتھ شامل تھے۔ جب بنو نضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو انصاری الدین نے اپنے بچوں کو ان کے ساتھ جانے سے روکنا چاہا۔ یہ آیت اسی مسئلے پر نازل ہوئی اور معاشرتی عافیت کی خاطر کسی بھی قسم کے مذہبی حیر سے مسلمان کو روک دیا گیا۔

غیر مذہب کے ساتھ ایک پُر امن رابطہ اور رشتہ قائم رکھنے کیلئے قرآن نے ان مذاہب کے ماننے والوں کو یوں دعوت امن و اشتی دی ہے کہ:

تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (آل عمران)

اور کہا کہ تم دوسروں کے دیوبی دیوتاؤں اور اکابرین مذہب کو برا مت کہو مبادا وہ تمہارے رب کو برا بھلا کہیں۔ مذہبیت کے جنون میں یہی وہ نازک مراحل ہوتے ہیں جہاں بائیں جھگڑے اور فساد کھڑے کئے جاسکتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ قرآنی تعلیمات کے حوالے سے ایسے تمام اسکانات ختم کرتا ہے بلکہ:

”لَا تَنزِقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ دِينٍ“

کہہ کر احترام عقائد و مسائل و قادیان مذہب کی ایک ایسی خوبصورت مثال قائم کر دیتا ہے جس سے مذہبی منافرتوں کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ کسی شخص یا گروہ کو جبر و کراہ کے ساتھ دائرہ اسلام میں لانے کی تعلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں دی۔ کیونکہ جبر و کراہ ہی وہ صورتیں ہیں جو معاشرتی ہیئت کے امن و سکون کو ٹپٹ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ قرآن نے کہا ہے:

أَفَاتُ تَفَكَّرُوا النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ

کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

امن و عافیت کے رشتے ہمیشہ عادلانہ رویوں سے قائم ہوتے ہیں اور عدل ایک ایسی چیز ہے جس میں اپنے بیگانے کی نیز اٹھ بانی چاہیے۔ جانب دارانہ رویہ عدل کی بجائے

ظلم کو راہ دیتا ہے۔ اس باب میں پھیلی ہوئی ہنگامیاں معاشرتی فساد کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ قرآن نے اس کی جڑ بھی یہ کہتے ہوئے کاٹ دی۔

وَلَا يَجِدُ مِنْكُمْ شَنْ اَنْ قَوْمٍ عَلَى الْاَلْفِ لَوْ اَعَادَلُوا هُوَ اقْرَبُ

لِلتَّقْوَى ۔ (المائدہ)

کسی قوم کی دشمنی مسلمانوں کو اس قوم سے بے انصافی پر آمادہ نہ کرے۔ دامن عدل کبھی نہ چھوڑو کیونکہ خدا خوفی کے رقبے سے یہی زیادہ قریب ہے۔

معاشرتی زندگی میں ایسے مواقع بھی آ جلتے ہیں کہ دوسروں پر انفرادی یا قومی حسدیت میں زیادتی ہو جائے یا کوئی دوسرے زیادتی پر اتر آئے۔ معافی وہ پہلا اصول ہے جس کا کھلے دل سے اظہار قرآن اور رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) تجویز کرتے ہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں جب زیادتی کا جواب دینا ہی لازم ٹھہرے تو قرآن میں حد اعتدال سے بڑھنا اس معاملے میں بھی سرگزشت درست نہیں کہا گیا۔

فَمَنْ اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ

کوئی تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس کے جواب میں اس حد تک جا سکتے ہو جیسا کچھ کہ دشمن تمہارے ساتھ کرے۔ (البقرہ)

ظاہر ہے یہ عوض معاوضہ گلہ نداشت کی حد ہے اور اسی میں عافیت کے سامان ہیں۔ جیسے قتل کے بدلے میں قاتل کی موت یا قصاص میں معاشرتی عافیت کے سامان ہیں۔ اگرچہ قرآن یہاں بھی معافی کے رقبے ہی کو ترجیح دیتا ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَضَرَ اِنْ ذَا لِكِ الْمُنْعَرِفِ (زمخشری)

ہر جذبہ کے اس باب میں صبر اور معافی کی روش اختیار کرنا ایک بے حد مشکل امر ہے اور بجائے خود ایک کٹھن مہم ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاشرتی امن کے قیام کی خاطر انسان کیلئے لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے کیونکہ اس معافی کا صلہ بے انداز ہے جو محض اس لئے دی جائے کہ بربادی کا سلسلہ کسی طور دیر تک اور دور تک نہ پھیل سکے۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ

صلح ہوئی اور معاف کر دینے کی روش اختیار کرینو اسے کا صلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

نحو بصورت اونچے تلے معاشرتی قیام امن کے امکانات کی حد تک دنیا کے ہر مذہب و ملت میں بہت کچھ مل جاتا ہے لیکن بات وہاں بگڑتی ہے جہاں کہنے اور کر کے دکھانے میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے قرآن امت مسلمہ کے سیاسی وائٹریے میں بھی ایک قوم کی دوسری قوم پر زیادتی کو برداشت نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے صرف قیام امن کی خاطر مسلمان معاشرے کے مسلمان زیادتی کرینوارے گردہ یا قوم کو مل کر سنا دیا تنجو یہ کیا ہے جب تک کہ وہ اپنی غلطی تسلیم نہ کرے اور معاشرہ میں امن کی صورت حال واپس نہ لوٹ آئے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ الَّذِي اَنْقَذَكُمْ مِنْ الْمَوْتِمْ اَقْتَتُوا فَاَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَاَنْقَذَكُمْ مِنْ اَيِّدِهِمَا عَلٰى الْاٰخِرٰى فَقَاتِلُوا الَّذِى تَبَغٰى حَتّٰى تَنْفِرَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَرَغْتُمْ فَاَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسَطُوا اِنْ اَدَّاهُ يَجِبُ الْمَقْسَطُ لَكُمْ اَمَّا الْمُؤْمِنُونَ اخْوَاكُمْ فَاَصْلَحُوا بَيْنَ اَخْرِيكُمْ - وَاقْتُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات)

اسلام گویا ایک معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ ہر فرد اور گردہ کو سیدھے رشتے پر گامزن رکھ سکے اور معاشرہ ونگے فساد سے بچا رہے۔ چنانچہ اہل ایمان کے لئے واضح ہدایت ہے کہ اگر ان میں دو گردہ لڑائی پڑائیں تو معاشرے کے بااثر افراد آگے بڑھ کر دونوں گردہوں کو سمجھائیں اور لڑائی ختم کرانے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر سمجھانے بھجانے سے معاملہ رفع دفع نہیں ہوتا تو معاشرے کو اپنے کمزور اور مظلوم گردہ کی حمایت میں ظالم اور جبر کرنے والے گردہ سے لڑنا چاہیئے اور جب یہ باطنی اور ظالم گردہ حق کی طرف لوٹ آئے یعنی اپنی زیادتی ختم کر دے تو اس کے خلاف قوت کا استعمال بند کر دیا جائے۔ دونوں کے درمیان اس انداز سے صلح کر دینی چاہیئے کہ کوئی گردہ بھی اس میں اپنی بے عزتی محسوس نہ کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال سیر یہ ہے کہ اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے پیش کردہ وحی کو صرف قرآن کی صورت میں ہی تحریری شکل میں دنیا کے سامنے نہیں چھوڑا بلکہ سب سے پہلے خود ان احکامات پر عمل کر کے دکھایا اور اپنے آپ کو اپنے عمل سے پیا بر امن و عافیت ثابت کیا۔ کسی بھی دوسرے فاتح سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ جب وہ واپس ان لوگوں کے درمیان لوٹتا جنہوں نے تیرہ برس اس پر اور اس کے مٹھی بھر ساتھیوں

پر ظلم توڑا اور ہر ستم آزمایا یہاں تک کہ زندگی اجیرن کر دی تو وہ بھی انہی باتوں کو دہراتا اور
 فاشی کی حیثیت میں اپنا بددینیتا اور یوں معاشرتی عافیت کا بیج ہی مارا جاتا ۔ مگر نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ لوٹ کر سب سے پہلا اعلان قرآن کی زبان میں یہی فرمایا کہ !
 لا تشریب علیکم الیوم اذ صبروا فانکم تم الطلقاء
 ” آج تم پر میری طرف سے کوئی بھی سزائش نہیں ۔ جاؤ تم امن و عافیت کی زندگی
 گزارنے کیلئے آزاد ہو ۔ “

رسم انتقام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراج آشنا ہی نہ تھا ۔ حجتہ الوداع کے
 موقع پر کتنی خوبصورت مگر کٹھن بات ، منتقم مزاج عرب قبائل کے ڈیرے لاکھ افراد کے سامنے
 جن کی اکثریت نئی نئی دائرہ اسلام میں آئی تھی ، کہہ دی ۔ ایک بات جو سب کیلئے
 عافیت کی نظمیر کا حکم رکھتی تھی ، فرمایا !

لوگو ! سن لو میں جاہلیت کی تمام رسوم اپنے پاؤں تلے روندنا ہوں اور خون کے
 انتقام کی رسم بھی اپنے پاؤں تلے روندنا ہوں اور خود اپنے بھائی ربیعہ کے خون کے
 مطالبے سے دست بردار ہوتا ہوں ۔ “

اپنی ذاتی مثال پیش کر کے عرب معاشرے میں اس غارتگری اور سلسلہ در سلسلہ قتل کو
 روکنے کی ایک عملی کوشش پیش فرمائی جس سے امن عامہ حال پذیر رہتا تھا ۔ کتنی دلی نواز
 بات یہ پوچھے جانے پر کہ اسلام کی بہترین اور اعلیٰ صورت کیا ہے ؟ آپ نے فرمائی !
 الحمد للہ من مسلم المسلمون من لہ امن و یدم ۔

امن و عافیت کا قائم کرنا مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ دونوں سے دوسرے
 لوگ اپنے آپ کو محفوظ اور مامون پائیں ۔

اس بات سے انکار ممکن ہی نہیں کہ بعض صورتوں میں قیام امن کیلئے جنگ کے سوا کوئی
 چارہ باقی نہیں رہ جاتا کیونکہ معاشرتی امن کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں فتنے کا وجود ہی باقی
 نہ رہے ۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ فتنہ تو قتل و غارتگری سے
 بھی خوفناک چیز ہے ۔ اس لئے قرآن ایک ایسی جنگ کا قائل ہے جو قیام امن پر منتج ہو مگر
 امن کو براد کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑنے کا حکم تو دیتا ہے پر زیادتی کرنے
 کا حکم ان کے لئے بھی نہیں جاری کرتا ۔ اپنے عمومی رویے میں اسلام جارحیت کو رواج

نہیں دیتا بلکہ مدافعت کا قائل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی موقع پر کسی بھی ایسی درخواست کو رد نہیں فرمایا جو قیام امن کیلئے پیش کی گئی ہو۔ صلح حدیبیہ اس کی بین مثال ہے جسے ابتداء میں صحابہؓ نے بادل ناخواستہ قبول کیا تھا اور شاید بعض نے تو اسے اپنی بے عزتی بھی خیال کیا لیکن چونکہ اس کے نتیجے میں ایک فتنے اور جھگڑے کے اسباب ختم ہونے کے امکانات روشن ہوا تھے۔ یہ شوق اس عہد کے کا باقاعدہ حصہ تھی کہ:

”عرب قبائل کو اس بات کا آزادانہ اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علیف بن جائیں اور چاہیں تو قریش مکہ کے ساتھ ہوں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس برس کی صلح اور امن کے مطالبے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس لئے کہ قرآن نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ:

”فَانْجِنُصُوا لِلّٰسِلْمِ فَاَجْنَحْ لَهَا“

”اگر دشمن صلح پر اتر آئے تو تم بھی صلح جوئی اختیار کرو۔“

چنانچہ اپنی حیات طیبہ میں دشمنوں کی جارحیت کے خلاف جو کچھ مدافعتی جنگی رویہ آپ کو اختیار کرنا پڑا وہ ماردھار کی پالیسی پر نہیں تھا اور قیام امن و عافیت کی ایک ممکن حد تک محتاط مدافعتی جنگی پالیسی تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بہت مناسب لفظوں میں یوں کہا کہ:

”اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی جگہ مجبور

کرنا پسند فرمایا۔“

اور پھر لکھا کہ!

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست قریش کو تباہ و نابود کرنے پر نہیں بلکہ بالکل

مکڑور رکھ کر بے بس اور مغلوب کرنے پر مشتمل تھی۔“

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ قتال و جہاد کے پیچھے بھی قیام امن کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔ یا پھر ایک ایسا جذبہ اصلاح کارفرما تھا جس کا آخری نتیجہ قیام امن کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاتحانہ داخلہ اپنے اندر کسی اعتبار سے آپ کو پیام بر امن و عافیت ثابت کرنے کے دلائل رکھتا ہے۔ مہاجرین اپنے اس آبائی شہر میں داخل ہوئے تھے جہاں ان کا جنیاد و بھر کر دیا گیا تھا۔ ان کی جائیدادیں اور اہل و عیال چھینے گئے تھے۔

ان کے کاروبار ختم کر دیئے گئے تھے۔ ان پر کھلے بندوں ظلم و ستم روا رکھا گیا تھا۔ لیکن کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ :

”جو شخص کعبہ میں چلا جائے یا اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے یا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی حویلی میں پناہ لے لے یا حکیم ابن خزائمہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں چلا جائے گا ان سب کیلئے امن و عاقبت کی ضمانت ہے۔“

چند برس پہلے اس شہر کی گلیوں میں بلال رضی اللہ عنہ کو پتھروں پر گھٹایا جاتا تھا۔ ممکن ہے ان کے جی میں انتقام کا لاوا ابل رہا ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی ایک امن بھری کیفیت میں تبدیل کر دیا جب آپ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ :

”جو شخص ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے کھڑا ہوگا جو بلال رضی اللہ عنہ کے مدنی بھائی تھے اسے بھی امان دی جائے گی اور ساتھ ہی بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تم ساتھ ساتھ یہ کہتے جاؤ کہ جو کوئی میرے بھائی کے پرچم تلے آجائے گا اسے امان ہے۔“

پناہ فریش مکہ نے اس منظر کو دیکھا اور حیرت زدہ ہوئے۔

مکہ کے اندر داخلے سے پہلے جب مدینہ سے چلتے ہوئے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے لشکر کا جوش و خروش اور ان کی تعداد دیکھی اور ایک دشت کے کمانڈر سعد بن عبادہ کے اس جوش بھرے جملے کو سنا کہ :

”آج اللہ نے ہمارے لئے تلوار کے بل پر مکہ میں داخل ہونا عطا کر دیا ہے آج ہم قریش کو ذلیل کر کے رکھ دیں گے۔“

تب ابوسفیان رضی اللہ عنہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فوراً ملے اور کہا۔

”یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے لشکر کو اپنی قوم کے قتل کی اجازت دیدی ہے؟ ابھی سعد بن عبادہ کو میں نے یہ کہتے سنا ہے۔“

فرمایا: ابوسفیان! آج رحم اور امن و عاقبت کا دن ہے، سعد بن عبادہ نے بے شک غلط کہا۔“

پھر سعد بن عبادہ کو حکم بھیجا کہ فوراً اپنا جھنڈا اپنے پیٹے قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے صرف اس بات کا اظہار مقصود تھا کہ میں سستیوں کو اجاڑنے کیلئے اور جاہلی انداز میں انتقام لینے کیلئے نہیں آیا ہوں۔ مجھے ہر حالت میں قیام امن کی

مورت پیدا کرنا ہے۔ ابوسفیانؑ سے ساتھی حکیم ابن خزامؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے صحابہؓ کا لشکر حراہ دیکھا تو کہا۔ یا رسول اللہ! کیا یہ لشکر آپؐ اپنی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے اٹھا لائے ہیں۔ ”فرمایا“ ان لوگوں نے گناہ کیا اور ظلم کیا اور تم لوگوں نے حدیبیہ میں باندھے ہوئے امن کے عہد کو توڑ دیا اور بے گناہ بنو خزاعہ کا خون حرم کی حدود میں بے دردی سے بہایا اور حرم جائے امن ہے۔ حکیمؓ نے کہا، اے یا رسول اللہ! یہ تو ٹھیک ہے فتح مکہ کے موقع پر دراصل بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پالیسی سی نہ تھی کہ مکہ پر جارحیت کی جائے اور قتل و غارت گری ہو۔ اس موقع پر تو معافی کا اعلان عام تھا۔ اور مکہ کے اندر مختلف سمتوں سے داخل ہونے والے کمانڈروں کو یہ حکم تھا جو بے شک دشمن ہتھیار نہ اٹھائے تم ہتھیار مت اٹھاؤ۔ پھر لوں ہوا کہ مکے کی ایک جانب غالباً اعلان معافی کی اطلاع نہ ہو سکی تھی۔ یا ممکن ہے کچھ لوگ مقابلے پر اتر آئے ہوں کہ خالد بن ولیدؓ کا ان سے مقابلہ ہوا اور کچھ لوگ مارے گئے۔ ابوسفیانؓ نے شکایت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً خالدؓ کو طلب فرمایا اور شدید مار مار مٹی کا اٹھارہ فرماتے ہوئے پوچھا کہ تم نے ہتھیار کیوں اٹھائے جب کہ میرا پیام امن سارے مکہ کیلئے عام تھا۔ خالدؓ نے صورت حال بیان کی تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و عافیت سی کاروبار اپنانے پر زور دیا۔ قلعہ فصوص کو خیر کے علاقے میں فتح کرنے کے لیے علیؓ کو روانہ کرتے ہوئے انہیں لوگوں کو نہیں نہیں کرنے کا حکم دینے کی بجائے یہ ارشاد فرمایا کہ دیکھو اگر تمہارے درپے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت مل جاتی ہے تو یہ تمہارے لئے زیادہ بڑی نعمت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و عافیت کی ایک تاریخی مثال وہ تحریری عہد نامہ بھی ہے جو آپؐ نے نجران کے عیسائیوں کیلئے بطور ایک امان نامہ کے لکھوایا۔ اس کے الفاظ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ انسانوں کے درمیان عمر بھر قیام امن ہی کیلئے کوشاں رہے۔ معاہدے ہیں یہ باتیں محفوظ ہیں کہ:

”نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جائیں، ان کا مذہب ان کی زمینیں ان کا حال، ان کے حاضر و غائب ان کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیاں، ان کی امان اور امن کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ

موزنیاں بگاڑی جائیں گی۔ کوئی اسقف اپنی استقیت سے، کوئی راسب اپنی رہبانیت سے اور کلیسا کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے اسی طرح رہیگا۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عسکر لگایا جائے گا اور نہ مسلم فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی۔ ان میں جو شخص اپنے کسی حق میں مطالبہ کرے گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا نہ انہیں ظلم کرنے دیا جائیگا اور نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان میں جو شخص سود کھائے گا وہ میری امانت سے بُری ہے۔ اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفاء کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ کا کوئی دور حکم نازل ہو۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے۔ ان کے ساتھ جو شریطے کی گئی ہیں ان کی پابندی ہوگی۔ ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

فتوح البلدان بلا ذری و کتاب الخراج ابو یوسف (عہد جاہلیت میں برپا ہونے والی عرب قبائل کے درمیان ایک طویل جنگِ فجار کی غارت گری نے بعض عربوں کو یہ احساس دلایا تھا کہ اصلاً جنگ ایک بُری چیز ہے چنانچہ ان جڑوں کو کاٹ دینا چاہیے جو جنگ کا باعث بنیں۔ کیونکہ انہی سے معاشرے کا امن و سکون مسلسل تہہ و بالا ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ مکہ میں زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر چند نیک نہاد نوجوان عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور علاقے میں قیام امن کے لئے ایک انجمن قائم کی جس میں ان باتوں پر حلف اٹھایا کہ ہم علاقے میں بے امنی دور کریں گے، غریبوں کی لغات کی جلے گی، مسافروں کو نپاہ دی جائے گی اور مظلوموں کو ظالموں کے استحصال اور جبر سے رہائی دلائی جائے گی۔ ایک نوجوان کی حیثیت میں مصور (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس میں شریک ہوئے مگر کمال یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے نزول کے بعد اور پورے ملک عرب کے اپنے اختیار میں آ جانے کے بعد بھی ایک موقع پر حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا حضور اب بھی امن کے قیام کے نام پر حلف الفضول کے ڈھب کی کسی تحریک میں شرکت اختیار کرنا پسند فرمائیں گے خواہ اس کا آغاز کسی بھی جانب سے کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا، مجھے حلف الفضول میں اپنی شرکت یاد ہے اگر اس وقت مجھے یہ کہا

جانا کہ تم سو سرنج اونٹ قبول کر لو مگر اس معاہدہ امن و امان میں شرکت سے باز رہو
تو میں اس پیشکش کو رد کر دیتا اور اگر ایسا کوئی معاہدہ آج بھی لکھا جائے تو میں ہر لمحہ
اس میں شرکت کیلئے تیار ہوں۔

نعیم صدیقی نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس باب میں دیئے ہوئے پرائیکے بعد
خوبصورت عمومی رائے قائم کی ہے جس سے معاشرے میں قیام امن و عافیت کے سلسلے
میں آج کی پالیسی بالکل واضح ہو جاتی ہے انہوں نے لکھا ہے۔

”ان دنوں کے خوشامد عواقل کو پرکھنے کی کسوٹی یہ ہے کہ خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعے
تعمیر و صلاح کے رشتے کی نشاندہی کس طرف کی ہے۔ عرب کو نزاع کی حالت سے
منظم سلطنت کی بلندی پر لانا، قبائلی ٹکڑیوں کو جوڑ کر ایک سیاسی وحدت بنانا،
لاکھوں باشندوں کو علم و اخلاق سے آراستہ کرنا اور انہیں امن و انصاف کا
ایک نیا دور عطا کرنا ایک ایسا مقدس کارنامہ ہے کہ اگر اس کیلئے قوت کا استعمال
روا نہیں تو پھر سرے سے انسانی تاریخ میں قوت کے استعمال کا کوئی بھی
منہام باقی نہیں رہ جاتا۔“

قرآن اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات امن و عافیت و اخوت باہمی اور جہاد و قتال
اور دفاع کے احکامات میں برابری اور موت کے سامان پنہاں نہیں ہیں بلکہ ان کی روح
میں زندگی کی روح دوڑ رہی ہے۔ اسوۂ حسنہ کا ہر موڑ اس کی شہادت دے رہا ہے۔
سورۃ انفال میں اسی باعث ارشاد ہوا!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا
دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

”اے اہل ایمان! اللہ اور رسول کا حکم مانو، جب وہ تمہیں اس کام کیلئے
بلائے جو تمہارا سسے لئے زندگی بخش ہو۔“

گویا اسلام اور سیرت کا پیغام محض امن و عافیت کا پیغام نہیں بلکہ زندگی بخش دالمی
امن و عافیت کا پیغام ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دعوت امن و اخوت اور اصلاح معاشرہ

مبیرت طیبہ کے عملی پہلو کی روشنی میں

ڈاکٹر عبدالرشید کراچی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رحمة للعالمين

خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے بعد حجرِ اسود کو اپنی جگہ نصب کرتے کا معاملہ ہے۔ ہر قبیلہ اپنا حق مقدم سمجھتا ہے نزعی صورتحال ہے جس کے نتائج سخت خوفناک معلوم ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے سب کو اس بات پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ جو شخص علی البصیح سب سے پہلے خانہ کعبہ کی چہار دیواری میں داخل ہو وہ اس نزعی مسئلہ کا جو بھی حل پیش کرے سب کیلئے قابل قبول ہوگا۔

پہلے درجے کے سب سے قابل قبول ہوگا۔
آنے والی صبح اہل مکہ کیلئے پیام امن لاتی ہے (مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم) کعبہ کی چہار
دیواری میں داخل ہونے والے پہلے شخص ہوتے ہیں اور سب بے اختیار پکارا اٹھتے
ہیں کہ :-

ہذا الامین ، رضینا ، ہذا احمد ، یہ امین ہیں ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں
یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

توجہ فرمائیے کہ داعی امن و اخوت کا کیا عمل ہے۔ آپ چاہتے تو خود حجرِ اسود اٹھا کر اسے اس کی جگہ نصب فرمادیتے اور کسی کو کوئی اعتراض ہوتا۔ مگر بات محبت و اخوت کی تھی، دلوں کو جوڑنے کی تھی، جنگ و جدال کے بجائے امن و آشتی اور اصلاح

معاشرہ کی سٹی۔ آپ نے چادر زمین پر بچپائی اس میں حجرِ اسود رکھا اور تمام قبیلوں کو چادر پکڑنے کو فرمایا اور دست مبارک سے حجرِ اسود کو اس کی جگہ نصب فرمادیا۔ اور یوں ————— بعثت سے قبل ہی اپنے عمل سے اہل عرب کو ایک بہت بڑی خانہ جنگی سے نجات دلاتے ہوئے ان کے مابین امن و اخوت کی فضا قائم فرماتے ہوئے انہیں نئی زندگی بخش دی۔ اور ایک ایسے معاشرہ کی اصلاح فرمادی جو خیدلمحوں میں نہ ختم ہونے والے سلسلہٴ فساد کی جانب گامزن ہوا چاہتا تھا۔

اس لئے بعثت کے بعد اہل ایمان کو یہ باور کرا دیا گیا کہ اسی داعی امن و اخوت کی آواز پر لبیک کہو۔

یا ایہا الذین امنوا استجیبوا للہ
واللہ رسول اذادعاکم لما یحییکم
ایمان والواللہ اور رسول صلی اللہ علیہ
والہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول صلی
اللہ علیہ والہ وسلم تمہیں اس چیز کیلئے بلا میں جو
تمہیں زندگی بخشنے کی۔

امام رازیؒ، علامہ آلوسیؒ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں سعد بن معلی اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جب دورانِ نماز ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پکارا اور ان کے جواب نہ دینے پر بعد ازاں فرمایا: — کیا تم نے قرآن پاک میں یہ نہیں پایا کہ اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو؟ گویا اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ادب سرشے پر مقدم قرار دیا۔ قرآنِ کیم میں نو مقامات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ادب کی تعلیم دی گئی ہے ۱ اور چھ مقامات ایسے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں کس طرح کی بھی گستاخی کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ ۲

اور یہ اس لئے کہ ان کی دعوت کو معمولی بات نہ سمجھا جائے بلکہ یہ یقین کامل ہو کہ اس دعوت پر لبیک کہنے سے حیاتِ ناملتی ہے اور معاشرہٴ اصلاح کی جانب گامزن ہوتا ہے۔ جبکہ آپ کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کرنا بربادی ہی بربادی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حیاتِ ارضی میں جہاں بنی آدم میں زمانہٴ قابیل سے ہی امن کے لئے قربانی جسم و جال کی ریت پڑی وہاں پیغمبرانِ امن (انبیاء کرام) کی دعوتِ رشد و ہدایت نے اس سسکتی ہوئی انسانیت کی آہ و بکا کو قرار امن و سکون میں تبدیل کر کے اسے

”اسفل سافلین“^۸ سے نجات دلا کر ”احسن تقویم“^۹ کے حقیقی معیار پر لاکھڑا کیا۔

انسانی معاشرے پر رحمان کا یہ سلسلہ رحم سدیوں انبیائے مرسلین کے ذریعہ جاری رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ طاغوتی اذلان اپنی طاغونیت سے ان بندگانِ خدا کو ایذا رسانی میں مبتلا کرتے ہوئے برد بحر میں فساد کا سبب بنے۔ جس سے خالق کائنات کی قہاریت بھی اپنا کام دکھاتی رہی۔

ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقہم بعض الذی عملوا العلمہم یرجعون^{۱۰}

نحشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کیوجہ سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کے بعض اعمال کا مزہ چچھائے عجب نہیں کہ وہ باز آئیں۔

پنچاچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے انسانوں کو غلط کاموں سے پھیرنے کیلئے اور مجرموں کو ان کے اعمال کی پاداش میں سزاوار ٹھہرانے کیلئے مکاناتِ عمل کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے اور عدل بھی۔

عدل ہے فاطرِ سستی کا ازل سے دستور^{۱۱}

آخر کار ذاتِ رحمانی جوش میں آئی اور اس نے حیاتِ انسانی کو جاہلیت کی تاریکیوں سے نکالا اور انہیں شعور عطا فرما کر اپنے حبیبِ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے امن و اخوت کی نوید سنائی۔

وما ارسلناک الا رحمةً للعالمین اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت (بنا کر) بھیجا۔^{۱۲}

اور اسی داعیِ امن و اخوت نے اپنے عمل سے جو انقلاب برپا کیا وہ بھی عجیب تھا۔ شاید چشمِ عالم نے ایسا انقلاب نہ دیکھا ہو۔ ہر ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کو نہیں لایا گیا بلکہ اسی قوم اور اسی معاشرے کی اصلاح کی گئی اور بھی اس طرح کہ انسان کو انسان سے پیار کرنا سکھا دیا اس کی تعظیم و تکریم سکھا دی اور اس کو باسِ ذمہ داری سے نکال کر اتنا نوازا اتنا نوازا کہ وہ خود کہہ اٹھا۔

اتنا دیا سرکار نے مجھ کو جتنی میری اوقات نہیں
یہ تو کم ہے ان کا ورنہ مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں

اصلاح معاشرہ کیلئے دعوت امن و اخوت اور اس کا ردِ عمل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اجتماعی جدوجہد کا آغاز کوہِ صفا کے اعلان سے فرمایا۔ ۱۴۔ آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو پکارا۔ آپ کی شخصیت ان کے دلوں میں اس قدر گھر کیے ہوئے تھی کہ ہر شخص آپ کی پکار سن کر دوڑا ہوا آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے سب سے پہلے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ برائیاں چھوڑ دو ۱۵۔ بلکہ سب سے پہلے اپنی شخصیت کو ان کے سامنے رکھا اور فرمایا ! لوگو! تمہاری میرے متعلق کیا رائے ہے۔ سب نے یک زبان جواب دیا ہم آپ کو آمین اور صادق سمجھتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی ذات کے لئے مزید اقرار لینا ضروری سمجھا اور فرمایا کہ میں اگر یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا لشکر چھپا ہے اور وہ ان کی آن میں تم پر حملہ کیا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات کو مان لو گے؟ قریش مکہ بے ساختہ بولے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس بات کو ضرور مان لیں گے۔ جب شخصیت کی حیثیت واضح طور پر متعین ہو گئی تو پھر آپ نے ان کے سامنے اصلاح و معاشرہ کا عملی پروگرام رکھا۔ ۱۶۔ گویا ان کی اصلاح سے قبل یہ بات واضح کر دی کہ تم خود گواہ ہو کہ میں اصلاح یافتہ ہوں۔

اس کے بعد کے واقعات پر ہم اگر نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر موقع پر آپ نے اپنے عمل سے یہ ثابت فرمایا کہ آپ انسانیت کو دعوت امن و اخوت دینے آئے ہیں تاکہ انسانی معاشرہ اصلاح پاسکے۔

(الف) مسلمانوں پر زیادتیاں سہوتے دیکھ کر آپ نے انہیں طاقت سے جواب دینے کے لئے نہیں فرمایا بلکہ قیام امن کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ وہ سی حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ ۱۷۔

(ب) قریش کے قطع تعلق کا جواب قطع تعلق سے نہیں دیا بلکہ امن و امان کی خاطر اپنے سابقوں کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ ۱۸۔

(ج) سفر طائف میں جب آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے وہ لوگ آپ کی ایذا رسانی کا مسبب بنے تو بھی آپ نے ان کے لئے امن و عافیت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میں ان لوگوں کے تباہی کیلئے کیوں بددعا کروں۔ یہ اگر ایمان نہیں لاتے تو

کوئی بات نہیں ایسا ہے کہ ان کی اُشدہ نیس ضرور اللہ پر ایمان لانے والی ہوں گی۔
 جب قریش نے مدینہ منورہ ہجرت کیلئے مجبور کر دیا اور سفر ہجرت کے دوران
 سراقہ بن مالک بن جعثم النعام کے لالچ میں پھنسا کر تے ہوئے متلاذاب
 ہونے کے بعد امن کا خواستگار ہوا تو اس داعی امن و اخوت نے اسے بھی
 پروانہ امن لکھ دیا۔ ۲۰

(۵) مدینہ پہنچنے پر آپ نے یثاق مدینہ ۱۱ اور رشتہ موافقات ۱۲ کا سلسلہ قائم کرتے
 ہوئے امن و اخوت کی وہ بنیاد ڈال دی جو اصلاح معاشرہ کا ایسا سبب بنی کہ آج
 تک تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۶) صلح حدیبیہ کے نکات پر غور کیجئے۔ یہاں تک کہ آپ نے امن قائم کرنے کی خاطر
 اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بھی اجازت دے دی ۲۳

(۷) صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے سلاطین اور امراء عالم کی طرف جو تبلیغی خطوط تحریر فرمائے ان
 میں بھی بنیادی موضوع قیام امن و اخوت تھا۔ خصوصاً کسریٰ پر وزیرین ہرمز شاہ فارس
 کے نام خط میں بالکل واضح طور پر یہ عبارت موجود ہے۔

اسلم تسلم ۲۴

اسلام قبول کر لو امن میں رہو گے۔

(۸) اور پھر فتح مکہ کا وہ دن آپہنچا جو کسی بھی فاتح کی خوابوں کی تجسیم ہوتی ہے۔ دنیا نے
 پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۸ء کی صورت میں فاتح اور مغتوح
 کا معاملہ دیکھا ہے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی۔ لیکن کیا داعی امن و اخوت کے
 اس عمل کی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں اتنی عظیم فتح جو اکیس
 برس کی فوج اور جان لیوا کشمکش کے بعد حاصل ہوئی اور وہ بھی اس پر امن طریقہ
 پر کہ قتل و غارت سے اسلامی فوج کو بالکل منع کر دیا۔ اور یہ اس شہر کی بات
 ہے جس میں آپ کے قدم قدم پر کانٹے بچھائے گئے۔ گلے میں کپڑا ڈال کر ایذا رسانی
 کی گئی۔ آپ کے قتل کے منصوبے تیار کئے گئے اور آخر کار آپ کو اس شہر سے نکل
 جانے کیلئے مجبور کیا گیا۔ اسی شہر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خون کا
 ایک قطرہ بھی گرا کر اپنا پسند نہ فرمایا۔ بڑے بڑے جانی دشمن مغتوح ہو کر

سامنے آئے تو اس داعی امن و اخوت نے فرمایا، میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔

لا تشریب علیکم الیوم اذہبوا فانتم الطلقاء (۲۶)

(آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو)

(ط) پیغمبر اسلام نے اپنے عمل سے نہ صرف وقتاً فوقتاً ہمارے لئے دعوت امن و اخوت کی مثالیں چھوڑیں بلکہ اپنے آخری پیغام حجتہ الوداع میں ان تمام رسموں کو ختم کرنے کا اعلان کیا جو امن و اخوت کو دہم برہم کرنے اور معاشرے کی تباہی کا سبب تھی۔

عربوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندان والوں کا فرض بن جاتا اور سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی ادائیگی فرض کا یہ سلسلہ جاری رہتا۔ یوں لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا اور لوگوں کیلئے امن و اخوت کی زندگی ایک خواب بنی رہتی۔ داعی امن و اخوت نے نہ صرف اس دن اس

یہودہ رسم کے خاتمہ کا اعلان کیا بلکہ اپنے عمل سے ہمیں مشعلِ اہم دکھا دی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ودماء الجاہلیۃ موضوعۃ وان اول دم ا صنعہ، دماء نادم ابن

ربیعۃ - ۲۷

جاہلیت کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان

کی طرف سے ربیعہ بن الحارث کا خون باطل کرتا ہوں۔

توجہ فرمائیے کہ ہم سے پیغمبر اسلام کی دعوت امن و اخوت کا عملی تقاضا کیا ہے، اور

ہم کس جانب جا رہے ہیں۔

ابھی تک آدمی حیدر زبوں شہر یاری ہے

قیامت ہے کہ انسان نوع النساں کا شکاری ہے ۲۸

کاش کہ آج کے دور کا انسان اس حقیقت سے آشنا ہو جائے تو اختلاف قوم، رنگ و

نسل اور زبان تمام جھگڑے از خود منفقود و متروک ہو جائیں اور نہ صرف دنیا سے اسلام بلکہ

دنیا سے عالم میں امن و اخوت کا عظیم رشتہ قائم ہو جائے جس کیلئے قرآن کریم کا

ارشاد ہے کہ۔

وما كان الناس الا امة واحدة فاختلّفوا (یونس ۱۹)

اور سب لوگ پہلے ایک ملت تھے پھر جدا جدا ہو گئے۔

آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے داعی امن و اخوت کے عطا کردہ اس عظیم الشان عملی نظام کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اپنے اذہان کے ناکام اصول و قوانین کی پیروی میں لگے ہوئے آج ہماری دنیا میں امن قائم کرنا مشکل کیوں ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے جس تیزی سے مادی ترقی کی ہے اخلاقی طور پر اس کا ساتھ نہ دے سکے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا

اپنے اوزار کی دنیا میں سفر کرنے کا

دراغور کیجئے یہ ہم سب کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ آج وطن عزیز پاکستان کا سب سے بڑا شہر جو شہر قائد بھی ہے کن تفرقات اور نفرت و عداوت کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ یہ وہی فرزندان شہر ہیں جن کے آباؤ اجداد نے حضرت قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں یک جان ہو کر رشتہ ملی کے عظیم جذبہ سے سرشار اسلامی رشتہ موافات کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانان برصغیر کی فلاح و نجات اور استحکام و ترقی کیلئے پاکستان کو وجود بخشا۔ کیا تا سفا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے ایک طرف پاکستان کو وجود تو بخش دیا لیکن اس وجود غلطی کو برقرار رکھنے کا سلیقہ اپنے فرزندوں میں ودیعت نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے جوش میں جوش کھو بیٹھے اور اپنے ہی بھائی کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ رہے ہیں۔ یاد رکھیے اگر ہم اب بھی جوش میں نہ آئے تو ہمارے رنگ و نسب میں غبار آلودیہ پر سمیں، محوپرواز کے بجائے زمین بوس کر دیں گے۔ آئیے پہلے اس کا علاج کر لیں جیسا کہ مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے

تو اے مرغ حرم اٹھنے سے پہلے پریشاں ہو جا

دراغور کیجئے! یہ کسی قبیح حرکت ہے جس میں آج ہم ملت ہیں ہماری امن و سلامتی عزت و قنار، ترقی و استحکام اور سکون و آسشتی کا واحد ذریعہ داعی امن و اخوت کے اس فرمان میں پوشیدہ ہے کہ۔

کونوا عباد اللہ، اخوانا المسلم اخوان المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ

اے اللہ کے بندوں بھائی بھائی ہو جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل و خوار کرتا ہے۔

اور پھر اپنے آخری پیغام میں ہمیں یہ درس دیا کہ:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر ما نهى الله ۳۳
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ ہو جاتا ہے۔

اور پھر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ ۳۴

اہل وطن کی ذمہ داری

الحمد للہ ہم سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے کیسا رشتہ اور کیا حق ہے اس کا تذکرہ گزشتہ سطور میں تاریخی حقائق فرمان خداوندی اور سیرۃ طیبہ کی روشنی میں کیا گیا۔ تو آئیے آج کے دن ہم سب یہ عہدہ کریں کہ ہم اس داعی امن و اخوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رشتہ موافات کی طرف پلٹ جائیں گے جس کی مثال آج سے چودہ سو برس قبل انصار و مہاجرین کے رشتہ موافات نے کی تھی اور یہی ہماری فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے۔

غور کا مقام ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اسلام کا کلمہ نہیں پڑھا اور محض برائے علم کی خاطر اس سستی بے مثال کی سیرت کا مطالعہ کیا تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس انسان کامل کی زندگی کا ہر ورق آفتاب و مانتہاب سے بھی زیادہ تابندہ و درخشندہ ہے اور جب بھی دنیا کی اہم شخصیتوں کا ذکر کیا گیا تو اس داعی امن و اخوت کو سر فہرست دکھا گیا۔ ۳۵ اور ہم تو اپنے آپ کو ان کی امت کہتے ہیں اور ہاں ایک بات اور ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ ہم امن و اخوت کی فضا قائم کرنے کی ذمہ داری صرف حکومت پر نہیں ڈال سکتے کہ وہ اصلاح معاشرہ کی ذمہ دار ہے بلکہ اس ذمہ داری میں ہم سب برابر کے شریک ہیں اور ہم سب اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں گے کیونکہ داعی امن و اخوت

کا یہ حکم بالکل واضح ہے کہ :

کلکم داع و کلکم مسئول عن دعتہ ۳۶

نہم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی نگہبانی کی باز پرس ہوگی۔

داعی امن و اخوت پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے نہ صرف دعوت امن و اخوت کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا کام انتہائی کامیابی سے سر انجام دیا بلکہ پوری امت مسلمہ کو نگہبان اور نگراں ٹھہرا کر اس سلسلہ کو جاری و ساری فرمایا۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس سے عہدہ برائوں۔ اگر ہم اپنے معاشرہ کی اصلاح چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے عمل سے یہ سب کچھ کر دکھانا ہوگا اور پھر ہمارا معاشرہ امن و اخوت اور محبت کی منہ بولتی تصویر ہوگا اور یہی مقصود فطرت اور رمزِ مسلمانی ہے۔ جس کا ذکر مفکرِ پاکستان حضرت علامہ اقبال ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی

اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی ۳۷

مراجع و مصادر اور حواشی

۱۔ ابن شہام، ابو محمد عبد المالك، البیروۃ النویۃ، مصر، مصطفى البابي الحلبي، ۱۳۵۵ھ ص ۲۰۹، الجزء الاول۔

۲۔ القرآن ۶۴/۶

۳۔ رازی، امام محمد الرازی فخر الدین، تفسیر الکبیر، طہران دارالکتب العلمیہ ص ۱۴۶، الجزء خاص عشر۔

۴۔ آلوسی، ابی الفضل شہاب الدین، السید محمود، روح المعانی، بیروت، ایاد التراث العربی، ص ۱۹۱، الجزء التاسع۔

۵۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، فتح الباری (شرح بخاری) بیروت، دار المعرفۃ ص ۳۰۷، حدیث ۴۶۴۷۔

۶۔ القرآن ۴/۵، ۵/۱۲، ۵/۱۵۷، ۸/۲۲، ۲۴/۴۳، ۲۴/۳۶، ۳۲/۳۶، ۳۸/۹ اور ۴۹/۲۰۱

۷۔ القرآن ۱۰/۱۴، ۱۱/۹، ۹/۴۵، ۳۳/۵۷، ۳۸/۷۸ اور ۴۹/۲

۸۔ القرآن ۹/۵

۹۔ القرآن ۹/۵

۱۰۔ القرآن ۳۰/۱۴

۱۱۔ اقبال، علامہ، کلیات اقبال، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۴ء و ص ۲۰۲

۱۲۔ القرآن ۲۱/۷

۱۳۔ کلام، سلیم کوثر

۱۴۔ جب قرآن کی آیت ————— واندر عیش تک الاقر بین " (القرآن ۲۶/۲۱۳) نازل ہوئی تو آپ نے اہل قریش کو اکٹھا کر کے ان کو دعوت اسلام دی۔

۱۵۔ جبکہ آپ کے پیش رو پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے واضح متواضع تھے کہ آپ نے خطبہ کوہ میں سب سے پہلے براہیوں سے اجتناب کی طرف توجہ دلائی اور وہ بھی اس انداز سے کہ

(And if Thy right eye offend thee, pluck it out, and cast it from Thee.... And if Thy right hand offend thee, cut it off, and cast it from thee: for it is profitable for thee that one of thee members should perish, and not that thy whole body should be cast into hell)... The Gospel According to Saint Mathew, 5/27.

جبکہ وہ معاشرہ اتنا بگڑ چکا تھا کہ فوراً براہیوں سے اجتناب اور وہ بھی اس قدر سخت ان کے بس کی بات نہ تھی۔ یہی حال عرب معاشرے کا تھا اسی لئے خاتم النبیین نے قریش کے سامنے اپنی مثال رکھی کہ میں بھی اسی معاشرے کے کافر و مہول اور میرے اخلاق کریمانہ کے تم قائل ہو تو پھر میری دعوت پر لبیک کہو تاکہ تم بھی اصلاح پاؤ اور پورے معاشرے کی اصلاح ہو جائے اور تم امن و اخوت کی فضا میں زندگی بسر کر سکو۔

۱۶۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، فتح الباری (شرح بخاری) محولہ بالا ص ۷۲۷، جلد نمبر

۱۷۔ جوہری ابن عبد اللہ بن الیتم، زاد المعاد، بیروت دار الفکر ص ۲۴ الجز الاول

۱۸۔ جوہری ابن عبد اللہ بن الیتم، زاد المعاد، محولہ بالا ص ۴۶ الجز الثاني

۱۹۔ مسلم، امام مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، بیروت دار الفکر ۱۴۰۰ھ ص ۱۲۲۱۔

- ۲۰۔ جوزی، ابی عبداللہ بن الیقیم، زاد المعاد، محولہ بالا ص ۵۳ الجزائے ثانی
- ۲۱۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویہ، بیروت، تراث الاسلام ص ۵۰۱ تا ۵۰۴ القسم الاول۔
- ۲۲۔ جوزی۔ ابی عبداللہ بن الیقیم زاد المعاد۔ محولہ بالا ص ۵۶ الجزائے ثانی
- ۲۳۔ مسلم، امام مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، محولہ بالا ص ۱۲۰۹ الجزائے ثالث
- ۲۴۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، فتح الباری (شرح بخاری)، محولہ بالا ص ۳۲،
الجزء الاول
- ۲۵۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ کیجئے۔

- (1) The New Encyclopaedia Britannica, Encyclopaedia Britannica Inc.
p. 758 Vol. 12 10th Edition.
- (2) Collier's Encyclopaedia, New York, MacMillan Educational Company.
(p. 277 Vol. 23 WARSA PACT)

- ۲۶۔ القرآن ۲/۹۲ و ابن ہشام، ابو محمد بن عبد الملک، السیرۃ النبویہ، محولہ ۱ ص ۵۵
الجزء الرابع۔

- ۲۷۔ ابی داؤد، سلیمان بن اشعث۔ سنن ابی داؤد، بیروت۔ دار احیاء التراث
العربی ص ۱۸۵ الجزائے ثانی

- ۲۸۔ اقبال کلیات اقبال محولہ بالا ص ۲۷۲

- ۲۹۔ القرآن ۱۹/۱

- ۳۰۔ اقبال کلیات اقبال محولہ بالا ص ۲۷۳

- ۳۱۔ ایضاً ص ۲۷۳

- ۳۲۔ مسلم ابو الحسین بن الحجاج القشیری۔ الصحیح المسلم۔ کراچی نور محمد
اصح المطار ۱۳۷۵ھ ص ۳۱۷ جلد ثانی

- ۳۳۔ بخاری محمد بن اسماعیل صحیح البخاری، کراچی، نور محمد اصح المطابع ۳۸۱
ص ۶ جلد اول

- ۳۴۔ القرآن ۲/۱۷۸، ۲/۲۲۰ اور ۲۹/ وغیرہ

۳۵. اس کی واضح مثال کتاب ۱۰۰ THE ہے جس کے مصنف نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔
۳۶. احمد امام قبل۔ مسند احمد، بیروت، المکتب الاسلامی ص ۵۲
الجوز الثانی
۳۷. اقبال علامہ۔ کلیات اقبال محولہ بالا ص ۲۷۰۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی امن و اخوت

پروفیسر محمد لطیف، راولپسندی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهُ
مُخْتَصِرُونَ ۝ (الأنفال - ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو، جبکہ رسول تمہیں اس
چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل
کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سیٹے جاؤ گے۔

معنی اور مفہوم ۱ آیت زیر نظر میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے استجابت کا حکم دیا ہے امام
بخاریؒ نے ابوعبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ استجابت بمعنی اجابت ہے (اس طرح ”سین“ اور
”تا“ زائد ہو جاتے ہیں)۔

استجابت متعدی بلام آتا ہے جیسا اس آیت میں ہے اور کبھی استجابت بھی خود متعدی
ہوتا ہے، مگر اجابت خود بلا حرف متعدی ہوتا ہے۔
اجابت کے معنی قبولیت حکم یعنی اطاعت کرنے کے ہیں اور اس آیت میں اجابت،
کی تاکید اذا دعاکم لما یحییکم کے قول سے کی گئی ہے۔

امام بخاریؒ کے نزدیک لما یحییٰ کو سے مراد لما یصلح کو ہے یعنی جس سے تمہاری اصلاح فرماتا ہے ۔

لِلرَّسُولِ پر لام کا اعادہ تاکب کی غرض سے آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو حکم اللہ کا رسول دے وہ بھی مانو، کیونکہ وہ بھی حکم الہی ہے اور حدیث پاک میں آیا ہے، کہ مجھ کو دیا گیا قرآن اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی یعنی سنت ۔ لہذا حدیث میں آپؐ نے اہل بدعت کے فتنے سے پہلے یہ سوچا کہ دیا کہ آدمی تکبہ لگا کر بیٹھے اور کہے کہ یہ بات تو مجھے کتاب الہی میں نہیں ملتی ہے ۔ پس سوچا کہ دیا کہ جو حکم سنت نبویؐ سے ثابت ہے وہ جس طرح ثابت ہے واجب العمل ہے اور اس قول پر عمل کرنا لازم ہے ۔ ما اتاکم

الرسول فتخذوه وما نهوا عنه فانتهوا ۔

• زندگی بخشنے والے اس سے مراد بعض کے نزدیک علوم شرعیہ ہیں ۔ کیونکہ علم حیات ہے اور جہل موت ہے ۔

• جمہور علمائے اسلام کے نزدیک قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی میں طاعت کے ساتھ استیجاب کا حکم ہے اور اسی سے حیات ابدی ملتی ہے ۔

• بعض اکابر علماء نے جہاد مراد لیا ہے جو ظاہری سبب حیات ہے کیونکہ دشمن پر جہاد نہ کیا جائے تو وہ حملہ آور ہو جاتا ہے ۔

• محمد بن اسحاق نے کہا اس سے مراد شہادت ہے جو موجب حیات ہے ۔

• سدیؒ نے اس سے مراد ایمان لیا ہے کیونکہ کافر جو دراصل مردہ ہوتا ہے اس کے روحانی طور پر زندہ ہو جاتا ہے ۔

• مجاہد نے اس سے مراد حق لیا ہے ۔

• قتادہؒ نے قرآن بتایا ہے ۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد امر دین ہے اور یہی بات سب مفسرین حضرات نے مختلف انداز میں بیان فرمائی ہے ۔

بعض حضرات نے لما یحییٰ کم میں لام تعبیل کا احتمال ظاہر فرمایا ہے پھر ترجمہ اس طرح ہو جاتا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرو اس لئے کہ اس سے (اُس کی برکت سے) تمہیں کو زندہ کرتا ہے ۔

تاکیدِ رسول !

ابو سعید بن المصلیٰ کی صحیح میں روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھتا تھا کہ اتنے میں آنحضرتؐ نے مجھے پکارا میں نے استنجابت نہ کی پھر میں نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا۔ اور عرض کی، یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا، تو آپؐ نے فرمایا، تو نہیں جانتا! کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

استحبیوا للہ وللرسول اذا دعاکم

ایک دوسری حدیث میں اُبی بن کعب کے بارے میں ایسا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ساتھ حکم بھیجا ہے کہ استحبیوا اذا دعاکم یعنی جو بلاوے اور پکارے تو استنجابت کرو۔ اس پر ابی بن کعب نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے معلوم تو تھا، مگر خطا ہو گئی اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ (ترمذی)۔

ایسی استنجابت آنحضرتؐ کے ساتھ مخصوص تھی اب کسی کیلئے نماز توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں اگر نماز نفل ہو اور باپ نے بلایا ہو اور استنجابت نہ کرنے پر باپ کے ناراض ہونے کا خدشہ ہو تو نماز توڑ کر باپ کو جواب دینا ضروری ہے کیونکہ سخط اللہ فی سخط الوالد باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔

آیت کے الفاظ سے صرف استنجابت کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ وہ فی الفور بھی کی جاسکتی ہے اور کسی غدر کی بناء پر کچھ دیر کے بعد بھی! لیکن حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فی الفور استنجابت مقصود ہے کیونکہ ابو سعیدؓ اور ابی بن کعبؓ نے نماز سے فارغ ہو کر اور سلام پھیر کر استنجابت کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عتاب فرمایا تھا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ فی الفور استنجابت واجب ہے اور اس حکم کو حضرت حنظلہ بن صفوانؓ کا واقعہ مزید ثابت کر دیتا ہے۔ آپ اپنی بیوی کے ساتھ ہم لیتر تھے کہ جہاد اُحد کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پکارا گیا اور استنجابت میں تاخیر کے ڈر سے انہوں نے غسل جنابت نہ کیا کہ جنگ میں اسی حالت میں شہید ہو گئے اور ملائکہ نے ان کو نہلا دیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اس کا کیا حال تھا کہ ملائکہ اس کو غسل دیتے ہیں۔ اس کی بیوی سے دریافت کرو اور پھر ان سے یہی کچھ معلوم ہوا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب غسیل ملائکہ پڑ گیا۔

ان واقعات اور احکامات سے ثابت ہوا کہ جو حکم سنت سے ثابت ہوا اس کی فوراً استجابت واجب ہے یعنی اسی وقت ادا کرنے کا حکم ہو تو اُسی وقت اور اگر کوئی وقت مقرر ہو تو مقررہ وقت پر واجب ہے۔

استجابت کی اہمیت

انسان کی انسانیت کا مآثر انحصار اس کی عقل اور بصیرت پر ہے اگر اس کی روح اور دل زندہ ہے تو انسان زندہ ہے۔ اگر وہ صحیح فکر، کلمہ حق اور صحیح عمل سے عاری اور محروم ہو جائے تو وہ مقصد تخلیق کے اعتبار سے مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے کفار کو جگہ جگہ مردہ کہا ہے۔ اللہ اور رسول حقیقی زندگی کی دعوت دیتے ہیں اس کو قبول کرنے سے بصارت کو بصیرت ملتی ہے۔ اور عقل کو وہ نور حاصل ہوتا ہے جو آفاق و انفس کے اسرار و حقائق سے اُس کے لیے پردے اٹھاتا ہے۔ یہی دعوت انسان کے دل کے ٹکڑے کو انوار الہی کا مسکن بنا دیتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اس دعوت پر لبیک کہو کہ اُسی سے تم کو حقیقی اور جاودا زندگی حاصل ہوگی۔ سیدنا مسیحؑ نے کیا خوب فرمایا انسان روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔

ماذری کے نقصانات

اسی آیت میں واعلموا سے آخر آیت تک ایک سخت تنبیہ موجود ہے جو لوگ کسی دعوت خیر یا مخصوص پیغمبر کی حیات بخش دعوت کی قدر نہیں کرتے بلکہ گوشت کے بہرے اور اندھے بن جاتے ہیں ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان خدا حائل ہو جاتا ہے یعنی خدا کا قانون حائل ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دل ان سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور ایک خاص حد سے بڑھ جانے کے بعد انسان اس کو لگام دینے کے قابل نہیں رہتا۔ اس وقت آدمی کا ہاتھ باگ پر نہیں رہ جاتا اور پاؤں رکاب سے نکل جاتا ہے اور وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے۔ نبیؐ کی دعوت آنکھوں، کانوں اور دلوں کو کھولنے کیلئے سب سے زیادہ مؤثر دعوت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے جو لوگ اس دعوت سے اپنے کان بند کر لیں وہ خدا کے اس قانون کی زد میں آجاتے ہیں جس کو قرآن "ختم قلوب" کہتا ہے۔

لہذا جو سنبھلنا چاہے ، سنبھل جائے اس میں اس کا اپنا نفع ہے ۔ ورنہ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اُسے خدا کے حضور میں بھی حاضر ہونا ہے ۔ اس لئے اس دن کے احوال و نتائج کو بھی سوچ لے ۔

نفاق سے بچاؤ

استحباب پر عمل سے روکنے والی چیز منافقت ہے اور اس روش سے انسان کو بچانے کیلئے دو عقیدے انسان کے ذہن نشین کرائے گئے ہیں ایک یہ کہ معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جو دلوں کے حال تک جانتا ہے اس پر آدمی کی نیت ، خواہش ، انعام و مفاد اور چھپائے ہوئے خیالات تک عیاں ہیں دوسری یہ بات بھی کہ جانا بھی بہر حال اسی خدا ہی کے سامنے ہے تم ادھر ادھر سجاگ نہیں سکتے ۔ قرآن ان دونوں عقیدوں کا بار بار اسی لئے ذکر کرتا ہے کہ یہ دونوں عقیدے جتنے زیادہ سخت ہوں گے اتنا ہی انسان نفاق سے دور اور ایمان اور استحبابت کے قریب ہوگا۔

پہلی رکاوٹ

استحباب کی راہ کا سب سے پہلا روڑا "طاغوت ہے" یہ لفظ طغی کے مادے سے ہے اور اس کا معنی ہے حد سے آگے بڑھ جانا ۔ اہل لغت اس لفظ کی اس طرح تشریح کرتے ہیں ۔۔۔
 الطاغوت عبادة عن كل معتد و كل معبود من دون الله یعنی طاغوت سے مراد ہر وہ وجود ہے جو بندگی سے نکل جائے اور ہر وہ معبود ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ ماسوا اللہ (البقرہ میں) سورہ نحل میں معبودانِ باطل ، سورہ نساء میں شیاطینِ من والنس اور بعض دوسرے مقامات پر کتابِ الہی اور سنتِ رسول کی مخالف چیزوں کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ گویا ہر وہ شخص یا چیز جو خدا کی بندگی اور اطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے کا باعث ہے وہ طاغوت ہے ۔

خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی کشتی کے تین دہے ہیں ، پہلا یہ کہ بندہ اس کی فرمانبرداری کو حق مانے مگر اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اسے فسق کہتے ہیں ، دوسرا یہ کہ بندہ

اللہ کی فرمانبرداری سے منحرف ہو کر خود مختار بن جائے یا کسی دوسرے کی بندگی کرنے لگے اس کا نام کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک الملک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس مرتبے پر فائز ہونے والا طاعت کھلتا ہے۔

سورہ نسا آیت ۶۰ میں "طاعت اس حاکم کو کہا گیا ہے جو قانونِ الہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور ایسے نظامِ عدالت کو بھی جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی عدالت کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ اللہ پر ایمان اور طاعت کا انکار لازم و ملزوم امور ہیں۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۷ میں اللہ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ "يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ" اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے کار ساز طاعت بنتے ہیں وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف دھکیلتے ہیں "معلوم ہوا کہ خدا سے منہ موڑنے کے بعد انسان کئی "طواعیت" کے جنگل میں پھنس جاتا ہے۔ شیطان اس کا اپنا نفس اس کے بیوی بچے، اعزہ و اقربا، برادرِ سوا، خاندان، دوست و آشنا، سوسائٹی، قوم، پیشوا اور رہنما، حکومت و حکام یہ سب اس سے اپنی اغراض کی بندگی کراتے ہیں۔ اور یہ ساری عمران ہی کو راضی رکھنے کا نام کوشش کرتا رہتا ہے۔

قرآن کریم میں انجام کار کے اعتبار سے بہت برے لوگوں میں عبد الطاعت کا ذکر ہوا ہے۔ یہ لوگ انتہائی فسق و فجور میں اور اخلاقی منزل میں گھرے ہوئے ہیں اور سچی دینداری کا مظاہرہ کرنے والے لوگوں کے پیچھے ہٹ کر دھوکہ پڑ جاتے ہیں۔ طاعت کے بارے میں قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

(النحل - ۳۶)

الطَّاغُوت -

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سب کو خبر دے دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاعت کی بندگی سے بچو، سورہ ص آیات نمبر ۵۵ اور ۵۶ میں سرکشوں کے لئے بہت برے حکمانے یعنی جہنم کی خبر دی گئی ہے یعنی اس میں ان کو داخل کیا جائے گا۔

فتنہ

دوسری بڑی رکاوٹ فتنہ ہے۔ فتنہ کے معنی امتحان اور آزمائش ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انگریزی لفظ (Persecution) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے: **وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ** یعنی قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی برا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کسی گروہ یا شخص کو محض اس بنا پر ظلم و ستم کا نشانہ بنانا کہ اس کے رائج الوقت خیالات و نظریات کی جگہ کچھ الہامی خیالات و نظریات کو حق پا کر قبول کر لیا ہے اور وہ تبلیغ و تنبیہ کے ذریعے سے سوسائٹی کے موجود الوقت نظام کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی انسانی گروہ زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کرے اور لوگوں کو قبول حق سے بھروسے اور اصلاح و تغیر کی جائز اور معقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کی بجائے "جہوانی طاقت" سے کرنے لگے تو وہ قتل کی بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور ایسے گروہ کو بزور شمشیر مٹا دینا بالکل جائز ہے۔ یہی فتنہ بالعموم استیجابات کی راہ دکھاتا ہے۔ ان معانی سے منقوڑے سے مختلف معنوں میں "فتنہ" کا لفظ اس طرح بھی آیا ہے مثلاً ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ بِلَادٍ (البقرة - ۱۹۳)

تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

اس مقام پر فتنے سے مراد وہ حالت ہے۔ جن میں دین اللہ کی بجائے کسی اور کے لئے ہو اور دین کو خالص اللہ کیلئے کرنے کی خاطر رٹنا جائز ہے۔ دین سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو کسی سہتی کو بالاتر مان کر اس کے احکام و قوانین کی پیروی میں اختیار کیا جائے۔ لہذا سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی فرمانروائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے، فتنے کی حالت ہے۔ بلاشبہ اسی فتنے کو رفع کرنے کیلئے حسب موقع اور حسب امکان تبلیغ و شمشیر دونوں سے کام لیا جانا چاہیے۔

فتنہ سے مراد کفار کے وہ جارحانہ اور ظالمانہ اقدامات ہیں جو وہ مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے اور بزعم خویش اسلام کو مٹانے کیلئے کر رہے تھے۔ اس میں ایک صورت مناقضت کی بھی تھی وہ اسلام کا دعوے کر کے مسلمانوں کے حملے سے اور اپنی قوم میں شامل رہ کر ان کی ناراضگی کے خطرے سے بھی محفوظ و مامون رہنا چاہتے تھے۔

ایسے فتنہ پرور لوگوں کی سزا جہنم بنائی گئی ہے مثلاً سورہ بروج میں ہے۔
 ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم يتوبوا فلهم
 عذاب جہنم (آیت - ۱۰)

”بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے والوں اور ایمان لانے والیوں کو دین سے پھیرنے کے
 لئے ازیتیں پہنچائی ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے“

”فتنہ“ کی ایک صبر آزمائش قسم مال اور اولاد ہے، سورہ التباہین میں آتا ہے۔

انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللہ عنده اجر عظیم
 (آیت - ۱۵)

”تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا
 اجر ہے“ بعض دفعہ ایک نیک آدمی کو ایسی اولاد ملتی ہے۔ جو اس کی دیانت، امانت اور
 راستبازی کو اپنے حق میں بدقسمتی سمجھتی ہے اور چاہتی ہے ان کا باپ حرام و حلال
 کی تیز چھوڑ کر ہر طریقے سے عیش و لہو اور فسق و فجور کے سامان فراہم کرے۔ بعض دفعہ
 کسی غیر مسلم معاشرے میں کسی اسلام قبول کرنے والے باپ کو اس کے بچے اسلام سے
 پھیرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تیرا اصل دشمن
 وہ نہیں ہے جسے تو اگر قتل کر دے تو تیرے لئے کامیابی ہے اور وہ تجھے قتل کر دے
 تو تیرے لئے جنت ہے بلکہ تیرا اصل دشمن ہو سکتا ہے کہ تیرا اپنا وہ بچہ ہو جو تیری صلب
 سے پیدا ہوا ہے۔ پھر تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ مال ہے جس کا تو مالک ہے
 اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے بہت بڑے اجر کا ذکر فرمایا ہے جو مال اور اولاد
 کے فتنے سے اپنے آپ کو بچا لے جائیں گے۔

فساد

فساد فی الارض وہ تیسری چیز ہے جو استنجات کیلئے سدا رہے۔ فساد سے مراد انسانی زندگی کے نظام
 کا وہ بگاڑ ہے جو حق سے تجاوز کرنے کے نتیجے میں لازماً رونما ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بندگی اور
 اس کے قوانین کی اطاعت سے نکل کر آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے وہ سراسر فساد ہی فساد ہے۔
 فساد فی الارض قرآن مجید کی ایک معروف اصطلاح ہے جس کا مفہوم اس نظام حق کو بگاڑنا یا

اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ہے جو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکام و قوانین کی اطاعت پر مبنی ہوتا ہے اور جس کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے ہیں۔ قرآن کریم کا دعوے سچا ہے کہ جس طرح اس کائنات کا نظام تکوینی اس وجہ سے قائم ہے کہ اس کے اندر ایک ہی رب فیض قہار کا ارادہ کار فرما ہے۔ اگر اس کے اندر کسی اور کا زور و اختیار بھی چلتا تو یہ ان کی آن میں درہم برہم ہو جاتا اسی طرح اس کے نظام تشرعی کے اندر اگر کسی اور کی عبادت و اطاعت کے جواز یا دخل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے امن کا مزاج بالکل ہی بگڑ کے رہتا ہے اور یہ سارے نظام تمدن کو بگاڑ کے رکھ دیتا ہے اس لحاظ سے ہر وہ کوشش جو اس بگاڑ کا دروازہ کھولے "فساد فی الارض" کہلاتی ہے۔

زمین کا نظم و نسق اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے مطابق چلانے کی بجائے من مانے طریقے پر چلایا جائے۔ خدا کی شریعت کی نافرمانی اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی بجائے زمین کے اصلی حکمران کی مرضی نظر انداز کی جائے اور انسان خود اپنی مرضی چلائے یہ چیز بجائے خود "فساد فی الارض" اور بگاڑ ہے۔ عام اس سے کہ یہ دھینگا مٹستی اور سرکشی کے ساتھ واقع ہو یا کسی فکر و فلسفہ کے تحت پروان چڑھے۔ اس زمین کا اصلی حکمران اللہ تعالیٰ ہے انسان کی حیثیت اس کے نائب کی ہے اس وجہ سے زمین کے امن و عدل کا انحصار اس چیز پر ہے کہ اس کے ہر گوشے میں خدا ہی کا قانون چلے ورنہ خدا کے قانون کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہی ہے کہ بگاڑ پھوٹ پڑی اور زمین کے باشندوں کیلئے خطرہ پیدا ہو گیا۔

فساد کے اسباب میں سب سے بڑا سبب شرک ہے۔ یہ تمام فساد کی جڑ ہے۔ دوسرا سبب اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنا ہے۔ تیسرا سبب صلہ رحمی سے بے پرواہی یا ان میں سے اعتدالی اور نا انصافی ہے۔ رشتہ و رحم کے احترام نہ کرنے سے تمام صلاح و فلاح کے مفسوبے نام کام ہو جاتے ہیں اور تمدن و معاشرت کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مال و اسباب جو حرام طریقوں سے سمیٹا اور حرام راستوں پر خرچ کیا جاتا ہے وہ بھی فساد کے باعث ہے۔

اس فساد کا نتیجہ خونریزی کی صورت میں نکلتا ہے۔ قتل و غارت، ریزنی اور ڈکیتی آئے روز کا معمول بن جاتی ہے۔ کسی شخص کی جان و مال اور آبرو کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہتی جس کی لاپٹی اس کی بھینس کا قانون جاری ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے، پند غنڈوں کے بندے

بننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کی مرضی ہی قانون ہوتی ہے جسے جس حال میں جمعہ رکھنا چاہیں ان کے ہاتھ روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

تفرقہ فی الدین

یہ استجابت کی راہ میں چوتھی رکاوٹ ہے۔ دین میں تفرقہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی دین کے اندر اپنی طرف سے کوئی نرالی بات ایسی نکالے جس کی کوئی معقول گنجائش اس میں نہ ہو اور اصرار کرے کہ اس کی نکالی ہوئی بات کے ماننے ہی پر کفر و ایمان کا مدار ہے پھر جو ماننے والے ہیں انہیں لے کر ماننے والوں سے جدا ہو جائے اور نرالی بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو چیز دین میں نہ ہو وہ اس میں شامل کی جائے آیا دین میں کوئی بات نکال دی جائے۔ نفوس میں من مانی ضرورتا دیلات کر کے نرالے عقائد اور انوکھے اعمال ایجاد کر دیئے جائیں۔ دین کی اہم چیزوں کو غیر اہم، مباح کو فرض و واجب بلکہ آگے بڑھا کر اسلام کا رکن رکین بنا ڈالا جائے ان تمام حرکتوں سے تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر ان ہی مختلف بنیادوں پر مستقل ادیان وجود میں آ جاتے ہیں اور ان مذاہب مسلک کا اصلی دین کے اصولوں اور شریعت کے واضح احکام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

دین میں تفرقہ پیدا کرنے والی اولین چیز شرک ہے۔ اس سے عقائد دین تنزل ہو جاتے ہیں۔ ایک خدا کی بجائے سینکڑوں خدا بنا ڈالے جاتے ہیں اور ہر گروہ اپنے معبودِ باطل پر اس طرح فدا ہو جاتا ہے کہ اسکے خلاف کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔

دین میں تفرقہ کے نتیجے میں مختلف مذاہب وجود میں آئے اور وہ سب کے سب اس طرح ہے کہ مختلف زبانوں کے لوگوں نے اپنے دہن کے غلط اُبچک سے باخوابیات نفس کے غلبے سے، یا عقیدت کے غلو سے اصل دین کو بدل ڈالا اور اس میں نئی نئی باتیں ملائیں۔ اس کے عقائد میں اپنے اوہام و قیاسات اور فلسفوں سے کمی بیشی اور ترمیم و تحریف کی۔ اس کے احکام میں بدعات کے اضافے کئے۔ خود ساختہ قوانین بنائے جنریات میں موثر گناہاں کیں۔ فردعی اختلافات میں مبالغہ کیا۔ دین کے لانے والے انبیاء علیہم السلام اور اس کے علمبردار بزرگوں میں سے کسی کی عقیدت میں غلو کیا۔ کسی کو بغض و مخالفت کا نشانہ بنایا۔ اس طرح بے شمار مذاہب اور فرقے وجود میں آئے اور نوع انسانی تمام گروہوں

میں تقسیم ہو گئے۔ حالانکہ اصل دین حق ان ساری گروہ بندیوں اور تفرقہ بازیوں سے بالکل الگ تھا۔ اور اس کا راستہ ان سب سے جدا تھا۔

عداوت شیطان؛

شیطان انسان کا ابدی دشمن ہے۔ اس کا نام ہی اللہ کے بندوں کو راہِ حق سے ہٹانا ہے، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ
يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (الأنعام - ۱۱۲)
اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے، جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر اتھا کرتے رہے ہیں۔

اس آیت میں خوش آئند باتوں سے رادشیاطین جن و انس کی وہ تمام چالیں اور تدبیریں اور شکوک و شبہات و اعتراضات ہیں جن سے یہ عوام کو دائمی حق اور اس کی دعوت کے خلاف بھڑکانے اور اُکسانے کا کام لیتے ہیں اور استیجابت کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے دھوکے کی سب سے کارگر قسم خیر خواہ، مشفق اور ناصح بن کر انسان کو زندگی جاوداں اور سلطنت لازوال کا لالچ دیتا ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ اور حوا کے ساتھ کیا۔ پھر انسان پر ذہول طاری ہو جاتا ہے اور منبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے اور وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی لپٹی میں جا گر جاتا ہے۔ شیطان کی عداوت کا ایک اور ذریعہ بھی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ہوا ہے۔

انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء
في الخمر والميسر (المائدہ - ۹۱)
”شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں لگا کر تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ڈالے“

سچ ہے کہ جس معاشرے میں یہ وبا پھیل جائے اس میں یا تو عفت، عزت، ناموس

وفا دیجا کا احساس مٹ جائے گا جیسا کہ مغرب زدہ سوسائٹی میں آج مشاہدہ ہو رہا ہے اور اگر ان کی کوئی رشتہ باقی رہ گئی تو ناگزیر رہے۔ کہ آئے روز ان کی بدولت تلواریں کھینچی رہیں مثلاً عرب عفت و عمت اور خود داری اور غیرت کے معاملے میں بڑے حساس تھے اور ان کی بہت بڑی خوبی تھی۔ لیکن ساتھ ہی شراب اور جوئے کے بھی رسیا تھے اسی لئے تاریخ عرب کی کسی جنگیں جوئے اور شراب کی وجہ سے شروع ہوئیں اور صدیوں تک ان کی آگ نہ بجھی۔ یہ حال یہ چیز یا تو مرد کو دیورت بناتی ہے یا خانہ خراب کرتی ہے اس لئے ہر دو صورتوں میں استنجابت کی راہ کی رکاوٹ بنتی ہے۔

غیر اللہ کی عبادت اور پرستش بھی شیطان کا ایجاد کردہ پھندا ہے۔ شیطان خلق خدا کو صراطِ مستقیم سے روکنے کیلئے اس کا استعمال نہایت خوبصورتی سے کرتا ہے۔ اس چال کو سمجھنے والے اس چال میں نہیں پھنسا کرتے جیسے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں سورہ الشعراء میں ارشادِ خداوندی ہے۔ فانہو عدو لی الالدین العالمین "میرے تو یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے" (آیت - ۷۷) اس آیت میں سیدنا ابراہیمؑ علیہ السلام نے تمام ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا گھڑ لئے گئے ہوں اپنا دشمن بتایا ہے۔

شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اپنے دشمن سے دوستی گانتھنا احمق اور ناعاقبت اندیش لوگوں ہی کا کام ہے۔ انسان اور شیطان کی دشمنی فطری ہے اور تا قیام قیامت ہے۔ شیطان نے حد کی بنا پر انسان سے اپنی دشمنی کا اعلان کیا ہوا ہے۔ وہ ہر چال اور حربہ استعمال کرے انسان کو اللہ اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے روکنے کیلئے ایسی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔

ولایت کفار

ولی کے معنی، مددگار، کارساز، ساتھی اور حمایتی کے ہیں۔ اس سے مراد دلی دوست اور قلبی ساتھی ہے۔ کفار کے مالی مددگار طاغوت کہلاتے ہیں اور یہ روشنی سے تاریکیوں کی طرف پہنچے جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ بقول خداوند کریم "والذین کفروا اولیائهم الطاغوت" یخرجونهم من النور الی الظلمت ط (البقرہ - ۲۵۷) اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے

تاریکیوں کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ تاریکیوں سے مراد جہالت کی تاریکیاں ہیں۔ جن میں جھک کر انسان فلاح و سعادت کی راہ سے دور نہکل جاتا ہے اور حقیقت کے خلاف عمل کر اپنی تمام قوتوں اور کوششوں کو غلط راستوں میں صرف کرنے لگتا ہے۔

کوئی بندہ چاہے رب سے دُور دُور کرے کسی دشمن کا دامن نہاتا ہے تو پھر گویا شیطان اور اس کی ذریت کے ہتھے چڑھتا ہے اور وہ اس کی نیکیں اپنے ہاتھ میں لے کر عقل و فطرت کی ہر روشنی سے دور کر کے اس کو ضلالت کوڑا میں گرا دیتا ہے۔ مثل مشہور ہے خانہ خالی دادیو میگرد۔ اسی طرح جو دل ایمان سے خالی ہوتا ہے وہی کفار سے محبت کی پیکیں بڑھاتا ہے اور شیطان اس دل کو اپنی کارروائیوں کیلئے اڈہ بنا لیتا ہے اور پھر اس شخص کو کمر اس کی وادوں میں سرگشتہ و حیران رکھتا ہے۔

جو مسلمان اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفار سے موالات رکھتے ہیں ان کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس قسم کے لوگ انہی لوگوں کے اندر شامل ہیں جن سے یہ معاملات رکھتے ہیں۔ اللہ اور اعداء اللہ دونوں کے ساتھ بیک وقت دوستی قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کراعداء اللہ کی دوستی تو اللہ اور اس کے رسول کی استجابت سے روکنے والی ہے۔

اہل کتاب اور کفار دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسلامی شعائر کو کھیل نماشا بناتے ہیں۔ اہل ایمان میں سے جو لوگ ان کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ وہ اس توہین اور تذلیل کو برداشت اور گوارا کرتے ہیں اس طرح ان کے بے حیثیت اور بے غیرت سونے کا امکان ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ ایسا نام نہاد مسلمان استجابت کی راہ کس طرح اختیار کر سکتا ہے؟

عداوتِ شیطان کی حرمت؛

شیطان کے بڑے بڑے حربے جن کے ذریعے بغض و عداوت ڈالتا ہے اور لوگوں کو خدا کی یاد سے غافل کرتا اور نماز سے روکتا ہے شراب اور جوا میں مثلاً قرآن کہتا ہے ”شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوسے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے

باز رہو گے (المائدہ - ۹۱) اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو شیطانی اعمال کا نام دیا اور فلاح و کامرانی کی خاطر ان سے اجتناب کا حکم صادر فرمایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔ انما الخمر والمسیر والانصاب والاذلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوه لعنکم تفاحون ۵ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ ”یہ شراب اور جوار اور یہ استلنے اور پانے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ، ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی “ نصیب کسی خاص مشرکانہ عقیدہ سے وابستہ وہ سب مقامات ہوتے ہیں جن کو غیر اللہ کی نذر نیانہ چڑھانے کیلئے لوگ محض کر لیتے ہیں ، ”ازلام“ اولاً مشرکانہ فال گیری اور قرعہ اندازی ہوتی ہے جس میں کسی غیر اللہ (دیوی یا دیوتا یا صاحب قبر) سے قسمت کا فیصلہ پوچھا جاتا ہے ۔ عینب کی خبر دریافت کرنا اور باہمی نزاعات کا تصفیہ کرنا بھی اس میں شامل ہے ۔ اور ثانیاً تو ہم پرستانہ فال گیری مثلاً رمل ، بخوم ، جفر ، مختلف قسم کے تنگن پختہ اور بے شمار دوسرے طریقے اس میں شامل ہیں ۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ بھی جوئے کی ایک قسم کا نام ہے ”میسر“ کا معنی جوائے اور اس کا اطلاق ان کھیلوں اور کاموں پر ہوتا ہے جن میں اتفاقی امور کو کمائی اور قسمت آزمائی اور تقسیم اموال و اثاثہ کا ذریعہ بنایا جاتا ہے مثلاً لٹری اور معمر وغیرہ ۔

ان تینوں اقسام کو اسلام نے حرام قرار دے دیا اور صرف قرعہ اندازی کی وہ سادہ صورت جائز رکھی جس میں دو برابر کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرتا ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مواقع پر یہ طریقہ اختیار فرمایا کرتے تھے جبکہ دو برابر کے حق داروں کے درمیان ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آجاتی تھی اور آپ کو اندیشہ نہ ہوتا تھا کہ اگر آپ خود ایک کو ترجیح دیں گے تو دوسرے کو ملال ہوگا ۔

”خمر“ سے مراد انگوری شراب ہے اور مجازاً یہ لفظ گہیوں ، جو ، کشمش ، کجور اور شہد کی شرابوں کیلئے بھی بولا جاتا تھا ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور پلائیوالے اور پینے والے پر اور خریدنے والے پر اور کشیدہ کرنیوالے پر اور کشیدہ کرانے والے پر اور دھوکے لگانے والے پر اور جس کیلئے وہ ڈھوکے جائے گی ۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا ۔

جس پر شراب پی جا رہی ہو بلکہ آپؐ نے نشہ پیدا کرنے والی تمام اشیاء کو حرام قرار دے دیا ان کی کثیر مقدار کو بھی اور قلیل کو بھی - آپؐ کے ارشادات مبارکہ ہیں کل مسکر خمر وکل مسکر حرام - کل شراب امسکر فهو حرام ، وانا انہی عن کل مسکر حضرت عمرؓ فاروق نے فرمایا! الخمر معا خمر العقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شمرانی کو جو تھے ، لات رکے ، بل دی ہوئی چادر وں کے سونٹے اور کچھور کے سونٹے مروائے اور زیادہ سے زیادہ ۴۵ تک مروائے - حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں ۴۵ کوڑے اور عمرؓ کے زمانے میں ۸۰ کوڑے مارے جاتے تھے اسی کو امام ابو حنیفہؒ ، امام مالکؒ حد مانتے ہیں مگر حضرت علیؓ اور امام شافعیؒ ۴۵ کو حد بتاتے ہیں - حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں رویشہ کی دکان اور ایک پورا گاؤں اس لئے ملوا دیا کہ وہاں خفیہ شراب کا کاروبار ہوتا تھا - اس طرح اللہ کے رسولؐ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر مشرک کی طرف لے جانے والے تفرقہ اور فتنہ و فساد کا باعث بننے والے تمام راستوں کو بند کر دیا گیا - لوگوں کے لئے استیجابت کی راہ آسان کر دی گئی - امن و اخوت کی منزل کی تمام رکاوٹیں ہٹا دی گئیں -

انسانی معاشرے کو اتفاق اتحاد سے محروم رکھنے کیلئے شیطان نے سوڈ کے کاروبار کو خوب چمکایا ہوا تھا - اس لعنت کے اثر سے لوگ مجبوظ الحواس ، غیر معقل حرکات کر خوائے ، دولت کے پیچھے دیوانے ، خود غرضی کے جنون میں مبتلا انسانی محبت ، اخوت اور ہمدردی سے بیگانہ ہو گئے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ، جو لوگ سوڈ کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے صدقات کا حکم دیا تو شیطان لوگوں کو مفلسی سے ڈرانے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دینے لگا - (البقرہ - ۲۶۸) - مگر اللہ جل و شانہ کے رسول مقبولؐ اتفاق فی سبیل اللہ کا ایسا درس دیا کہ لوگ ، دوسرے بھائیوں کو اپنی ذات پر ترجیح دینے لگے صدقات و خیرات لے کر ایک ایک دروازے پر جاتے تھے مگر اس کو لینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا - پہلے جن لوگوں کو صرف اپنی تجوریاں بھرنے کی فکر لاحق رہتی تھی - اب انہیں اپنے پرکوسبیوں ، رشتہ داروں بلکہ غیر مسلم غریب انسانوں کی فکر رہنے لگی - اس طرح پورے معاشرے میں فیاضی ، ہمدردی فراخ دلی ، عالی ظرفی ، باہمی محبت ، خلوص اور امن و بھائی چارے کا دور دورہ ہو گیا - سوچو پابندی لگا کر شیطان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا گیا -

معاملات کفار کی ممانعت !

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا أَعْدَاءَكُمْ** اولیاءاً (الممتحنہ - ۱) اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو یہ درس دیا گیا ہے کہ جہاں کفر و اسلام کا مقابلہ ہو، اور کچھ لوگ دوسرے لوگوں کے مسلمان ہونے کا بنا پر دشمنی کر رہے ہوں۔ وہاں کسی شخص کا کسی غرض اور کسی مصلحت سے بھی کوئی ایسا کام کرنا جس سے اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہو اور کفر اور کفار کی مدد ہوتی ہو، ایمان کے منافی حرکت ہے۔ کوئی شخص اگر اسلام کی بدخواہی کے جذبے سے بالکل خالی ہو اور بد نیتی سے نہیں بلکہ محض اپنی کسی شدید ترین مصلحت کی خاطر ہی یہ کام کر دے پھر بھی یہ فعل کسی مومن کے کرنے کا نہیں ہے اور جس نے بھی یہ کام کیا تو وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔

اہل ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے ”سوہ حسنہ“ پر عمل کرتے ہوئے اپنی کافرو مشرک قوم سے صاف صاف قطع تعلق اور پیڑاری کا اعلان کریں۔ اور ان کے ساتھ محبت اور سہار دی کا اتنا تعلق بھی نہ رکھیں کہ ان کیلئے دعا تک کریں۔ خواہ کافرو مشرک ان کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کہ وہ اپنے کفر و شرک سے ثابت ہو کر عقیدہ توحید پر عمل پیرا ہو جائے۔ اسی جذبہ ایمانی کا نتیجہ تھا کہ آنحضورؐ کے جان نثاروں نے بدرواح میں اپنے کافرو مشرک باپوں اور بھائیوں کی گردنیں کاٹنے سے گریز نہ کیا اور نہ ہی انہیں قابو آنے پر قیدی بنا لیتے سے رکے۔ اسی تعلیم کے نتیجے میں کالا کلوتا حبشی غلام بلال بن رباحؓ کا سید کھلایا اور ابو جہل قابلِ گردن زدنی قرار پایا۔

تفرقہ فی الدین کا علاج !

دین میں تفریق کی بنیاد آنحضورؐ کی تعلیمات سے روگردانی ہے۔ ”ان اختلافات کی وجہ محض دنیوی لالچ، حسد اور مذہب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظہور پذیر ہونے کے وجوہات کا سد باب کرتے ہوئے فرمایا۔ خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الہدیٰ، صدی محمد و مشر الامور محدثاتہ و کل بدعة ضلالة“ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب

ہے اور سب سے بہتر طریقہ سنت رسولؐ ہے۔ سب سے بُری چیز دنیا میں نئی نکالی ہوئی چیز ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ ایک اور حدیث میں آپ کا یہ ارشاد معلوم ہوتا ہے۔ ”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے پس وہ دور ہے“ ان حدود کے اندر آپ نے اپنی ساری اُمت کو کام کرنا سکھایا اور ان تعلیمات کی برکت سے امن اور بھائی چارے کی فضا قائم ہوئی۔ مسلمان سنت رسول اللہ سے بال برابر مٹا بھی گوارا نہ کرتے تھے، لہذا فرقہ فرقہ ہونے کا سوال ہی نہ تھا۔

آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی آپ ہی کے طریقے کو مشعلِ راہ بنایا۔ حضرت ابو بکرؓ کے پاس ایک دای اپنے فوت شدہ پوتے کی میراث کا معاملہ لے کر آئی جس پوتے کی ماں پہلے ہی فوت ہو چکی تھی۔ ابو بکرؓ نے دای کو ماں کا حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ مگر جو نہی انہیں نعرہ بن شعبہؓ اور محمد بن مسلمہ کی شہادت سے آنحضرتؐ کا طریقہ معلوم ہوا۔ آپ نے فوراً اپنے فیصلے سے رجوع فرمایا اور اس کو چھٹا حصہ (مادری) دلا دیا۔ (بخاری و مسلم)

ابو بکرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلا اعلان یہ فرمایا: اَطِيعُوا مَا اطاعت الله ورسوله فان عصيت الله ورسوله فطاعة لى عليكم جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرو اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے۔

آپ کسی حال میں بھی حضرت اسامہؓ والے لشکر کو روکنے پر آمادہ نہ کئے جاسکے اور آپ نے فرمایا: ”لو خطفتي الكلاب والذئاب لمراد قضاء قضايه رسول الله“ اگر کتے اور بھیڑیے بھی مجھے اچک لے چاہیں تو میں اس فیصلے کو نہ بدلوں گا، جو رسول اللہ نے کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہؓ کی بجائے کسی اور کو امیر مقرر کرنے کا مشورہ دیا تو ان کو وارڈھی سے پکڑ لیا اور غصے سے ارشاد فرمایا: تَكَلَّفْتُ اَمْلًا وَعَدَمْتُكَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ اسْتَعِجِلْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقامری ان انزعہ خطاب کے بیٹے !
 تیری ماں تجھے کھوسے اور روئے صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مامور کیا اور تو مجھ سے
 کہتا ہے کہ میں اس کو ٹھادوں " یہی صورت حال تمام خلفاء کے دور میں رہی ۔ دراصل
 بدعت وہ بیماری ہے جو اہم کو غیر اہم ۔ مباح کو فرض اور فرض کو مباح بنا کر کئی
 فرقوں کی پیدائش کا موجب بنتی ہے ۔ اللہ کے رسول نے اس کو مگر اسی اور مردود
 چیز قرار دیا ہے ۔

غیر اللہ کا جبری تسلط

غیر اللہ کے جبری تسلط کا نتیجہ فتنہ و فساد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔ حقیقی خالق
 مالک ، رب اور حکم کی بجائے جب کوئی طاقت اللہ کے بندوں پر جبر و اکراہ اپنے
 احکام چلا کر شروع کرتا ہے تو فتنہ و فساد کی لہر اٹھتی ہے ۔ اللہ کے کچھ بندے بندوں
 کے خدا بن بیٹھتے ہیں اور کچھ دوسرے بندوں کے بندے بننے پر مجبور ہو جاتے ہیں
 نسل ، زبان ، رنگ ، قوم اور وطن کے تعصبات جنم لیتے ہیں ، انسان برہمن اور شہر
 میں بٹ جاتے ہیں ۔ بد اخلاقی ، بد امنی اور ظلم وجود کا دور دورہ ہو جاتا ہے ۔ اسلام
 نے اللہ کی رسی کو مصنوعی سے پکڑنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا : **فَمَنْ يَكْفُرْ**
بِالطَّاعُوتِ وَلِوَعْدِ اللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ یعنی
 جس نے طاعت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے مصنوعی رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے
 والی نہیں ہے " یعنی اللہ تعالیٰ پر سختہ ایمان اور طاعت کے ساتھ کفر وہ طریقہ ہے
 جس سے امن قائم ہو سکتا ہے اور استنجابت کی راہ آسان ہو سکتی ہے ۔ اللہ
 تعالیٰ کا مزید حکم ہے " **أَنْ اَعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاعُوتِ**
 اللہ کی بندگی کرو اور طاعت کی بندگی سے بچو ۔

آنحضور نے تکمیل نفوس انسانی کی خاطر ان رکاوٹوں کو دور کیا جو صدیوں سے بد امنی
 کا باعث چلی آرہی تھیں اور انسانی بھائی چارے کی راہ میں مستقل رکاوٹ تھیں ۔ مثلاً خون
 کا انتقام لینا ، میراث کے طور پر ایک فرض خاندانی ہوا کرتا تھا ۔ اس کے بارے میں آنحضور
 نے فرمایا !

ورہاء الجاہلیۃ موضوعۃ وان اول دمہ اضع من دماء
 نادر ابن ربیعۃ بن الحارث (بخاری و مسلم) - جاہلیت کے تمام خون
 (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون)
 ربیع بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں - مالی طاغوت پر چوٹ لگائی اور فرمایا!
 وربا الجاہلیۃ موضوع واول ربا اضع من ربا ناربہ عباس بن
 عبد المطلب "جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور میں سب سے
 پہلے اپنے خاندان کا سود یعنی عباس بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہوں - اصول یہ
 بتا دیا الا کل شیء من امر الجاہلیۃ تحت قدمی موضوع یعنی جاہلیت
 کی ہر رسم کو باطل کرتا ہوں -

معاشرے کے لیے ہوئے اور نظر انداز کئے ہوئے طبقات کا ذکر اس طرح
 ادقاء کو ادقاء کو اطموہم فما تا کلون واکسوہم مما تلبسون
 (ابن سعد) تمہارے غلام! تمہارے غلام جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو
 خود پیو وہی ان کو پیناؤ - آپ نے فرمایا!

فاتقوا اللہ فی النساء عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو

پھر مجموعی طور پر سب کو نصیحت کی ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین
 اخوة یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی
 ہیں (متدرک حاکم، طبری)

اس اعلان سے کمال انسانی کی منزل کا شگ گراں یعنی امتیاز مراتب کا طاغوت، سلاطین
 کا سایہ نیردانی ہونے کا وہ تصور باطل جس کی وجہ سے کسی کو ان کے آگے چوں چرا کی ہمت نہ تھی
 ائمہ مذہب کا وہ غرور و تکبر جس کی وجہ سے کوئی مذہبی سائل میں ان کے ساتھ گفتگو کا مجاز نہ
 تھا - شرعاً کارزیلوں سے بالاتر ہونے کا گھمنڈ، غلام و آقا کی ظالمانہ تفریق اور باپ
 دادا سے چلے آئے جاہلیت کے ظالمانہ طور اظوار سب کا بخارہ نکال دیا اور اللہ کے بندوں
 کو بھائی بھائی بنا دیا -

آخر وسیع تر انسانی برادری کے قیام کا اعلان اس طرح فرمایا! الا ان دیکم واحد
 وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا

لاحمر علی اسود ولا لا سود علی احمر الا بالتقویٰ لگو بے شک تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر سرنج کو کالے پر اور کالے کو سرنج پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے، اس طرح تباہ رنگ و بو کو توڑ کر تمام انسان ملت میں گم ہو گئے اور افغانی اور طورانی کی تفریق مٹا دی گئی۔

استحباب کا یہ عالم تھا کہ وہ عورتیں جن کے بیٹے، باپ، بھائی اور شوہر جنگ میں شہید ہو گئے وہ ہر خبر کے بعد آنحضورؐ کی زندگی کے بارے میں دریافت کرتی تھیں اور جب یہ بتایا جاتا کہ آپؐ بخیر و عافیت ہیں تو خدا کا شکر ادا کرتیں اور کہتیں اگر آپؐ زندہ ہیں تو پھر ہر مصیبت آسان ہے۔

ایک عاشق رسولؐ نے ایک یہودی کے مقابلے میں مسلمان کہلوانے والے کی گردن محض اس لئے تار دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد مقدمہ آپؐ کے پاس پیش کیا تھا، گردن اڑتے وقت اعلان کیا گیا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہیں مانتا عمر اس کا فیصلہ اس طرح کرتا ہے اور محفوظ ہے ہی عرصہ بعد اس کے فیصلے کی صحت پر اللہ تعالیٰ نے مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے خلاف دل میں تنگی محسوس کرنے والا ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

پورا دین اسلام دراصل استجابت پیغام خدا اور رسول کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس تبلیہ کے راستے کی چند بڑی بڑی رکاوٹوں کا ذکر کر دیا گیا ہے اور مختصراً یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آنحضورؐ نے اپنی امت کو استجابت کا درس کس طرح دیا اور بکھرے ہوئے انسانوں کو کیسے معجزانہ طریقے سے ایک لڑی میں پرو دیا اور اخوت و مساوات کی قدر و دل سے آشنا کر دیا۔

وما توفیقی الا باللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

حضور اکرم ﷺ بحیثیت داعی امن و نجات

پروفیسر سید ازکیا ہاشمی ہانسہرہ

امن و سلامتی کا قیام۔ وقت کا اہم ترین مسئلہ

کرۃ ارض پر جب سے انسانی شعور نے آنکھ کھولی ہے وہ ایک اہم سوال کے حل میں غلطیاں و پیچاں نظر آتا ہے کہ اس دنیا میں امن و سلامتی کا حصول کس طرح ممکن ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ باہمی معاشرت سے انسانی مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اس تصادم اور ٹکراؤ سے فساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں جو ختم امن و سلامتی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہیں۔

تاریخ انسانیت اسی سوال کے حل کی مسلسل داستان ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ انسان نے اس باب میں کیا کیا سوچا اور تجربہ کیا اسے کس طرح غلط ثابت کر دیا۔ ادوار سابقہ کی طرح عصر حاضر کے انسان نے بھی اسی سوال کے حل میں اپنی ذہنی و فکری توانائیاں صرف کیں جس کے نتیجے میں نیشنلزم (وطنی بنیادوں پر قومیت کی تشکیل) کو شرف انسانیت کی انتہا تصور کر لیا گیا لیکن آج اس کے نتائج و عواقب سے یہ حقیقت بے نقاب ہو چکی ہے کہ جسے تریاق سمجھا جاتا ہے وہ انسانیت کیلئے زہر قاتل ہے۔ چنانچہ خود مغربی مفکرین اب اس کے مائل ہو چکے ہیں کہ قومیت پرستی دنیا کو فنا کی طرف لے جا رہی ہے۔ اور یہ کہ جنگ کی بنیاد نیشنلزم ہے، ارتقاء جنگ کی ساری تاریخ کا سراغ ایسی بنیاد سے لگ سکتا ہے۔

چنانچہ انسان کو اس کی موجودہ پستی سے نکال کر بلند یوں کی طرف لے جانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ انسان خاندان وطن اور نسل کی تنگنائیوں سے آگے بڑھ کر پورے انسان کو اپنی آغوش میں لے لے۔

آئیے انسانیت کے اس لاینحل مسئلہ کے حل کیلئے سیرت طیبہ کی طرف رجوع کریں کہ جس کے انقلابی اثرات سے نہ صرف خونریز و خون آشام خلیفہ عرب امن و سلامتی سے متعارف ہوا بلکہ پوری دنیا کیلئے رشد و ہدایت کی ایسی تندی ملیں روشن ہوئیں جو رستی دنیا تک انسانیت کیلئے امن و سکون اور عافیت و اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

پیغمبر خدا کا عطا کردہ پیغام حیا اور اس کے اثرات

بعثت محمدی کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ انسانیت تباہی و بربادی کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھی، پوری دنیا سے امن و امان کا نام حرف غلط کی طرح مٹ چکا تھا، ہر طرف خود غرضی اور مفاد پرستی کا دور دورہ تھا، کوئی رنگ و نسل کے نام پر معرکہ آرا نہ تھا تو کوئی وطنی لونی اور نسلی تعصب میں مبتلا ہو کر انسان خون سے بولی کھیل رہا تھا۔

الغرض انسانیت دم توڑ چکی تھی، انسانوں کی بستی روئے زمین پر بسنی ضرور تھی۔ مگر انسانی مجدد و شرف سے ہی دامن سوچا چکی تھی۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا، انسانی جان کی کوئی قیمت تھی نہ اس کی عزت و آبرو کو کوئی تحفظ حاصل تھا۔

ملک عرب میں قبیلوں کے نام پر جنگیں رہا رہیں تک مسلسل جاری رہتی تھیں۔ بیرون عرب آریوں نے طاقت پاکر غریبوں کو پامال کیا، برہمنوں اور چھتریوں نے شہر و دیہات کو غلام بنایا، رومیوں نے افریقیوں پر غلبہ پاکر ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈالے، یونانیوں نے ایرانیوں کو کمزور پاکر خونریزی کی۔

اس پر آشوب دور میں جب بعثت محمدی کی کہ فیض پھیلے تو تجارت و مستفاد م تباہی کی تیسر و شکر ہو گئے، کالے گورے عربی و عجمی آقا و غلام کا امتیاز ختم ہو گیا، اخوت و محبت کے پھول کھلنے لگے۔ فتنہ و فساد کی راہیں سدود ہوئیں، امن و سلامتی کا دور دورہ ہوا۔ قرآن حکیم نے اہل ایمان کو اس انقلاب عظیم کی یاد دلاتے ہوئے

ارشاد فرمایا ،

”اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے ۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو بچالیا ، اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے تاکہ تم ہدایت یاب ہو سکو ۔“

یہ انقلاب عظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ لازوال تعلیمات پر عمل کا نتیجہ تھا جن کا عنوان ہی اسلام ہے جو کہ سلامتی و آشتی کے معنی کا حامل ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی قبل از بعثت و بعد از بعثت اس حقیقت سے عبارت ہے کہ آپ اس دنیا میں امن کے خواہاں تھے ۔ زمانہ جاہلیت میں تشدد و خونریزی کے انداد کیلئے فضیل بن فضالہ ، فضل بن وداعیہ اور فضل بن عارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا جو انہی کے ناموں پر ”حلف الفضول“ کے عنوان سے مشہور ہوا ۔ جنگ فجار کے بعد اس معاہدہ کی تجدید عبداللہ بن جدعان کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک پر سونی جس میں طے پایا کہ آئندہ اگر کسی شخص سے خواہ ملی ہو یا اجنبی ، آزاد ہو یا غلام ، مکہ کی حدود کے اندر ظلم و بے انصافی کی کسی تو مظلوم کی حمایت کی جائے گی اور مکہ کے اندر کوئی ظالم نہیں رہے گا ۔ آپ فرمایا کرتے تھے ۔

لقد شهدت فی دار عبد اللہ
بن جدعان حلفاً ما أحب
ان لی بہ حر النعم ولو
دعی بہ فی الاسلام لاجبت
اگر مجھے سرخ اونٹ بھی اس معاہدہ کے
بدلے میں دیے جاتے تو سرگز پندہ کرتا
اور اگر اب بھی اس قسم کے معاہدہ کی دعوت
دی جائے تو اس میں ضرور شرکت
قبول کر دوں گا ۔

یہ واقعہ درحقیقت آپ کی اس معصوم فطرت سلیمہ کا عکاس ہے کہ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو امن و آشتی کا پیامبر بنا کر دنیا میں مبعوث کرنا تھا ۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے یہودیوں ، عیسائیوں اور مشرکین عرب سے معاہدہ کیا اور ریاست مدینہ کیلئے ایک آئین مرتب کیا جس سے قبائلی تشدد کا خاتمہ اور امن و امان

کو فروغ ملا۔ اس کی رفعت سے واضح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امن کا قیام، آشتی و یحانی چارہ کافروں اور فتنہ و فساد کا خاتمہ و انسداد کس قدر عزیز تھا۔

قیام امن کیلئے حدیبیہ جیسے معاہدے پر رضامندی کا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی اسن پسند کا نتیجہ تھی۔ آپ نے احکامات امن کی پاسداری اور انسانیت سے محبت کا ثبوت فتح مکہ کے موقع پر فراہم کیا۔ جب کفار مکہ کو امن فراہم کرتے ہوئے سوائے چند ایک کے (جو کہ فتنہ و فساد کا منبع تھے) لا متشریب علیکم الیوم کے ذریعہ عام معافی کا اعلان فرمایا۔

دس سالہ عہد نبوی میں جب پورا جزیرہ عرب اسلام کے زیر نگین آگیا تو امن و امان کا یہ عالم تھا کہ جس خطہ میں صدیوں سے آزادانہ سفر ممکن نہ تھا۔ ایک کمزور بڑھیا اس میں بڑی آزادی سے سفر کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی آپ کے عہد میں پوری ہو گئی تھی۔

”ایک وقت ایسا آیا کہ جب ایک شتر سوار منہاج بن سے حضرموت تک تنہا سفر کرے گا۔ اور اس کو صدمہ کے سوا اور بھیڑیے کے سوا (اس کی بکریاں نہ اٹھلے جائے) اور کسی کا ڈرنہ ہوگا۔“

دوسری حدیث میں ہے کہ:

”ایک عورت“ حیرہ سے چلے گی اور اگر کعبہ کی زیارت کرے گی اور اس کو صدمہ کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا۔“

طلوع اسلام کے بعد وہاں کی کابایوں اور کیسے پلٹ گئی وہ کرہ ارض جو فتنوں اور عداوتوں کا جہنم بنا ہوا تھا اب اتحاد و اخوت امن و سلامتی اور عروج و ترقی کا نشان اعظم بن گیا۔ یہ نتیجہ تھا تعلیمات نبوی کی اثر انگیزی کا جس کے منطقی نتیجہ میں وہ قوم اپنے صدیوں قدیم باہمی تعصبات، انتقام، بغض و عداوت اور تشدد کو بھلا کر اتحاد و اخوت کے اوٹ رشتے میں منسلک ہو گئی۔

انہی تعلیمات کی اتباع و پیروی انسانیت کو حیات ابدی و سرمدی سے روشناس کر سکتی ہے۔ جس طرح اہل عرب کیلئے آپ کا یہ پیغام حیات نو کا باعث بنا اسی طرح موجودہ دور میں بھی امن و عافیت سے محروم انسانیت کے دکھوں کا مداوا بننے کی اہلیت رکھتا

ہے اس لئے کہ آپ کے پیغام کا دائرہ کسی مخصوص قبیلے، خطے یا زمانے تک محدود نہیں بلکہ الی کافیۃ للناس ہے اور اس کی افادیت ہمہ گیری زمان و مکان اور حال و مستقبل کی قیود سے بالاتر ہے۔

آج اگر امن و عافیت سے محروم اور ظلم و تشدد سے مجبور انسانیت، نظام امن، کی تلاشی تو اسے انسانیت کے محسن اعظم سی کے عطا کردہ (اصول و ضوابط کو زندگی کا لائحہ عمل بنانا ہوگا اسی کے لئے ہوئے نظام حیات کی اتباع میں بنی نوع انسان کی عظمت و رفعت کی ضمانت ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اسلام میں جہاد کا مقصد زمین سے فتنہ و فساد اور ظلم و ستم کا خاتمہ، انسانی بروری اور نسل انسانی کی حفاظت، بے کسوں کی دستگیری اور بندگانِ خدا کو امن و سلامتی کی نعمت سے سکنہ کرنا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد معاشرے میں امن و سلامتی کا قیام اور ظلم و جور کا خاتمہ ہے۔ اس کی حیثیت اس نشتر کی سی ہے جو جسد انسانیت کے فاسد عضو کو قطع کر کے پورے معاشرے کو تباہی و ہلاکت سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسلام کو مذہب امن کے بجائے مذہب جنگ قرار دینا بے اثر تعصبات کی بییاں آنکھوں سے طائرِ اسلامی جہاد کا موازنہ دیگر اقوام کی جنگوں کے ساتھ کریں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ دیگر قومیں جنگ کرتی ہیں خون بہانے کیلئے، کشور کشائی اور اقتدار طلبی کیلئے سیاسی مفادات کے حصول کیلئے اپنی فوقیت و برتری قائم کرنے کیلئے مگر مومن کا جہاد ہوتا ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے اعلیٰ اخلاق اور اقدار کے تحفظ و بقا کیلئے مظلوموں کو ظالم کے ظلم سے چھڑانے کیلئے، امن کی راہ میں جان و مال کا قربان کر دینے کیلئے، اس دوران دشمن کی عورتیں، بچے، بوڑھے، کھینٹی باڑھی اور درخت محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ جہاد اخلاق و آداب و ضوابط اور شرفیاء تعلیمات کے اس قدر پابند ہوتے ہیں کہ نوع انسانی کے حق میں "مذہب" کے بجائے "تادیب" کا درجہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات سب اسی حقیقت پر مبنی ہیں۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں امن و سلامتی کی بنیادیں

انسانی زندگی کا کوئی تصور، کوئی بھی فلسفہ، کوئی بھی نظریہ حیات جو جغرافیائی، علاقائی، لسانی، رنگ و نسل یا انسان کی مخصوص معاشی یا سیاسی وفاداری پر مبنی ہو امن و سلامتی کا کبھی نہ امن اور کفیل نہیں ہو سکتا کیونکہ جب اس کی وفاداری کی اساس کسی خاص علاقے یا کسی خاص قوم کے ساتھ وابستہ ہے تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے دائرے سے باہر اس کا طرز عمل جارحانہ ہوگا۔

اسلام جو کہ دین فطرت ہے، دین رحمت ہے اس نے اجتماعی امن کی اساس و بنیاد اس نظریہ پر رکھی کہ پوری انسانیت، پوری نوع انسانی ایک وحدت ہے اور جب تمام انسان ایک ہی وحدت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں تو انہیں آپس میں محبت و الفت، تعاون و اخلاص باہمی سے امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے، ارشاد ربانی ہے۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلانے اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داروں (کی حق تلفی) سے بھی ڈرو یقیناً اللہ تم سب کی اطلاع رکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا ذِكْمَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

اس آیت میں وحدتِ نوعِ انسانی سے متعلق چار مختلف صوریات سامنے آتی ہیں

- ۱۔ وحدتِ تخلیق
- ۲۔ وحدتِ نوعِ انسانی
- ۳۔ وحدتِ ہدایت
- ۴۔ وحدتِ مقصد

مذہبہ بالا وحدتوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب خالق ایک ، نوع انسانی ایک ، نوع انسانی کا مقصد ایک ، تو اس مقصد کے حصول کیلئے طریق حیات یا ہدایت بھی ایک ہے ۔ جو مطلوب و مقصود ہوگی تاکہ اس مقصد و حید تک رسائی کیلئے وہ کامیابی و کامرانی کے ساتھ کامزن ہو سکے ۔

ان چار وحدتوں کا تصور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن نے اس آیت میں ”والا راحام“ کی طرف جو لطیف اشارہ فرمایا ہے وہ انتہائی بلیغ اور معنی خیز ہے کہ ”ارحام“ سے مراد بالعموم نسبتی رشتے دار لئے جاتے ہیں ۔ لیکن اس آیت میں عالم گرت کے مفہوم کی عمومیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری انسانی برادری مراد لی جاسکتی ہے یا دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے اس مفہوم کو متعین کیا جاسکتا ہے کہ نسب رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کے دائرے کا آئناز کر کے اسے عالمی برادری تک وسیع کرتے جاؤ۔ ظاہر ہے کہ جب انسانی اخوت کے احساس کے ساتھ انسان چلے کہ وہ پوری عالمی برادری کا فرد ہے اور باقی افراد نوع انسانی سے وہ مودت باہمی کے رشتے سے پیوستہ رہے تو انسانوں کا باہمی معاملہ ہمیشہ حسن تعاون ، حسن سلوک اور اجتماعی امن کا علمبردار ہوگا اور ایک دوسرے کی اذیت رسانی ، حق تلفی اور استحصال سے مذموم تصورات سے پاک و منزہ ہوگا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مضمون کو بنیاد بناتے ہوئے مختلف ”عبداللہ“ کیا ۔ فرمایا ”الخالق عیال اللہ“ یعنی ساری مخلوق خدا کا لہبہ ہے ۔

کلام الہی اور تعلیمات نبویؐ سے یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہوتی ہے کہ بنی نوع انسان کے مختلف افراد ایک ہی نفس حیات کے مظاہر ہیں اس طرح جیسے پٹھان ، بلب ، مشین سب بجلی کی ایک لہر Current کے حرکیاتی مظاہر ہوتے ہیں ۔ تمام انسان ایک ہی خاندان کے افراد ایک ہی درخت کے پتے اور ایک ہی سمندر کے قطرے ہیں جن کی اصل بنیاد ایک ہے ۔ یہ ایک جوڑے رواں ہیں جس کا ہر قطرہ مذہبی کا لائیفک حصہ ہے ۔ پھر استخاس و افراد کے درمیان انسانیت کا یہ رشتہ اس وقت مزید مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے جب ان کے دل ایک محکم اساس اور ایک مضبوط رابطہ کے ساتھ مربوط ہوں ۔ اور وہ مضبوط رشتہ ہے اسلامی اخوت کا کہ کوئی رشتہ اسلامی رابطہ سے بڑھ کر محکم و

استوار نہیں، معاشرے میں امن و سلامتی کی بنیاد و اساس یہی رشتہ اخوت و مودت ہے
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت اسلامی کی بنیاد خدا کے اس حکم پر رکھی۔

انما المؤمنون اخوة فاصحابہم
اخویکم واتقوا اللہ لعلکم
ترحمون ۱۰

مسلمان سب بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں
کے درمیان صلح کرو اللہ سے ڈرتے رہو
تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتے کی مفہوم کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے
اسے جسد واحد سے تعبیر کیا ارشاد فرمایا ۱۱۔

تمی المؤمنین فی تراحمہم وتوادہم
وتعاطفہم کمثل الجسد اذا
اشتکى عضو تداعی لہ سائر
جسدہ بالسہر والحمی ۱۱

تم مسلمانوں کو دیکھو گے کہ وہ آپس میں رحم کرنے
مہربانی کرنے میں ایک جسم کی مانند ہیں جب جسم کا
ایک حصہ کسی تکلیف کی شکایت کرتا ہے تو
باقی جسم بھی اسی کی خاطر شب بیداری اور بھاری
متبلا سو جاتا ہے۔

نیز مومنین میں باہمی رشتہ اخوت کو بنیاد موصوفہ سے تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
المؤمن للمؤمن کالبنیان المرصوص
لیشد بعضہ بعضاً ۱۲

مومنین ایک دوسرے کیلئے ایک دیوار کی
انہیوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے
سے تقویت پاتا ہے۔

مومنین میں باہمی جذبہ رحمت کو اجاگر کرنے کیلئے فرمایا:
لا یومن احدکم حتی یحب لا خبیہ
ما یحب لنفسہ ۱۳

تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا
جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے وہی چیز
پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا۔

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا
یکذبه ولا یحقرہ ۱۴

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا
نہ اسے دھوکا دیتا ہے نہ اس سے جھوٹ
بولتا ہے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرتا ہے۔

جذبہ اخوت کے استحکام کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کی تلیقین فرمائی۔

جن سے باہمی اخوت و اتحاد کو فروغ ملتا ہو اور ان تمام باتوں سے مجتنب رہنے کی تاکید فرمائی جن سے مسلمانوں کے باہمی تعلق و ارتباط میں رخنہ پڑتا ہو، ایسے اخلاق عالیہ متصف و آراستہ ہونے کا حکم دیا جن کی بناء پر صالح افراد تیار ہوں تاکہ صالح معاشرہ وجود میں آسکے اور ان تمام زوائل اخلاق سے منع فرمایا جن کی وجہ سے افراد بد اخلاقی کا شکار ہو کر پورے معاشرے کو پرانگندہ کرتے ہیں فضائل اخلاقی مثلاً، صبر و شکر، توکل، صدق، ایقانے عہد، عدل و انصاف، تواضع، شہر زبانی، عفو و درگزر، اتفاق و اتحاد، احسان، نیکی، ایثار، تقویٰ، اصلاح بین الناس مجلسی آداب، شرافت، رازداری، صدقہ و خیرات پر معنی تعلیمات کی ترغیب دی جن کے اپنانے سے پورا معاشرہ باغ و بہار بن جاتا ہے۔ ان کے بالمقابل، زوائل اخلاق مثلاً جھوٹ، افتراء، غیبت، بہتان، قول بے عمل، ریاکاری، خوشامد، رشوت، تکبر، عنسد، حرص و سبج، فضول خرچی، حسد، بغاوت، بغض، بدگوئی، سوء ظن، بزدلی، خود ستائی، کالی گلوچی، استہزاء، ہوائے نفس کی اتباع، فحشاء، معصیت، غفلت، المختصر ان تمام زوائل اخلاق سے بچنے کی تلقین فرمائی جو انفرادی و اجتماعی زندگی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

اگر مذکورہ بالا دس باتوں کو اختصار کے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو سم یہ کہہ سکتے ہیں کہ معاشرے میں تین امور ایسے ہیں کہ ان کی حفاظت سے معاشرہ صالح اور مستحکم بن جاتا ہے اور ان کے بگاڑ اور فساد سے معاشرہ فساد کی ظلمتوں میں ڈوب جاتا ہے وہ تین امور جو بالخصوص معاشرے کو امن کا گہوارہ بناتے ہیں یہ ہیں۔

۱۔ حفاظتِ بان ۲۔ حفاظتِ عزت و آبرو ۳۔ حفاظتِ مال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں چیزوں کی حرمت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى أَمَلٍ حَرَامٌ مَّالُهُ
وَعَرَضُهُ وَدَمُهُ رَهًا
ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خولے مال
اور آبرو حرام ہے۔

پہلی بنیادی چیز جس سے معاشرے کے امن و سکون کی ضمانت فراہم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسانی جان محفوظ ہو۔ انسانی جان کا تحفظ جو ہمیں دین محمدی نے عطا کیا ہے وہ دنیا کے کسی دستور اور نظام نے نہیں دیا۔ اس تحفظ کیلئے اولاً تو ترغیب و ترسب کے ذریعے قتل و خونریزی کو بند کرنے کی کوشش کی۔ پھر ان مفاسد کی نشاندہی کی جو غوثِ ناحق سے

پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ امن و امان سے اس کا جو گہرا تعلق ہے اس کی وضاحت کی ہے۔

انسانی جان کی حرمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد قتل کو بڑا گناہ قرار دیا۔ ۱۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کی بیعت لیا کرتے تو دیگر ضروری باتوں کا اقرار لینے کے ساتھ ساتھ قتل نہ کرنے کا بھی اقرار لیتے تھے۔ حضرت عبادہ رضی بن صامت فرماتے ہیں۔

”ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم نہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں گے، نہ زنا کریں گے، نہ چوری کریں گے، نہ اس شخص کو قتل کریں گے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے اور نہ لوٹ مار کریں گے۔“ ۱۸

حنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی جان کی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”قتل المؤمن اعظم عند الله
من زوال الدنيا“ ۱۹

مومن کا قتل اللہ کے نزدیک دنیا کے

نہہ و بالا ہونے سے بڑھ کر ہے۔

من زوال الدنيا ۱۹

حتیٰ کہ دوسری کتب کے بارے میں فرمایا:

”من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة“ ۲۰

جس نے کسی معاہدہ (دشمن) کو قتل کیا وہ جنت کی بو سے بھی محروم ہوگا۔

امن و سلامتی کے پیام اور اخوت کے استحکام کیلئے دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے اجتناب کیا جائے جن سے کسی مسلمان بھائی کی عزت نفس مجروح ہو۔ جس سے دلوں میں کدورت و نفرت پڑتی اور عداوت و منافقت اور انتقام کی آگ بھڑکتی ہو۔

ترانِ حکیم نے چند ایسے ہی مفاسد کی نشاندہی کی جن سے انسان کی عزت آبرو کو خطرہ لاحق ہو اور عزت نفس مجروح ہو جو رشتہ اخوت کو کمزور کر کے فساد کی راہیں ہموار کریں انہیں بیخ و بن اکھاڑنے کی ہدایت و تلقین کی، ارشادِ ربانی ہے۔

”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مختصر نہ اڑائے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں کا مذاق اڑانا چاہیے۔ کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں

اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا ہی بڑا ہے۔ اور جو باز نہ آوے گے تو وہ ظلم کر نیوالے ہیں ۲۱۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور جاسوسی نہ کیا کر دو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تم اگر سمجھتے ہو اور اللہ ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۲۲۔ یہ وہ اخلاقی چارٹر ہے جسے پیغمبر اسلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل جذبہ اخوت کی تقویت اور انسان معاشرے کے استحکام کیلئے امت کے سامنے پیش کیا مابہر بنی غمراہیات، و معینین اخلاق اس بات پر متفق ہیں کہ معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ نے انسانی عزت و آبرو کے تحفظ کیلئے اور جذبہ اخوت کی بیداری کیلئے انہی زوائل سے اجتناب کی دعوت دے کر بے خوفی و کدورت اور بغض و عداوت کا باعث بننے میں ارشاد نبوی ہے۔

لَا تَحْسَدُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا وَلَا تَحْسَبُوا عَدَاوَةً بَيْنَ الْأَخْيَارِ
آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ نہ آپس میں بغض رکھو، نہ آپس میں کسی کو پیڑھے پیچھے برائی کرو اور اے اللہ کے بندو ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جاؤ۔

اسی طرح غیبت کی مخالفت فرماتے ہوئے اُسے زیادہ سخت قرار دیا۔
امن و سلامتی کے تحفظ کیلئے تیسری اہم چیز یہ ہے کہ انسان کا حال اسباب جسے قرآن فیما للناس ۲۴ اور زینت ۲۵ سے تعبیر کرتا ہے محفوظ ہو اس لئے کہ آگ انسانی راحت و آرام اور سکون میں بڑا دخل ہے۔ مال کی حرمت سے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من اقتطع حق امر مسلم بيمينه
فقد اوجب الله له النار وحرم
عليه الجنة وان كان
قضيًا من ادائه ۲۶
جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ذریعے
بڑپ کر لیا اس کیلئے اللہ نے جہنم کی آگ
واجب اور جنت حرام کر دی گو وہ لیکر کا لڑکی
کی ایک نشانج ہی کیوں نہ ہو۔

نیز ارشاد فرمایا !

من قتل دون مالہ فموشمہید جو اپنے مال کی حفاظت کے سلسلہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

اسلام نے مال و دولت کے حصول کی جائز صورتیں متعین کیں اور ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا جس سے دوسروں کے حقوق تلف ہوں یا فتنہ و فساد کی راہیں ہموار ہوتی ہوں۔ چنانچہ چوری، ڈکیتی وغیرہ کی شکل میں قطع پیر کی حد نافذ کی گئی ہیں۔

درج بالا روشن حقائق سے امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ فتنہ و فساد کے امداد، فروغ امن اور قیام اخوت کیلئے ضروری ہے کہ انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کو تحفظ حاصل ہو اور وہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان و مال اور عزت نفس کی حفاظت کی پوری پوری ضمانت ذراہم کتابت جس کی اتباع سے نفرتیں اور عداوتیں دور ہوتی ہیں، اخوت و محبت کے پھول کھلتے ہیں اور معاشرہ ذہنی، قلبی، انفرادی و اجتماعی

معاشرہ میں بد امنی اور بے چینی کا ایک سبب اصحاب حقوق کے حقوق کی عدم ادائیگی و حق تلفی ہے۔ اگر ہر آدمی حق کو اس کا حق جو شریعت نے مقرر کیا ہے حاصل ہو جائے تو معاشرہ امن و سلامتی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم نے بکمال اعجاز معاشرے کے اصحاب حقوق اور حاجت مندوں کا ذکر اس آیت میں کر دیا ہے۔

واعبدوا اللہ ولا تشربوا آبہم شیئاً
وبالوالدین احساناً وبذی القربی
والیتیم والمساکین والجار ذی
القربی والجار الجنب والصاحب
بالجنب وابن السبیل وما ملکت
ایمانکم = ۲۸

اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن و سلوک اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ اور غریب کے ساتھ بھی اور قریب اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی اور وہ جو تمہارے زیر تصرف ہیں۔

اس آیت میں خدا کی بندگی اور اس کی توحید سے بعد ہر قسم کی بھلائی کا جو حکم دیا ہے وہ معاشرے کے ہر قسم کے گواہ سے تعلق رکھتا ہے، والدین، رشتہ دار، یتیم، مسکین، قریب اور دور کے ہم ملے دوست احباب، نوکر خادم وغیرہ تاکہ پورا معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام حقوق میں سے ہر نوع کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق

احکامات بھی صادر فرمائے اور اپنے پاکیزہ عمل سے امت المسلمین کو ان کی ترغیب بھی دی۔ جن کی تفصیل کیلئے ایک دفتر عظیم درکار ہے۔

دامنِ نکتہ تنگ دگلِ حسنِ توں بیار
گلچیں بہار توں زرد اماں گلہ وارد
اخوت و محبت کے فروغ کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ارشاد فرمایا!

للمؤمن على المؤمن سِت خصال
يُهوده اذا امر من وليشهده اذامات
ويحببهُ اذا دُعاه ويسلم عليه
اذا القيه وليشمتهُ اذا عطس
ويصيح له اذا غاب او شهد ۲۹

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں!
جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے ۱۔
انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک
ہوے ۲۔ جب وہ دعوت دے تو اسے قبول کرے ۳۔
 ملاقات ہو تو سلام کرے ۴۔ اسے چھینکے اُسے
تو ہر حکم اللہ کے ۵۔ وہ موجود ہو یا غائب ہر
حال میں اس کی خیر خواہی کرے۔

اگر مسلمان ان چھ چیزیں ہدایات پر عمل کر لیں تو ان کے درمیان باہمی محبت و یگانگت اور اتحاد و اتفاق کی ایسی خوشگوار فضا پیدا ہو جائے جو آخرت کی فلاح و کامیابی کے ساتھ ساتھ ان کی دنیوی زندگی کو بھی راحت و مسرت اور سکون و اطمینان کا گہوارہ بنادے اور ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ کر انہیں اخوتِ ایمانی کا ایسا حسین نمونہ بنادے جو دوسری اقوام کیلئے قابلِ رشک اور باعثِ کشش ہو۔

آج ہماری زندگیوں سے سکون و اطمینان ختم ہو چکا ہے، آدمی آدمی کیلئے بھڑبھڑا گیا ہے تو میں قوموں سے ٹکرا رہی ہیں، رڑائیوں اور ظلم و جور کی چکی میں لسی ہوئی انسانیت سمک رہی ہے۔ موجودہ معاشرہ پھر اسی دورِ جاہلیت کا لقتہہ پیش کر رہا ہے جبکہ انسانیت تباہی و ہلاکت کے آخری کناں پہ پہنچ چکی ہے۔ آج بالخصوص امت مسلمہ باہمی محبت و اخوت و الفت اور فضائلِ اخلاق سے عاری ہو کر بدمعنی، انتراتی و انتشارکاشکار ہو چکی ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کی اس زبوں حالی سے فائدہ اٹھا کر ان پر عایدوں طرف سے یلغار کر رہی ہیں، ان میں مزید انتہا پیدا کرنے کیلئے نئی سازشوں کے جال بچھائے جا رہے ہیں۔

ایران و عراق کی باہمی چٹپٹاش، افغانستان کا خلفشار، فلسطینی مسلمانوں کی آزمائش و ابتلا، خود
 وطن عزیز میں علاقائی، لسانی تعصبات اور ذریعہ نوعیت کے مذہبی اختلافات طاغوتی قوتوں کی
 منفی و تخریبی کارروائیوں کا نتیجہ ہیں۔

ان حالات میں ملت اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ تمام تعصبات، اختلافات کو ختم کر کے یہ
 پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور جو طریقہ ربط و اخوت خدا اور رسول نے ہمارے لئے تجویز و متعین
 کیا ہے صرف اسی کی اتباع سے ہمارے دلوں میں یکجہتی اور نگاہوں میں یکدہ رنگی پیدا ہو سکتی
 ہے۔ ہماری زندگی کے چستے آقا حیات آذین پیغام سے پھوٹ سکتے ہیں۔ اور اسی سے
 ہماری کشت حیات سرسبز و تاداب اور اسی کے فیضان سے ہماری زندگی امن و سائستگی اور
 سکون و طمانیت سے آشنا ہو سکتی ہے۔

تمت بالجہ

حاشی مراجع

- ۱۔ مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے ص ۲۳۲
- ۲۔ Creative Freedom ص ۱۱۰
- ۳۔ قرآن : سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳
- ۴۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۹۳
- ۵۔ بخاری محمد بن اسماعیل صحیح بخاری "باب ما لقى النبی و أصحابہ من المشرکین بمکہ"
- ۶۔ ایضاً "باب علامۃ النبوة"
- ۷۔ مسلم بن حجاج صحیح المسلم "باب تحريم قتل النساء والسيان"
- ۸۔ قرآن سورۃ النساء آیت ۷
- ۹۔ خطیب تبریزی ، مشکوٰۃ المصابیح "باب الشفقة والرحمة علی الخلق"
- ۱۰۔ قرآن سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۰
- ۱۱۔ خطیب تبریزی ، مشکوٰۃ المصابیح "باب الشفقة والرحمة علی الخلق" متفق علیہ
- ۱۲۔ ایضاً -
- ۱۳۔ ایضاً -
- ۱۴۔ مسلم بن حجاج صحیح المسلم "باب تحريم التماسد والتباغض والتدابر"
- ۱۵۔ ایضاً "باب تحريم ظلم المسلم وعذله"
- ۱۶۔ قرآن سورۃ المائدة آیت نمبر ۳۱
- ۱۷۔ مسلم بن حجاج صحیح المسلم "باب الکبائر و اکبرها"
- ۱۸۔ بخاری محمد بن اسماعیل صحیح البخاری "کتاب الایمان"
- ۱۹۔ النسائی ابو عبد الرحمن بن شعب ، سنن نسائی
- ۲۰۔ ابن کثیر ، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۹
- ۲۱۔ قرآن ، الحجرات آیت نمبر ۱۱
- ۲۲۔ ایضاً آیت ۱۲

- ۲۳۔ مسلم بن حجاج : صحیح مسلم " باب تحریمہ التماسد واتباغض والتدابیر "
- ۲۴۔ قرآن سورة النساء آیت نمبر ۵
- ۱۵۔ قرآن سورة الحديد آیت نمبر ۱۰
- ۲۶۔ مسلم بن حجاج ، صحیح مسلم " باب دینار من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار "
- ۲۷۔ خطیب تبریزی مشکوٰۃ المصابیح ۳۰۶
- ۲۸۔ قرآن سورة النساء آیت ۳۶
- ۲۹۔ خطیب تبریزی مشکوٰۃ المصابیح " باب السلام "

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نہجِ اکرم بحیثیت داعی امن و اخوت

نومید شیلی پشاور

ابتدائی تعارف، آیت وسورۃ الانفال

کاٹنات رنگ و بومیں روزِ ازل سے لیکر روزِ ابد تک رونما ہونے والے مجموعے قرآن حکیم قرآن مجید کے نویں پارے اور آٹھویں سورہ الانفال کی جو بیسیویں آیت کا پہلا حصہ پھر یوں ہے۔ آیا تمہا الذین آمنوا استجبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ہے۔ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو بات مانو اللہ کی اور رسول کی جب بلا دے تم کو واسطے اس کے جو زندہ کرے تم کو

مولانا احمد صدیق و القرآن کشف الرحمن میں رقمطراز ہیں۔ جب رسول تمہیں زندگی بخشنے والے کام کی طرف بلا کرے اور پکارا کرے جیسے جہاد وغیرہ کی طرف تو امتثال امر میں جلدی کیا کرو۔ یعنی حکم بجالانے میں جلدی کرو شاید اسی وقت دل ایسا نہ رہے دل اللہ کے ہاتھ میں رہے۔ پس بھلے کام میں تاخیر نہ کرو۔

ڈاکٹر سید حامد حسین بلگرامی فیوض القرآن میں یوں فرماتے ہیں، اللہ اور اس کے

رسول کی آواز جو تمہارے قلب میں ہے اس کو سنجوب بلائیں تو ان کی آواز پر کان رکھو
ان کی طرف آ جاؤ تاکہ حیات جاودانی پاؤ ، مستجاب الدعوات ہو جاؤ جو مانگو اللہ عطا
فرمائے گا ۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں ۔
” نفاق کی رو سے انسان کو سچانے کیلئے اگر کوئی سب سے مؤثر تدبیر ہے تو وہ صرف یہ
ہے کہ دو عقیدے انسان کے ذہن نشین ہو جائیں ایک یہ کہ معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جو
دلوں کے حال تک جانتا ہے اور ایسا راز دان ہے کہ آدمی اپنے دل میں جو نیش جو خراش
جو اغراض و مقاصد جو خیالات چھپا کر رکھتا ہے اس پر عیاں ہیں ۔ دوسرے یہ کہ جانا بہر حال
خدا کی طرف ہے ۔ اور اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے ۔

مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی (مرحوم) درس قرآن میں اس سلسلے میں وضاحت کے ساتھ
بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ اس آیت میں اللہ ۔ اور اس کے رسول کا حکم ماننے کیلئے
کہا گیا ہے اور یہی معنی اسلام کے ہیں یقیناً اللہ اور اس کا رسول اس میں باتوں کا حکم دیتے ہیں ۔
جس میں انسان کا فائدہ ہی فائدہ ہے ۔ اللہ کا حکم اور اس کے رسول کا حکم ایک ہی بات ہے کیونکہ
رسول کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیتے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو ۔ اس حکم کے طے کرنے کے دو
نتیجے لازمی ہیں ایک یہ کہ دنیا میں عزت نصیب ہوگی ۔ دوسرے کہ آخرت میں ہمیشہ آرام و سکون
کے ساتھ بسر کرے گا ۔ اور یہی وہ زندگی ہے جس کی طرف اللہ کا رسول دعوت دیتا ہے ۔

ابھی تک دیکھا جائے تو اس آیت کے بعد کی تفاسیر کے حوالے سے دو باتیں سامنے آئی ہیں ۔
۱۔ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کا حکم دے فوراً سرانجام دیا جائے ۔
۲۔ خدا اور اس کا رسول کا ہر حکم زندگی بخش اور زندگی افزہ ہوتا ہے ۔

لیکن ان دو اصول کے وسیع تر تناظر میں جائزے کیلئے یہ بات ضروری ہو جاتی ہے ۔ کہ
اس آیت کے بعد کی اہمیت اور پس منظر یہ بھی ایک نظر ڈال لی جائے جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے
کہ مذکورہ آیت کریمہ سورہ الانفال کی ایک آیت ہے جو کہ بذات خود اسلامی تاریخ کے باب میں ایک
بہت بڑی تبدیلی کے موقع پر نازل ہوئی جیسا کہ اس سورہ کے نام ” الانفال ” سے ظاہر ہے ۔
” الانفال ” (معنی لوٹی ہوئی چیزیں ہیں) یہ نفل کی جمع ہے اور نفل وہ مال ہے جسے دشمن لڑائی
چھوڑ کر بھاگ جائے اور وہ مسلمانوں کے قبضے میں آجائے ۔ دوسرے لفظوں میں یہ

اس مال سے بحث کرتی ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ اپنی پہلی لڑائی کے بعد لگا۔ اور سلطنت اسلامی کے خزانے میں پہلا بڑا اضافہ ثابت ہوا۔

اس سورۃ کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:-

یہ سورۃ بدر میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ جبکہ اسی بات کی تفسیق کرتے ہوئے مولانا عبدالحی فاروقی مزید فرماتے ہیں:- یہ سورۃ مدینہ میں ۲ ہجری کے اندر نازل ہوئی اس سے پہلے بدر کی مشہور جنگ ہو چکی تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو مکہ کے کافروں پر غلیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ مسند پر درپیش ہے کہ مال غنیمت جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا اس کو کیسے تقسیم کیا جائے۔ یہ مسلمانوں کی پہلی لڑائی تھی۔ اس سے پہلے دشمن سے چھینے ہوئے مال بانٹنے کا موقعہ نہیں آیا تھا۔ عرب میں ان دنوں جس کی لالچھی اس کی بھیئس کا قانون تھا۔ زبردست سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا اور باقی منہ دیکھتے رہ جاتے۔ اس طرح اول مرتبہ دولت کی تقسیم کے قانون کی عرب میں بنیاد رکھی گئی اور بتلایا گیا کہ اس بابت تم آپس میں جھگڑا مت کرو مال کسی کا نہیں اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔ اس لئے اس کے مقرر کردہ قانون کے مطابق اس کی تقسیم ہوگی۔

اس سورۃ کی ایک اور اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ اس کا تعلق قرآن مجید کی ۱۴۴ میں ان ۶۲ سورتوں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئیں اور ان سی سورتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو حکم ہوا تھا کہ مکہ کے کافر جن کے ساتھ اہل کتاب بھی مل گئے ہیں بغیر گوثمالی کے بار نہ آئیں گے۔ اس لئے ان سے لڑو لیکن زیادتی اور ظلم مت کرو کیونکہ لڑائی کا مقصد صرف فساد دفع کرنا ہے۔

علاوہ ازیں اس سورۃ کی اہمیت اور بڑائی کا منظر ایک اور حوالے سے بدر کا اہم ہونا بھی بنا ہے۔ چنانچہ مولانا سلیمان ندوی سیرت النبی میں رقمطراز ہیں:- ”جس طرح دوسری قوموں کیلئے مختلف معجزات آئے اسی طرح جس قوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس کے لئے جنگ بدر ”معجزہ عذاب“ تھا۔ پس قرآن نے اس ”معجزہ عذاب“ کا ذکر لفظی کری (بڑی پکڑ) کہہ کر کر دیا تھا اور کفار کیلئے اسے ہلاکت کا باعث قرار دیا تھا۔

بدر کے غزوہ کی اہمیت صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت ابن عباس کے حوالے سے بھی سامنے آتی ہے۔ جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کیا کہ کیا وہ

لوگ جو بدر میں شریک ہوئے اور جو لوگ بدر میں شریک نہیں ہوئے برابر ہو سکتے ہیں۔
(صحیح بخاری)

اس سورہ کی اہمیت کے بارے میں پکٹھال رقمطراز ہیں۔

“Al-Anfal” “The Spoils” takes its name from the first verse by which it is proclaimed that property in war belongs to Allah and his messenger—
The date of revelation of this surah as established, from the Nahire of the contents, as the time that elapsed between the battle of Badre and the division of spoils—a space of only one month in the second year of Hijrah”.

پس اب نتائج اخذ کرنے میں انتہائی آسانی ہو جاتی ہے اور مندرجہ بالا واقعات تفاسیر کے مطالعے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ زیر بحث آیت کریمہ اور سورہ کی لحاظ اور حقیقتوں سے اسلامی زندگی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں جلدی
 - ۲۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم زندگی بخش ہے یا اس کے مانے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں۔
 - ۳۔ دولت کی تقسیم کسی بھی معاشرے میں حیات افروزی میں ایک اہم قدر ہے۔
 - ۴۔ بدر کا معرکہ مسلمانوں کیلئے ایک نئے لائحہ عمل اور طرز زندگی کا پیش خیمہ ہے۔
 - ۵۔ معرکہ بدر اور اسلامی معاشیات کا باہمی تعلق۔
- لیکن یہاں چونکہ ہم نے اپنے آپ کو زیر بحث آیت کریمہ کے حوالے سے صرف اسی سورہ کی دعوت امن ہوئے اور باعث اخوت ہونے کے حوالے سے گفتگو کرنا ہے اس لئے مندرجہ بالا نتائج پر سبیل تذکرہ تو مندرجہ موضوعات کے ساتھ ساتھ چلیں گے لیکن ماسکہ بحث عموماً اور زیادہ تر زیر بحث موضوعات زندگی - امن اور اخوت کا ہی زیادہ احاطہ کرے گا۔

پس مندرجہ بالا موضوعات پر آیات قرآنی کے حوالے سے بحث کرنے سے پیشتر بہتر ہے ایک دفعہ ان کے لغوی مطالب کا جائزہ لیا جائے تاکہ ان موضوعات پر بحث ہرگز نہ ٹکھرسکے اور مؤثر ہو سکے۔

فیروز اللغات (عبد الحمید ۱۹۲۵ء) کے مطابق زیر بحث موضوعات ان کے معنی کچھ یوں ہیں۔

لفظ
امن

معنی

چین دھبی سکون و اطمینان صلح آشتی پناہ

حفاظت

اخوت

برادری اور بھائی بندی

دعوت

کھانے کے واسطے بلانا - کسی مذہب کی طرف بلانا

حکم

فرمان پروانہ ارشاد ہدایت شرعی فیصلہ فتویٰ

زندگی

زیست - حیات - جیون

۱۔ کسفر و کشتری میں بھی امن جس کا انگریزی متبادل ہے - کم و بیش فیروز اللغات والے
معنی میں استعمال ہوا ہے - آئیے اب ایک نظر جائزہ لیں کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ کے
اثرات امنِ عالم پر کیا پڑتے ہیں اور زندگی اور امن کا کیا تعلق ہے -

زندگی اور امن کا تعلق:

جیسا کہ اس آیت کریمہ میں اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنے کے نتیجے میں وقوع
پزیر ہونے والے منظر کیلئے لفظ استعمال ہوا ہے -

یچسکم جس کا مطلب ہے (جلائے تمہیں) جو کہ بھی مفاعع کا حصہ ہے جس کا مصدر اچباء
ہے جس کا مطلب جلانا، زندہ کرنا ہیں اور یہ لفظ حیات سے بنا ہے پس اب دیکھنا یہ ہے کہ مندرجہ
آیت کریمہ کس حوالے سے دعوتِ امن کی منظر ٹھہرتی ہے اور کس طرح سے یہ آیت کریمہ جو کہ اللہ اور
اس کے رسول ﷺ کے قتال کی طرف بلانے کے حکم کے بارے میں ہے زندگی بخش بنتی ہے -

قرآن مجید فرقانِ عمید کا ایک یہ معجزہ بھی ہے کہ اس کی ہر ایک آیت کے اندر اسرار و معنی کے
سمندر پنہاں ہیں - اب اگر ہم زیر بحث آیت کریمہ کا ظاہری مطلب لیں تو اس کیلئے بھی استدلال اور
منطق ہمیں دنیا کے اس سب سے بڑے معجزے قرآن کریم میں مل جاتی ہے اور اگر اس آیت مقدسہ
کے باطنی مطلب کا جائزہ لیں تو تب بھی معنی کے اسرار کھولنے کیلئے قرآن مجید میں معنی کا ایک بحرِ غار
ٹھایا گیا ہے -

اب آپ ظاہری پہلو سے اس آیت مقدسہ کا جائزہ لیں جس کے مطابق قتال کی طرف یا
دنیاوی معنی میں جنگ کی طرف بلائے جانے کا حکم جس کے اندر موت کے ہونے کا امکان بہت

بڑے حد تک موجود ہے کیسے زندگی بخش بن کر اللہ تعالیٰ کے زیرِ بخت فرمان کے لئے معجز فراہم کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچے سامنے داعیِ امن بن کر ظاہر ہوئے ہیں ، ارشادِ خداوندی ہے ۔

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے“ (۱۵۴:۱۲)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا !

”اور اگر تم اللہ کے رستے میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو جو (مال و متاع) لوگ جمع کرتے ہیں اس سے اللہ کی رحمت و بخشش کہیں بہتر ہے اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ اللہ کے حضور میں ضرور لکھٹے کئے جاؤ گے۔“ (۱۵۷:۳)

پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے ۔

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔“ (۱۹۹:۱۳)

پس جس طرح سے قرآن حکیم نے ہر معاملہ میں چاہے وہ اخلاقیات ہوں سیاسیات ہو معاشیات ہو اقتصادیات یا عمرانیات سہ اپنا ایک مخصوص طرزِ فکر دیا ہے اسی طرح سے اس آیت کریمہ کے حوالے سے جنگ کے مروج معنی اور زندگی کے مروج معنی کو بھی نئے مطالب اور نئے افقوں سے روشناس کرایا ہے جس میں جنگ باعثِ زحمت نہیں بلکہ

”تو جو لوگ آخرت (کو خریدتے اور اس) کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر سب سے پہلے وہ جہادِ باطنی یا غلبہ پائے ہم اس کو غمگین نہ بٹھا دیں گے۔“ (۷۴:۴)

پھر اسلام نے بجائے جنگ و قتال سے منع کرنے کے اور جنگ کو ایک منفی شے کہنے کے قتال کو مثبت قدر میں تبدیل کر دیا ، فرمایا !

”مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے یہی لوگ (ایمان کے) پیچھے ہیں۔“ (۱۵:۴۹)

بلکہ اس کے اندر زندگی کے زبان کو زبیاں نہیں بلکہ منافع کا سودا گردانا اور کہا !

”جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے

رہے اللہ کے ہاں ان کے دسے بہت بڑے ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں ۔
(۲۰ : ۹)

دوسرے لفظوں میں مندرجہ بالا آیات کریمہ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ بظاہر نظر آنی والی جنگ اور موت اسلامی نقطہ نظر اور قرآنی فرمودات کی روشنی میں اپنے لغوی اور لفظی معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی کی قابل ہو جاتی ہے گویا اس کیلئے ہم مروج الفاظ امن اور زندگی ان کے مروج معنوں میں استعمال کر سکتے ہیں ۔ امن سے مراد جیسا کہ ہم قبل ازیں عرض کر چکے ہیں چین و جمعہ وغیرہ وغیرہ ہیں اور اسلام میں چین اور دلجمعی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے ۔ پس عمومی لفظوں میں جنگ اور اسلامی لغت کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ عام زندگی میں مروج طرز فکر کے برخلاف مسلمانوں کیلئے زحمت اور پریشانی اور تکلیف بننے کے ساتھ ساتھ موت کا پیغام ہونے کے نہ صرف یہ کہ سکھ سکون اور اطمینان کی علامت بننا دکھائی دیتا ہے بلکہ حیات جاوداں اور ابدی زندگی کا آئینہ دار بھی ہو جاتا ہے ۔ اور اس حوالے سے زندگی ہمیں اپنے وسیع تر معنی میں ظاہر ہوتی دکھائی دیتی ہے اور مغربی فکر و نفسیات کے برخلاف جس کے مشہور مفکرین مثلاً فرانز کے "شعور و لاشعور" کی محدودیت "ینگ کے اجتماعی لاشعور" اور ایڈلر کی کوششیں تھا اور سارنر کی محدود اصطلاح "مصدقیت" کے دائروں نے نکل کر آفاقیت کی اس معراج تک پہنچ جاتی ہے جہاں پر بقا و سی بقا ہے اور فنا کا نام بھی بقا رکھ دیا گیا ہے ۔ بلکہ فنا کو "بقائے عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے اور جہاں تخریب یا جنگ وجہ ریختہ نیست نہیں بلکہ وجہ تعمیر قرار پا کر کائنات رنگ و بو کو زیادہ چائی اور بڑھاتی دکھائی دیتی ہے ۔

گویا اس طرح سے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی حیثیت تاریخ فکر میں ایک تاریخی حیثیت حاصل کر لیتی ہے اور انسانی زندگی کی فنا و بقا کے بارے میں نئی اصطلاحات وضع کرتے ہوئے زندگی اور امن کے نئے آلاتی معنی متعارف کروائی ہے ۔

ایمان اور اخوت کا تعلق :

اب اگر ایک اور نقطہ نظر سے اس آیت کریمہ کا جائزہ لیا جائے تو اسرار و معنی کے اس گہر قرآن کے اس جوہر کے مزید رموز آشکار ہو کر فکر کے نئے افق پیدا کریں گے ۔ جیسا کہ آپ

نے مطالعہ کیا۔ اس آیت میں جس طرح بعض آیات میں پوری کائنات کے لوگوں سے خطاب ہوتا ہے اس کے برخلاف لوگوں کے ساتھ اس آیت کو مخصوص کر دیا گیا۔ ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں یا ایمان لا چکے ہیں یا صاحب ایمان ہیں، گویا یہ آیت صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو صاحب ایمان ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ آیت لوگوں کے اس مخصوص گروہ یا گروپ کیلئے ہے جو ایمان یا ایک جیسے اعتقادات یا خیالات یا اخلاقی نظام کے تحت ایک گروہ کی شکل اختیار کر کے ایک خاص طبقہ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن "ایمان والوں" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ پس بات کچھ یوں بنتی دکھائی دیتی ہے کہ دنیا میں ایک یا ایک سے زیادہ گروہ موجود ہیں۔ کیونکہ ایک ہی گروہ ہونے کی صورت میں دوسرے گروہ کو مخاطب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی گویا دوسرے گروہ کی موجودگی کی بنا پر ایک خاص گروہ یعنی "صاحب ایمان" لوگوں کے گروہ کو مخاطب کر کے کی گئی ہے۔ قرآن اس سلسلے میں مزید اس طرح سے خطاب کرتا ہے یا دوسرے لفظوں میں گروہوں کے بارے میں یوں بیان کرتا ہے۔

... کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑا لی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ (۱۲:۱۴)

گویا وہ اور طرح کے لوگ ہیں اور "ایمان والے" اور طرح کے لوگ ہیں اور انہیں اس طرح کے ہونے سے روکا جائے "اہل ایمان" اپنے لوگوں کی طرح کے رہیں گے تو "اہل ایمان" رہیں گے۔ وگرنہ "اہل ایمان" نہ رہ سکیں گے۔ پس قرآن اس سلسلے میں فرماتا ہے۔

.... اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلو۔ (۱۱:۸)

اسی لئے کہا گیا کہ:

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برسی باتوں سے منع کرتے ہیں۔۔۔۔ (۹:۶۱)

مزید صاحب ایمان لوگوں کی تشریح کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

"ہاں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑا

اور خاص اللہ کے حکم بردار ہو گئے تو ایسے لوگ مومنوں کے زمرے میں ہوں گے ۔۔۔۔۔

(۱۴۹: ۴)

اس کے ساتھ ساتھ دوسرے گروہ کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا ۔
 ” اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ پر سزا گاروں کا دوست

ہے ” (۱۹: ۴۵)

پس جب ایسے لوگوں کا ذکر ہوتا ہے جو ظلم کرتے ہیں تو ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو اہل ایمان ” ہیں اور جو ظالموں کو ظلم کرنے سے روکتے ہیں ۔ پس ارشاد ہوا !

” ۔۔۔۔۔ اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کو نوازے کی ملامت سے نہ ڈریں ۔ یہ اللہ کا فضل

ہے ۔ (۵۴: ۵)

پس زیر بحث آیت کریمہ میں استعمال کئے گئے الفاظ ” اے اہل ایمان ” اور ” اہل ایمان ” سے خطاب دراصل صرف ایک خطاب ہی نہیں بلکہ اپنے اندر گروہی اور سماجی نفسیات کے وسیع تر مظاہر بھی سمیٹے ہوئے ہے ۔ جس کے اندر نہ صرف ایک مخصوص گروہ افراد کی نشاندہی کر دی گئی ہے بلکہ اس کے اندر اس گروہ یا گروہ کے تشکیل پانے میں کارفرما بنیادی فکر اور محرک کا بھی ذکر کر دیا ہے اور وہ ہے ایمان یا ” عقیدہ ” یا ” یقین ” اور یہ ” ایمان ” ” عقیدہ ” یا ” یقین ” ہے اللہ کی وحدانیت اور عقانیت کا اقرار اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار ۔ پس ایمان بھی گروہی نفسیات کی تشکیل کے حوالے سے اسلام نے مغربی سماجیات ، عمرانیات اور انسانیات کے مروجہ نظریات جن کے مطابق رنگ ، نسل ، زبان ، مشترکہ مفادات وغیرہ وغیرہ گروہ کی تشکیل کا باعث بنتے ہیں کو بالکل تبدیل کر کے دیا ہے اور گروہ کی تشکیل کیلئے بالکل نئے نظریہ اور فکر کو معارف کر دیا ہے ۔ جس کے مطابق اسلام کے نکتہ نظر سے گروہ کی تشکیل کیلئے صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر ایمان ہی بنیاد بن سکتا ہے اور یہی عوامل خدا پر ایمان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کسی بھی رنگ و نسل اور گروہ کے فرد کو ہے ۔ رنگ و نسل اور قومیت سے متبرک کر کے ” اہل ایمان ” کے گروہ کا جزو بنتی رہتی ہے ۔

اب جب کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زیر بحث آیت کریمہ اپنے گروہ کی تشکیل کا حوالہ

بھی سیٹھے ہوئے ہے پس اس گروہ کے حوالے میں اوپر مذکور آیات کے حوالے سے جو بات سامنے آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جیسے یہ گروہ (اہل ایمان کا گروہ) اپنے تشکیلی عناصر میں دنیا کے دوسرے عناصر سے مختلف ہے۔ اس طرح ہی اپنے نوافل کے سلسلے میں بھی دوسرے گروہوں سے مختلف ہے۔ یہاں جہاں اکٹھے ہونے کی بنیاد دوسرے گروہوں کے برخلاف خدا اور رسولؐ بنتے ہیں وہاں اس کے عوامل بھی شخصی مفادات ذاتی اغراض اور دنیاوی مقاصد کے حصول کی بجائے خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی کے حصول کے تابع ہوتے ہیں پس خدا اور اس کے رسول صلعم کی اتباع اور خوشنودی کا حصول ہی اس گروہ کے افراد کی تبدیلی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں ہی "اخوت" اور بھائی بندی کی ایسی مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ ایک مجاہد خود پیٹنے کی بجائے میدان جنگ میں اپنے حصے کا پانی دوسرے مجاہد کو بھجوا دے اور دوسرے کو حشمتی کہ تینوں اسی کوشش میں جان دے دیں، کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کے دینے میں اس طرح مل کر رہتے ہیں گویا کہ وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے"

(۴۰۹۱)

پس اس طرح سے مسلمانوں کی گروہی زندگی کی طرف اشارہ کر کے یہ زیر بحث آیت کریمہ اسلامی معاشرے میں موجود اخوت کے وسیع تر مفہیم کے درکھولتی دکھائی دیتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت داعی اخوت بنتی بھی دکھائی دیتی ہے۔

حکم کی بجا آوری اور زندگی

زیر بحث آیت کریمہ میں ایک اور بہت ہی اہم اور حساس نکتہ بیان ہوا ہے کہ اسلام میں زندگی کا ایک اور بھی مطلب ہے اور وہ ہے اطاعت رسول و اطاعت پروردگار اور یہی وہ بنیادی مقاصد ہیں جن کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا گویا کہ اطاعت خداوندی اور اقرار رسالت علت زندگی بنتے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ حدیث قدسی میں ہے۔

"میں نے انسان کو پیدا کیا تاکہ میری پہچان ہو سکے"

پس زندگی کی وجہ ظہور اللہ کی کبریائی اور محمد عربی کی مصطفائی کا اقرار ہے اور اس کے

بغیر زندگی زندگی نہیں ہے، فرمان خداوندی ہے۔

”پکارتا ہے اللہ کے سوا ایسی چیز کو جو نہ اسے نقصان پہنچائے اور نہ فائدہ سکے یہی تو پر لے درجے کی گمراہی ہے۔“ (۱۲:۲۲)

گویا کہ اللہ کی حدود سے باہر گزرنے والی زندگی، زندگی نہیں بلکہ ایک میکانیکی سائل ہے جس میں انسان زندہ رہتا ہے اور مر جاتا ہے، گویا زندگی تو وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجالاتے ہوئے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل میں بسر کی جائے جس میں امن ہو اخوت ہو اور احسان ہو۔ پس اسی لئے قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔

” (اور نہ) ان لوگوں میں (ہونا) جنہوں نے اپنے دین کو ٹھکڑے ٹھکڑے کر دیا اور (خود) فرقے فرقے ہو گئے اور سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں ان کا کام اللہ کے حوالے پھر جو جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ (ان) کو سب بتائے گا “ (۱۹:۹)

خلاصہ:

پس اہل ایمان وہی ہیں جو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں آپس میں تفرقہ نہیں ڈالتے اور اخوت اور بھائی چارے کی عظیم فضا قائم کرتے ہوئے ایک ایسا معاشرہ قائم کرتے ہیں جس میں امن ہوتا ہے اور جو امن اور رواداری کے سبب انصاف پر قائم ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

”..... اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے“ (۲۲:۵)

اور اسلامی معاشرے میں اللہ کی دوستی سے بڑی کوئی اور شے نہیں اور اللہ جس کا دوست ہے کائنات اس کیلئے ہے اور تاریخی حوالے سے بات ثابت ہے کہ دنیا میں دو کام ہی سب سے کٹھن ہیں اور وہ ہیں انصاف کرنا اور گناہوں سے بچنا اور قرآن نے جگہ جگہ رواداری اور انصاف اور بھائی چارے پر اصرار کیا ہے۔ اور بار بار انانولہ سے اہل ایمان سے خطاب کر کے ان سے درخواست کی ہے کہ وہ بھائی چارے، اخوت، انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کریں اور یقیناً جب بھائی چارہ ہوگا۔ اخوت ہوگی، انصاف ہوگا تو

فساد نہیں ہوگا۔ جھگڑا نہیں ہوگا استحصال نہیں ہوگا۔ ظلم نہیں ہوگا اور جب کسی بھی معاشرے میں یہ تمام غنا سر نہیں ہوں گے تو یقیناً ایک ایسی سوسائٹی معرض وجود میں آئے گی جس میں امن ہوگا۔ اور چونکہ تمام کا تمام کلام پاک شمول زیر بحث آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارکہ سے بیان ہوا۔ پس قرآن کے حوالے سے بالعموم اور اس آیت مبارکہ کے حوالے سے بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت داعی "امن واخوت" بن کر سامنے آتی ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ القرآن کشف الرحمن " حضرت مولانا احمد سعید دہلوی مکتبہ رشیدیہ فارسی منزل پاکستان چوک کراچی ۔
- ۲۔ بائبل قرآن اور سائنس " مورس بوکائیے مترجم ثناء الحق صدیقی آر سی بک کلب ۸۴-۱۹۸۳ء
- ۳۔ "توضیح القرآن" شاہ عبدالقادر حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب پبلشرز کشمیری بازار لاہور ۔
- ۴۔ تفہیم القرآن " مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جلد دوم ادارہ ترجمان القرآن ، لاہور
- ۵۔ درس قرآن " مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور
- ۶۔ "سیرت النبی" جلد سوم مولانا سید سلیمان ندوی نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
- ۷۔ علم الاخلاق " کتاب اول باب ششم مترجم پروفیسر عبدالباری
- ۸۔ معارف القرآن " مولانا مفتی محمد شفیع ، ادارہ معارف کراچی نمبر ۱۲
- ۹۔ نبوض القرآن " ڈاکٹر سید حامد حسین بلگرامی ، سید ایچ ایچ کپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
- ۱۰۔ وجودیت کراویت اور اسلام " نوید شبلی ، ندیم شبلی ، نشید شبلی پبلیکیشنز ۹۹۳ بی ، غلام محمد آباد ، فیصل آباد ۔

1. "Essentials of Psychology" Michel Walter, Random House, New York.
2. "Foundation of contemporary psychology" Mayer E Mork, New York, Oxford University Press.
3. "Practical knowledge for all" Sir John Hammerton, The Wavorley Book Company Ltd.
4. "The Subline Quran and Orientalism" Muhammad Khalifa, Longman, London and New York.

پلی پی پی آئی - ۱۶۶۰ (۹۰) مذہبی امور / ۱۰۰۰

